

مُصْطَفَى أَحْمَدِي

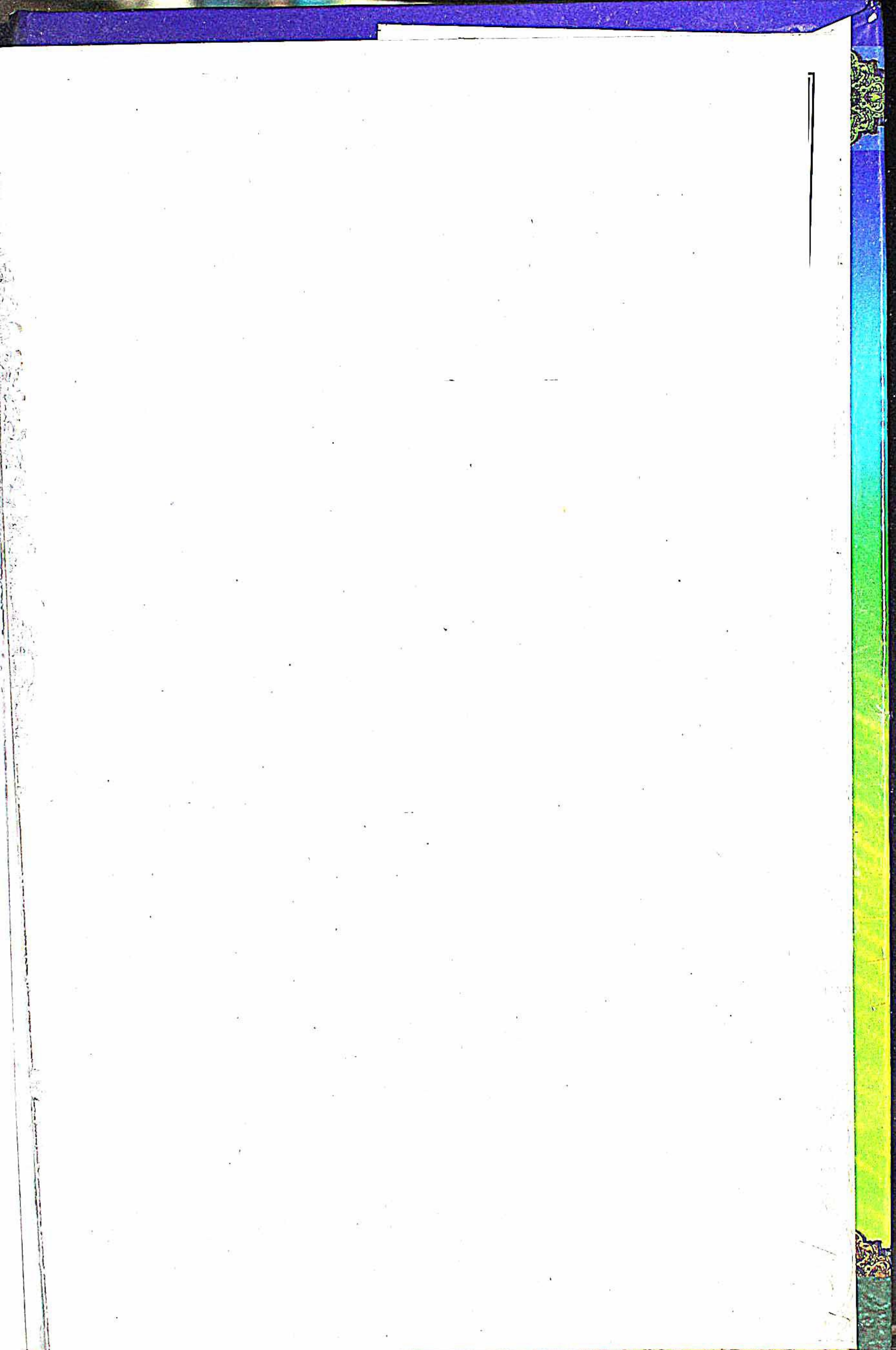
بہشتی عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر علمی تحقیقی اور فکرائیگز خوبصورت تحریریں

شاندار مجموعہ

مرتب:

علامہ علی اکبر قادری الازہری

شوریکہ رضویہ پبلی کیشنز



مصطلحات
احمدی

بجشنِ عیدِ میلادِ اسی صلی اللہ علیہ وسلم

پر

علمی تحقیقی اور فکرائیگز خوبصورت تحریروں کا

شمارہ دار مجموعہ

مرتب:

علامہ علی اکبر قادری الازہری

نُورِیَہِ رِضْوِیَہِ پِیَّایِ کِیْشَنَز

۱۱۔ گنج بخش روڈ، لاہور

﴿جملہ حقوق محفوظ ہیں﴾

نام کتاب	_____	آمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
مرتب	_____	ڈاکٹر علی اکبر قادری الازہری
صفحات	_____	320
طباعت دوم	_____	دسمبر 2013ء
طابع	_____	سید شجاعت رسول قادری
مطبع	_____	اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور
ناشر	_____	نوریہ رضویہ پبلی کیشنز لاہور
کمپیوٹر کوڈ	_____	1N0097
قیمت	_____	روپے

297.54
ع 910
125292

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز

11- گنج بخش روڈ، لاہور

فون 042-37070663-042-37313885

Email: nooriarizvia@hotmail.com

مکتبہ نوریہ رضویہ بغدادی جامع مسجد گلبرگ اے فیصل آباد

فون: 041-2626046

صفحہ	عنوانات
6	☆ پیش لفظ
8	☆ نعت رسول مقبول ﷺ
9	☆ میلاد النبیؐ۔ دلائل شرعیہ کی روشنی میں (محمد بن عباس علوی الماکی المکی)
38	☆ جشن میلاد النبیؐ کی شرعی حیثیت (شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری)
88	☆ رسول اللہؐ کا جشن میلاد (مفکر اسلام ڈاکٹر محمد حمید اللہ)
94	☆ نور و نکہت میں لپٹی ہوئی صبح سعادت کے نام (علی اکبر قادری)
97	☆ لامکان کی محافل میلاد "خدا خود میر مجلس بود اندر لامکان خسرو (العلی حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی)
102	☆ خلقت نور محمدی ﷺ (مولانا اشرف علی تھانوی)
106	☆ اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام (علی اکبر قادری)
110	☆ دنیا۔۔۔ میلاد النبیؐ سے پہلے (پروفیسر سید عبدالرحمن بخاری)
127	☆ ظہور قدسی۔۔۔ کائناتی انقلاب اور خدا کی رحمتوں کا سرمدی لمحہ (پروفیسر سید عبدالرحمن بخاری)
142	☆ جشن میلاد النبیؐ۔ اقوال و معمولات ائمہ کی روشنی میں امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی صاحب سبل الہدیٰ
150	☆ نور محمدیؐ کا وجود بشری میں ظہور (مفتی محمد عنایت احمد کاکوروی)
153	☆ میلاد النبیؐ صبح نور (ضیاء الامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ)
156	☆ جشن میلاد النبیؐ کیسے منایا جائے؟ (مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی)
163	☆ میلاد النبیؐ جشن اور احتیاج کا دن (علی اکبر قادری)

166	☆ جشن میلاد النبیؐ۔۔۔ (نواب مشتاق)
170	☆ یوم میلاد۔۔۔۔۔ یوم انقلاب (علی اکبر قادری)
173	☆ محافل میلاد النبیؐ۔ اتباع سنت اور محبت رسولؐ کا محرک (علامہ ڈاکٹر محمد اقبال)
177	☆ میلاد النبیؐ چمنستان سعادت میں بہاروں کا پیغام (علامہ شبلی نعمانی)
179	☆ عید میلاد النبیؐ فضل مجسم کی تشریف آوری کا دن (مولانا ظفر علی خان)
183	☆ میلاد النبیؐ تاریخ کے تاریک چہرے کی روشنی (صاحبزادہ سید خورشید احمد گیلانی)
188	☆ جشن آمد رسولؐ کیوں اور کیسے منائیں (علی اکبر قادری)
191	☆ خوشی ہے آمنہ کے لال کے تشریف لانے کی (علامہ راشد الخیری)
204	☆ آسمان ہدایت پر آفتاب عالم تاب کا طلوع (مولانا قاری محمد طیب)
223	☆ ربیع الاول۔۔۔ سردی بہاروں کا موسم (مولانا کوثر نیازی)
225	☆ یوم میلاد۔۔۔۔۔ یوم نجات (مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی)
234	☆ اک نئے دور کا آغاز تھا آنا ان کا (ریاض حسین چودھری)
241	☆ عید میلاد النبیؐ یوم تحدیث نعمت۔۔۔۔۔ یوم تجدید عہد (علی اکبر قادری)
248	☆ کفر کی کالی گھٹاؤں میں آفتاب ہدایت کا طلوع (شیخ الحدیث علامہ محمد معراج الاسلام)
254	☆ دعائے خلیل اور نوید مسیحا (شیخ الحدیث علامہ محمد معراج الاسلام)
260	☆ میلاد النبیؐ نور مبین کا ظہور تام (ہاجی فضل احمد صاحب سلسبیل)
262	☆ یوم میلاد النبیؐ۔۔۔ دنیا کا سب سے بڑا دن (علامہ ابوالکلام آزاد)
266	☆ میلاد النبیؐ کا پیغام دنیائے انسانیت کے نام (علی اکبر قادری)
272	☆ میلاد النبیؐ کا رساز قدرت کا شاندار دن (نعیم الدین مرزا آبادی)
274	☆ یوم میلاد النبیؐ۔۔۔۔۔ جب جنت زمیں پر اترتی (ناہر القادری)

279	☆ مقصود کائنات کا جشن ولادت (غزالی زماں حضرت سعید احمد کاظمی)
290	☆ جشن میلاد النبی کی تاریخی حیثیت اور عالم اسلام کے معمولات (محمد مظفر عالم صدیقی)
299	☆ میلاد النبی الہامی صحائف و کتب اور دیگر مذاہب کی روشنی میں (محمد مظفر عالم صدیقی)
320	☆ کتابیات

عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ

لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب

گنبد آگینہ رنگ تیرے محیط میں حجاب

عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ

ذره ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب

شوکت سحر و سلیم تیرے جلال کی نمود

فقر جنید و بایزید تیرا جمال بے نقاب

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام

میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب

تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پاگئے

عقل غیاب و جستجو، عشق حضور و اضطراب

(علامہ اقبال)

پیش لفظ

جشن میلاد النبی ﷺ۔۔۔ اہل محبت و عشق اور صاحبان معرفت و بصیرت کے لئے خاص اہمیت کا حامل موضوع ہے۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ اس ایمان افروز موضوع پر چھوٹی بڑی کتب ہر زبان میں بکثرت الگ بھی لکھی گئیں اور جن خوش بخت لوگوں نے عمومی طور پر سیرت و فضائل و نبوی پر لکھا انہوں نے بھی ”ولادت مصطفوی“ کو خصوصی اور جلی عنوانات کے تحت ذکر کیا۔ ان حضرات نے حسب حال اور حسب استطاعت اپنے اپنے لطیف احساسات کو عقیدت و احترام اور شوق و محبت کے تمام تر تقاضوں کے ساتھ تحریری گلدستوں میں پرو دیا ہے۔۔۔ یہ سلسلہ شوق۔۔۔ تا حال جاری ہے اور قیامت تک بہتر سے بہتر پیرائے میں جاری رہے گا۔ جب تک گلوں کی مہک، بلبل کے نغمے اور بہاروں کی رونقیں باقی ہیں جان بہار ﷺ کے تذکرے تر و تازہ رہیں گے، جب تک بزم کائنات میں زندگی کے آثار موجود رہیں گے روح کائنات ﷺ کا ذکر ہوتا رہے گا۔۔۔ جب تک انسانی قافلوں کا تسلسل جاری رہے گا، آپ ﷺ پر ایمان لانے والوں اور آپ سے اکتساب شعور و ایمان کی بھیک لینے والوں کی زبانیں اور قلم جشن آمد رسول ﷺ میں محو منہمک رہیں گے۔۔۔

در اصل یہ حصول سعادت کا معاملہ ہے اس لئے اس صف میں شامل اہل قلم کی تعداد یقیناً زیادہ ہے اور میری یہ جسارت بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔۔۔ میں نے اولاً تو کتاب میں شامل محترم علوی مالکی صاحب کے مختصر کتابچے کا اردو ترجمہ جو ایک مدت سے اشاعت طلب تھا، ربیع الاول شریف میں طبع کرنے کا پروگرام بنایا تھا پھر معاً میرے ذہن میں مختلف اوقات میں لکھے گئے اپنے مضامین اور ادارے ترتیب وار آتے گئے، میں نے سوچا ان مضامین کو بھی اس کے ساتھ شامل اشاعت کر لیا جائے۔ میں جب یہ مضامین مطبوعہ رسائل خصوصاً ماہنامہ منہاج القرآن سے اکٹھے کر رہا تھا تو کچھ ایسی نادر اور دلچسپ تحریریں بھی میری نظروں سے گزریں جنہوں نے میرے دامن دل کو کھینچ لیا اور ارادے میں خوشگوار تبدیلیاں پیدا کر دیں۔ میں نے ایک لمحے کے لئے رک کر سوچا کیوں نہ ان احباب اور بزرگوں کو بھی شامل کر لیا جائے چنانچہ ایسی تحریریں مزید تلاش کی گئیں اور ایک دو روز میں ان شخصیات کی یہ تحریریں جمع ہو گئیں جو اب آپ کے سامنے ایک کتاب کی صورت میں موجود ہیں۔ یہ محض اللہ پاک کا فضل و کرم ہے کہ اس نے مجھ جیسے حقیر کو جشن میلاد النبی ﷺ جیسے موضوع پر منتشر تحریروں کو یکجا

کر کے ایک خوبصورت گلدستے کی شکل میں پیش کرنے کی سعادت کے لئے منتخب فرمایا۔

کتاب میں شامل ہر مضمون عقیدت کا جدارنگ لئے ہوئے ہے، ہر ایک کا اسلوب اور مواد بھی الگ نوعیت کا ہے اور یہی اس مجموعے کا حسن ہے۔ قاری کے لئے مختلف اذواق کو ایک جگہ اکٹھا کر دیا گیا ہے۔ ان مضامین میں سے کچھ تو علمی اور تحقیقی مواد پر مشتمل ہیں خصوصاً محدث مکی علوی مالکی صاحب مرحوم کی کتاب، امام یوسف الصالحی الثامی کی کتاب ”سبل الہدیٰ“ کا ایک باب اور مفکر اسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ کی کتاب میلاد النبی ﷺ کے ایک مرکزی باب کا خلاصہ، خالص علمی تحقیقی اسلوب کے حامل ہیں، علاوہ ازیں کچھ ایسے بزرگوں کے مضامین بھی شامل کتاب میں جو اس موضوع پر دلچسپی رکھنے والوں کے سامنے شاید پہلی بار آئیں خاص طور پر مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا قاری محمد طیب مرحوم جو اگرچہ اکثر دیوبندی حضرات کے موجودہ عمومی مزاج سے قدرے ہٹ کر جذبات و احساسات رکھتے تھے، تاہم دونوں شخصیات علمائے دیوبند کے معتبر نام ہیں، قارئین کو ان کے جذبات پڑھ کر یقیناً خوشگوار حیرت ہوگی۔ علاوہ ازیں دیگر نامور شخصیات میں علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ، ضیاء الامت جسٹس پیر محمد کرم شاہؒ، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلویؒ، مفتی محمد عنایت کاکورویؒ، علامہ ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر مسعود احمد، ڈاکٹر حمید اللہ اور علامہ شبلیؒ وغیرہ جیسے لوگوں کی عقیدت محبت اور فکر و تحقیق کو یکجا دیکھ کر یقیناً خوشی ہوگی۔

اپنی اس کاوش کو میں بطور خاص علماء خطباء اور بالخصوص مدارس دینیہ کالجز اور یونیورسٹی کے ایسے طلباء و طالبات کی ضرورت کی خاصی حد تک تلافی سمجھتا ہوں جو خطاب اور تقریری مقابلوں میں حصہ لیتے رہتے ہیں، انشاء اللہ یہ مجموعہ انہیں اس موضوع پر دیگر کتب سے بے نیاز کر دے گا۔ آخر میں خواتین و حضرات سے درخواست ہے کہ وہ میلاد النبی ﷺ کی روحانی محافل اور حضوری کے مستجاب الدعوات لمحات میں حقیر کو اپنی نیک دعاؤں میں یاد رکھیں۔

کتاب کی تیاری میں عزیزم محترم محمد یوسف (نائب مدیر ماہنامہ منہاج القرآن) کی مخلصانہ کاوشوں پر ان کا مشکور ہوں۔ اللہ تعالیٰ حضور سرور کائنات ﷺ کے میلاد کی خوشی میں شریک ہونے والے اہل ایمان کے درجات بلند فرمائے اور پوری امت کو یہ توفیق بخشے کہ بطور قوم اس دن کو تحدیث نعمت اور یوم تجدید عہد کے طور پر منانے کا حقیقی شعور بھی حاصل کر سکے۔

آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

علی اکبر قادری الازہری

مبارک حضور آپ ﷺ کا سب کو آنا

ردائے تحفظ خدا نے عطا کی گھٹا سر پہ چھائی اسی کی رضا کی
فضا جھوم اٹھی ہے ارض و سما کی کہ میلاد پڑھتا ہے ہر اک صحیفہ

سَلَامٌ عَلَیْکَ، سَلَامٌ عَلَیْکَ

سَلَامٌ عَلَیْکَ، سَلَامٌ عَلَیْکَ

دیے آج خوشبو جلائے ہوئے ہے صبا بھی درتچے سجائے ہوئے ہے
کہ رحمت بھی نور اپنا چھائے ہوئے ہے مبارک حضور آپ ﷺ کا سب کو آنا

سَلَامٌ عَلَیْکَ، سَلَامٌ عَلَیْکَ

سَلَامٌ عَلَیْکَ، سَلَامٌ عَلَیْکَ

زمیں پر شہِ بحر و بر بن کے آئے شبِ نازوا کی سحر بن کے آئے
حضور ﷺ آپ ﷺ خیر البشر بن کے آئے کہ اولادِ آدم نہ کھائے گی دھوکہ

سَلَامٌ عَلَیْکَ، سَلَامٌ عَلَیْکَ

سَلَامٌ عَلَیْکَ، سَلَامٌ عَلَیْکَ

حضور ﷺ آپ ﷺ آئے تو تقدیر بدلی کتابِ حقائق کی تحریر بدلی
حروفِ ستائش کی تفسیر بدلی حضور ﷺ انقلابِ یقین پھر ہو برپا

سَلَامٌ عَلَیْکَ، سَلَامٌ عَلَیْکَ

سَلَامٌ عَلَیْکَ، سَلَامٌ عَلَیْکَ

(محترم ریاض حسین چودھری کی اکیسویں صدی کی طویل نعتیہ نظم ”سلام علیک“ سے اقتباس)

1- ہم جشن عید میلاد النبی ﷺ کے حوالے سے ایسی محافل کو جائز سمجھتے ہیں جہاں آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کا ذکر ہو، محافل نعت کا انعقاد ہو، کھانا کھلایا جائے اور مسلمانوں کے دلوں میں جذبہ حب رسول ﷺ ڈالنے کا اہتمام ہو۔

2- اس جواز سے ہمارا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم میلاد النبی ﷺ کی نسبت سے صرف ایک رات کو ان محافل و اذکار کے لئے مخصوص کر لیں۔ جو ایسا اعتقاد رکھتا ہے ہمارے نزدیک وہ بدعت کا مرتکب ہے کیونکہ آپ ﷺ سے تعلق محبت اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ہر وقت آپ کا مبارک ذکر ہوتا رہے اور دل ہر لمحہ اسی ذکر سے شاد کام رہیں۔ ہاں البتہ آپ ﷺ کے میلاد کے مہینے میں اس بات کی زیادہ ضرورت ہے کہ لوگ زمانہ نبوی کی یاد تازہ کرنے کے لئے اجتماعات و محافل کا اہتمام کریں اور یوں حال کے ذریعے دیگر لوگوں تک دعوت دین پہنچائیں۔

3- جشن میلاد النبی ﷺ کے موقع پر اجتماعات بلاشبہ دعوت الی اللہ کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ یہ ایک ایسا سنہری موقع ہے جسے ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ داعیان اسلام اور علمائے کرام کے لئے ضروری ہے کہ وہ لوگوں کو حضور نبی اکرم ﷺ کے اخلاق و آداب، احوال سیرت اور معاملات و عبادات مبارکہ کے متعلق بتائیں۔ انہیں نیکی اور فلاح کی نصیحت کریں۔ شرک، شر اور فتنہ سے ڈرائیں اور بدعت و آزمائش سے بچائیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہمارا ہمیشہ سے یہی معمول رہا ہے۔ ہم لوگوں کو برملا کہتے ہیں کہ ان اجتماعات کا مقصد محض لوگوں کو اکٹھا کر کے مظاہرے کر لینا ہی کافی نہیں بلکہ یہ مبارک اجتماعات تو نیک مقصد کے حصول کا ذریعہ ہیں جو شخص آپ ﷺ کے دین کی برکات سے مستفید نہیں ہوتا وہ میلاد النبی کی برکتوں سے محروم رہتا ہے۔

جشن میلاد النبی کے جواز میں دلائل

پہلی دلیل

جشن میلاد النبی ﷺ دراصل حضور سرور کائنات فخر موجودات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی

(ولادت کی) خوشی میں مسرت و شادمانی کا اظہار ہے اور یہ ایسا (مبارک) فعل ہے جس سے کافر کو بھی فائدہ پہنچتا ہے۔

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ ابولہب کو ہر پیر کے دن عذاب میں تخفیف ہوتی ہے کیونکہ اس نے حضور ﷺ کی ولادت کی خوشی سن کر اپنی کینز ثویبہ کو آزاد کر دیا تھا۔ جیسا کہ حافظ شمس الدین محمد بن ناصر الدین دمشقی اس سلسلے میں فرماتے ہیں۔

اذا كان كافراً جاء ذمه
اتبى انه فى يوم الاثنين دائماً
بما ظن بالبعد الذى كان عمره
بما حمد مسروراً ومات موحداً
ببت يداه فى الجحيم مخلداً
يخفف عنه للسرور بما حمداً

”جب ابولہب جیسا کافر و مشرک جس کے بارے میں قرآن حکیم میں مذمت (کے لئے پوری سورۃ) نازل ہوئی اور اس کا ٹھکانہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم ٹھہرا، اس کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے میلاد پر خوشی کرنے کی بناء پر ہر پیر کو عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے تو اس موحّد مسلمان (کی خوش بختی) کے متعلق کیا گمان ہو سکتا ہے جس کی زندگی میلاد النبی ﷺ کی خوشیاں منانے میں بسر ہوئی اور وہ حالت ایمان میں توحید پر یقین کے ساتھ رخصت ہوا ہو۔ (۱) یہ حدیث اگرچہ مرسل کے ضمن میں آتی ہے لیکن مقبول ہے کیونکہ اسے امام بخاری نے نقل کیا ہے۔ علماء و محدثین نے اس پر اعتماد کیا ہے اور اس لئے بھی کہ یہ فضائل و مناقب کے بارے میں نقل کی گئی ہے نہ کہ حلال و حرام (جیسے احکامات) کے بارے میں۔ علم حدیث کے طلبہ جانتے ہیں کہ مناقب اور احکام کے باب میں احادیث سے استدلال میں کتنا فرق ہے۔ (یعنی فضائل میں کمزور اور ضعیف روایات بھی معتبر ہوتی ہیں) رہا یہ مسئلہ کہ کفار کو ان کے اعمال کا اجر دیا جاتا ہے یا نہیں تو اس میں علمائے کرام کا اختلاف ہے جس کی تفصیلات کا ذکر یہاں ممکن نہیں۔ البتہ اس مسئلے کے بارے میں حضور ﷺ کی خواہش پر ابوطالب کے عذاب میں تخفیف کے متعلق حدیث صحیح موجود ہے۔ (۲)

دوسری دلیل

حضور نبی اکرم ﷺ خود بھی اپنے یوم ولادت کی تعظیم فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت عظمیٰ کا شکر بجالاتے اور اس کائنات میں اپنے ظہور وجود پر سپاس گزار ہوتے کیونکہ آپ ﷺ ہی کے وجود مسعود کے طفیل ہر وجود کو سعادت ملی۔

حضور ﷺ اس تعظیم کا اظہار یوں فرماتے کہ اس دن روزہ رکھتے جیسا کہ حدیث مبارکہ میں آتا ہے، ابو قتادہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔

فیه ولدت و فیہ انزل علی۔

”اسی دن میری ولادت ہوئی اور اسی دن مجھ پر وحی الہی اتری۔“

چشم میلاد کے انعقاد کا یہی مطلب ہے۔ (جو آپ کے عمل مبارک سے ثابت ہو رہا ہے) ہاں ظاہری صورت تھوڑی مختلف ہو سکتی ہے لیکن مقصود میلاد بہر حال موجود ہے اور خوشی منانا ثابت ہے۔ چاہے روزہ رکھ کر منائی جائے یا کھانا کھلا کر، محافل ذکر و نعت کا اہتمام کیا جائے یا اس موقع پر آپ کے فضائل و عادات مبارکہ کا تذکرہ ہو۔

تیسری دلیل

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے خوشی منانا تو قرآن کے اس حکم سے ثابت ہے جس میں ارشاد فرمایا گیا۔

قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا. (۳)

”فرمادیجئے کہ اللہ کا وہ فضل جو ان پر ہوا اور اللہ کی وہ رحمت جو انہیں عطا کی گئی، اس کے سبب وہ خوشیاں منائیں۔“

یہاں اللہ تعالیٰ ہمیں حکم فرما رہے ہیں کہ ہم کسی بھی رحمت کے بدلے میں خوشی منائیں

جبکہ نبی اکرم ﷺ کی ذات تو (ہمارے لئے) کائنات میں سب سے بڑی رحمت ہیں اور اس کی گواہی خود قرآن نے دی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ. (الانبیاء: ۱۰۷)

”اور اے محبوب ہم نے آپ کو کل جہانوں کے لئے سراسر رحمت بنا کر بھیجا۔“

چوتھی دلیل

حضور ﷺ بڑے بڑے (تاریخی دینی واقعات کے زمانہ حدوث کا خیال فرماتے ہیں۔ چنانچہ جب بھی ان واقعات کا زمانہ وقوع آتا تو یہ ان واقعات کی یاد آوری اور ان (واقعات) کی وجہ سے ان کے دنوں کی تعظیم کا موقع سمجھا جاتا۔ اس قاعدہ کی بنیاد خود حضور ﷺ نے بنفس نفیس قائم فرمائی۔ جیسا کہ حدیث میں اس کی وضاحت موجود ہے جب آپ ﷺ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہودیوں کو یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھا۔ سب دریافت فرمایا تو آپ کو بتایا گیا کہ وہ یہ روزہ اس لئے رکھتے ہیں کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے ان کے نبی کو نجات دی اور ان کے دشمنوں کو غرق کر دیا۔ لہذا وہ اس نعمت کے شکرانے کے طور پر روزہ رکھتے ہیں۔

یہ سن کر آپ نے فرمایا۔ نحن اولی بموسیٰ منکم فصام و امر بصیام.

”ہم حضرت موسیٰ کو تمہاری نسبت زیادہ چاہنے والے ہیں۔ بس اس دن آپ نے بھی

روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی اس کا حکم فرمایا۔“

پانچویں دلیل

جشن میلاد کا عمل لوگوں کو حضور ﷺ پر صلاۃ و سلام جیسے دوا، ہم فرائض کی طرف اکساتا

ہے۔ جن کی بجا آوری کا واضح حکم اس آیت کریمہ میں موجود ہے۔

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا. (۴)

”بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو تم بھی

ان پر درود بھیجو اور سلام بھی جیسا کہ سلام کا حق ہے۔ پس اس اصولی قاعدے کے تحت کہ

ما کان یبعث علی المطلوب شرعاً فهو مطلوب شرعاً.

یعنی جو کام شرعی احکام پر عمل کرنے کا باعث بنے وہ بھی امر شرعی ہی ہوتا ہے۔ (وہ کام

بذات خود شریعت میں مقصود ہوتا ہے) حضور ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کے فوائد کے متعلق آپ

کے کس قدر ارشادات ہیں، اس سے کتنی نوازشات نصیب ہوتی ہیں۔ اس عمل سے کتنے انوار و

تجلیات کا ظہور ہوتا ہے، الغرض قلم اس سے حاصل ہونے والے اثرات (اور روحانی فیوضات) کو

احاطہ تحریر میں لانے سے قاصر ہے۔

چھٹی دلیل

جشن میلاد النبی میں حضور ﷺ کے میلاد اور آپ کے معجزات کا تذکرہ ہوتا ہے۔

آپ کی سیرت طیبہ کا بیان اور آپ کی تعریف و ثناء کی جاتی ہے۔ تو کیا ہمیں آپ کی سیرت مبارکہ

کی معرفت اور آپ کی اتباع کا حکم نہیں؟ آپ کے معجزات پر ایمان لانا اور آپ کی نشانیوں کی

تصدیق کرنا ہمارے لئے ضروری نہیں؟ (اگر یہ چیزیں ضروری ہیں اور یقیناً ضروری ہیں تو محفل

میلاد کی افادیت سے کیونکر انکار کیا جاسکتا ہے) اور کتب میلاد سے ہی یہ مقصود حاصل ہوتا ہے۔

ساتویں دلیل

میلاد النبی کے انعقاد کا ایک مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ ان احسانات کا کچھ نہ کچھ بدلہ

چکا دیا جائے جو آپ ﷺ کی طرف سے ہمارے اوپر واجب ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ہم

آپ ﷺ کے اوصاف حمیدہ اور اخلاق جمیلہ کا تذکرہ کریں۔ جیسا کہ بعض شعراء آپ کی خدمت

اقدس میں حاضر ہو کر اپنے نعتیہ قصائد سنایا کرتے تھے اور آپ ﷺ ان کے اس فعل کو شرف

قبولیت سے نوازتے۔ انہیں تحائف اور انعامات سے نوازتے تھے۔ پس جب آپ ان شعراء کے

لئے (جو آپؐ کی مدح کرتے) اظہار مسرت فرماتے تھے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ آپؐ کی عادات و اطوار اور فضائل و سیرت کا ذکر کرنے والے پر آپؐ خوش نہ ہوں۔ کیونکہ آپؐ کی محبت اور رضا جوئی کے لئے منعقد کی گئی محافل میں حضور ﷺ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

آٹھویں دلیل

بلاشبہ آپ ﷺ کے شمائل، معجزات اور اظہار نبوت سے قبل کے فضائل و کمالات کی معرفت حضور ﷺ پر ایمان میں کمال اور آپؐ سے محبت میں اضافے کا سبب و محرک بنتی ہے۔ انسان فطری اور طبعی طور پر حسن پسند ہے۔ خواہ یہ حسن سیرت میں ہو یا صورت میں، علمی ہو یا عملی، حال میں ہو یا اعتقاد میں۔

جبکہ پوری کائنات میں کوئی وجود بھی اخلاق و اوصاف، حسن و خوبی اور شرف و فضیلت میں آپؐ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ (تو لا محالہ آپؐ سے زیادہ محبوب و جود بھی اور کوئی نہیں ہو سکتا)۔ محبت میں یہ فراوانی اور ایمانی کمال (دونوں) جب ضروریات دین اور مقصود شریعت ہیں تو ان کے اسباب و محرکات بھی اسی طرح ضروری ہیں۔

نویں دلیل

آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر ایمان کا بنیادی تقاضا ہے اور آپؐ کے جشن میلاد کے سلسلے میں خوشی و شادمانی کا اظہار کرنا، کھانے کا اہتمام کرنا، محافل ذکر و نعت کا انعقاد کرنا اور فقراء مساکین کے لئے انعام و اکرام کرنا، اللہ تعالیٰ کے حضور شکر گزاری اور تعظیم و تکریم کے سب سے نمایاں مظاہر میں سے ہے۔ اللہ رب العزت نے حضور ﷺ کو ہمارے لئے مبعوث فرما کر ہمیں اپنے احسانات و عنایات کریمانہ کا مستحق ٹھہرایا اور سیدھے دین کی طرف ہماری راہنمائی فرمائی۔

دسویں دلیل

حضور ﷺ نے جمعۃ المبارک کے متعدد فضائل گنواتے ہوئے ایک فضیلت یہ بیان

فرمائی کہ ”وفیہ خلق ادم“ اس روز حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا۔ آپ کے اس فرمان سے اس وقت کی فضیلت و عظمت ثابت ہوتی ہے جس میں کسی بھی نبی کی ولادت ہوئی تو اس دن کی عظمت و بزرگی کا کیا عالم ہوگا جس دن افضل الانبیاء و اشرف المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام اس دنیا میں تشریف لائے (یہاں کوئی شخص اگر یہ اعتراض کرے کہ حضور کے فرمان سے اس مخصوص جمعہ کی فضیلت ثابت ہے ہر جمعہ کی نہیں تو جواب یہ ہے کہ) یہ تعظیم اسی خاص دن کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ جس طرح اس دن کے لئے ثابت ہے اسی طرح آج تک جب بھی وہ دن (جمعہ) آئے گا اسی طرح قابل تعظیم و تکریم ہوگا۔ وقت کی یہ تعظیم نبوت کی نعمت کے حصول پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے اور بڑے بڑے تاریخی واقعات کی یاد تازہ کرنے کے لئے بھی بہت ضروری ہے۔ ایسے واقعات جو تاریخ انسانی میں خاص اہمیت رکھتے ہیں اور زمانے کی لوحِ جبین پر نقش ہیں۔

اسی طرح کسی ایسی جگہ کی عظمت بھی جہاں کسی نبی کی ولادت ہوتی ہے اس روایت سے ثابت ہے۔ (سفر معراج پر جاتے ہوئے) سیدنا جبرائیل نے حضور کو بیت لحم پر دو نوافل ادا کرنے کے لئے عرض کیا پھر گویا ہوئے ”کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے یہ دو رکعت کہاں ادا کئے ہیں؟“ آپ نے فرمایا نہیں، جبرائیل نے عرض کیا ”بیت لحم“ ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ یہی مضمون حضرت شداد بن اوسؓ کی اس حدیث میں بھی موجود ہے جسے البرز ار، ابو یعلیٰ، طبرانی وغیرہ نے روایت کیا۔ اس روایت کے متعلق حافظ ابوشامی نے مجمع الزوائد (جلد ۱ صفحہ ۴۷) میں کہا ہے کہ اس کے راوی صحیح بخاری والے راوی ہی ہیں۔ نیز اس روایت کو حافظ ابن حجر عسقلانی نے الفتح الباری (جلد ۷ صفحہ ۱۹۹) میں نقل کیا اور خاموشی اختیار کی۔

گیارہویں دلیل

میلاد النبی ﷺ ایسا عمل ہے جسے علمائے امت اور جہاں بھر کے مسلمان اچھا سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو ہر کہیں جاری رکھا گیا ہے کیونکہ یہ مبارک عمل اس حدیث نبوی کی روشنی میں ایک دینی شعار ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

مراء المسلمون حسناً فهو عند الله حسن و مراء المسلمون قبيحاً
 فهو عند الله قبيح” جس عمل کو عام مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اچھا ہے اور
 جسے مسلمان برا سمجھیں وہ اللہ کے ہاں بھی ناپسندیدہ ہے۔“ (رواہ احمد)

بارھویں دلیل

جشن میلاد النبی ﷺ لوگوں کے جمع ہو کر حضور ﷺ کا ذکر کرنے، صدقہ و خیرات کرنے،
 آپ ﷺ کی مدح و ثنا اور تعظیم بجالانے سے عبارت ہے۔ بس یہ جملہ امور سنت ہیں اور (ان میں
 سے ہر ایک) مقصود شریعت دینی ضرورت ہونے کے اعتبار سے قابل ستائش بھی۔ ان کے متعلق
 صحابہ کرام کا عمل اور ان کی تاکید بھی موجود ہے۔

تیرھویں دلیل

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: و کلا نقص علیک من انباء الرسل ما نثبت به فؤادک (۵)
 ”اور یہ سب کچھ ہم تمہیں رسولوں کی خبریں سناتے ہیں جس سے تمہارا دل ٹھہرائیں۔“
 اس ارشادِ ربانی سے واضح ہے کہ (قرآن میں) انبیاء کے واقعات سے آپ ﷺ
 کے قلبِ اطہر کی تقویت مقصود تھی اور کون نہیں جانتا کہ آج ہمارے رنجیدہ اور پریشان حال دلوں کو
 آپ ﷺ کے احوال و واقعات سن کر تقویت حاصل کرنے کی اس سے کہیں زیادہ ضرورت ہے
 جتنی آپ ﷺ کو تھی۔

چودھویں دلیل

ہر وہ کام جسے اسلاف نے نہ کیا ہو اور اس کا وجود قرونِ اولیٰ میں نہ ہو ضروری نہیں کہ اسے
 بدعت سمجھ کر ناپسندیدہ باعثِ گناہِ حرام اور قابلِ تردید کہہ دیا جائے بلکہ اصولِ شریعت کی رو سے اس
 نئے کام کو دلائلِ شرعیہ کی روشنی میں پرکھا جاتا ہے۔ جو عمل کسی شرعی مصلحت پر مشتمل ہو وہ واجب ہوتا
 ہے اور جس سے حرام کا ارتکاب ہو وہ حرام ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر دلائلِ شرعیہ اسے مکروہ ثابت کریں

تو مکروہ قرار پاتا ہے۔ اگر مباح ثابت کریں تو مباح ہوتا ہے۔ اگر مستحب کے درجے میں ہو تو وہ کام مستحب ہوتا ہے۔ (اس ضمن میں یہ اصول ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہئے کہ) ”للو سائل حکم المقاصد“ وسائل و اسباب کے لئے بھی شریعت میں وہی حکم لاگو ہوتا ہے جو مقاصد کیلئے ہو۔

اقسامِ بدعت

اس لئے علماء نے بدعت کو درج ذیل پانچ اقسام میں تقسیم کیا ہے۔

- 1۔ واجب: جس طرح اہل کذب کا رد اور ایسے علوم کا حصول جن سے قرآن و سنت کی تفہیم میں مدد ملے مثلاً صرف نحو اور علومِ جدیدہ وغیرہ۔
- 2۔ مستحب: مدارس قائم کرنا، منبر پر اذان دینا وغیرہ قرونِ اولیٰ میں متعارف نہ تھے۔
- 3۔ مکروہ: مساجد کو آراستہ کرنا اور قرآن مجید پر نقش و نگار وغیرہ۔
- 4۔ جائز: جیسے چکی کا چھنا ہوا آٹا استعمال کرنا، کھانے پینے میں فراوانی وغیرہ۔
- 5۔ حرام: جو سنت کے مخالف ہو شرعی دلائل اس کی تائید نہ کرتے ہوں اور نہ ہی کسی شرعی مصلحت پر مشتمل ہو۔

پندرہویں دلیل

ہر بدعت حرام نہیں۔ (جیسا کہ مندرجہ بالا بحث سے ثابت ہوا) اگر ”بدعت“ کے زمرے میں لا کر ہر نئے کام کو ممنوع قرار دے دیا جائے تو حضرت ابو بکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت زیدؓ کا قرآن لکھ کر جمع کرنے کا عمل حرام سمجھا جاتا، جب انہوں نے حفاظ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی موت سے پیدا ہونے والے ممکنہ خطرے کے پیش نظر ایسا کیا۔ اگر ہر بدعت حرام ہوتی تو حضرت عمر فاروقؓ کا یہ عمل بھی حرام ہوتا جب انہوں نے نمازِ تراویح میں سب لوگوں کو ایک امام کے پیچھے جمع کر دیا اور فرمایا ”نعم البدعة هذه“..... (۶)

اسی طرح سارے نافع علوم میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی حرام ہوتا اور اگر یہی کلیہ

تسلیم کر لیا جائے تو ہم پر واجب ہے کہ ہم آج کے (ایٹمی) دور میں بھی دشمن کے ساتھ تیر و تفنگ سے جنگ کریں جبکہ وہ ہمارے مقابلے میں آتشیں گنیں، توپیں، راکٹ، آبدوزیں اور بحری بیڑے استعمال کر رہا ہو۔ اگر متعصب کی یہی بات مان لی جائے تو منبروں پر اذانیں دینا، مدارس، ہسپتال، فلاحی مراکز، یتیم خانے اور جیل خانہ جات کی تعمیر سب کچھ حرام قرار پاتا۔ اس لئے علمائے کرام نے حدیث ”کل بدعة ضلالة“ سے صرف بدعتِ سیئہ (ایسا نیا کام جو برائی پر مشتمل ہو) مراد لی ہے۔

اس قید کے ساتھ انہوں نے ان امور کی صراحت فرمائی ہے جو اکابر صحابہ کرام اور تابعین نے سرانجام دیئے جبکہ وہ سب نئے تھے لیکن اس ضمن میں نہ گردانے گئے حالانکہ ان امور کا وجود حضور ﷺ کے مبارک دور میں نہیں تھا۔ اسی طرح ہم آج بہت سے ایسے نئے کام کرتے ہیں جنہیں سلف صالحین نے نہیں کیا۔ مثلاً نماز تراویح کے بعد رات کے آخری حصے میں نماز تہجد کیلئے باجماعت نماز کی ادائیگی، اس نماز میں ختم قرآن (شبینہ) اور ختم قرآن کی دعا کا پڑھنا ستائیسویں کی رات نماز تہجد میں امام صاحب کا خطبہ۔ نماز تراویح کے لئے ”صلاة القيام اثابکم اللہ“ جیسے کلمات کے ساتھ آوازیں دینا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سارے امور ایسے ہیں جنہیں نہ نبی اکرم ﷺ نے کیا اور نہ ہی اسلاف میں سے کسی نے انجام دیا تو کیا (حرم شریف کے اندر) ہمارے یہ سارے کام بدعت ہیں۔

سولہویں دلیل

جشن میلاد النبی ﷺ کا وجود حضور کے عہد مبارک میں نہیں ملتا۔ اس لئے یہ اگرچہ بدعت ہے لیکن دلائل شرعیہ اور قواعد و ضوابط کی روشنی میں یہ بدعت حسنہ ہے۔ یہ امر اپنی ہیئت اجتماعی کے لحاظ سے تو بلاشبہ نیا ہے لیکن جزئیات کے اعتبار سے نیا نہیں اس لئے کہ اس کی جزئیات عہد رسالت مآب ﷺ میں موجود تھیں جن کا ذکر بارہویں دلیل کے تحت گزر چکا ہے۔

سترھویں دلیل

ہر وہ چیز جو مجموعی (ہیت کذائیہ کی) صورت میں آغاز اسلام میں موجود نہیں تھی لیکن اس کی جزئیات (ہیت اصلیہ) اس دور میں موجود تھیں تو وہ جائز اور مقصود شریعت ہوئی کیونکہ یہ اصول ہے کہ ”ما ترکب من المشروع فهو مشروع“ جس کی جزئیات جائز ہوں وہ اجتماعی صورت میں بھی جائز اور مقصود شریعت کے حکم میں ہوگا۔

اٹھارھویں دلیل

امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا وہ نیا کام جس سے کتاب و سنت اجماع یا آثار صحابہ کی مخالفت ہو رہی ہو وہ گمراہ کن ہے اور جو نیا کام نیکی پر مبنی ہو اور اس سے قرآن و سنت اجماع و آثار کی مخالفت نہ ہو رہی ہو تو وہ مستحسن ہوگا۔ اس پر امام عزالدین بن عبدالسلام، امام نووی اور اسی طرح ابن اثیر وغیرہ نے بدعت کی اقسام بیان کرتے ہوئے بحث کی ہے۔ جیسا کہ گذشتہ صفحات میں ہم نے وضاحت کر دی ہے۔

انیسویں دلیل

پس ہر اچھا کام جو دلائل شرعیہ پر مشتمل ہو اور اس کے کرنے سے شریعت اسلامیہ کی مخالفت نہ ہو رہی ہو اور نہ ہی اس میں کوئی ناپسندیدہ چیز ہو تو اس کا سرانجام دینا عین دین ہے۔ یہاں اگر کوئی متعصب معترض محفل میلاد کے عدم جواز پر دلیل پیش کرے کہ چونکہ سلف صالحین نے یہ عمل نہیں کیا، اس لئے ناجائز ہے تو یاد رکھ لیں اس کی یہ دلیل اس عمل کے عدم جواز کے لئے حجت نہیں ہوگی۔ جیسا کہ اصول فقہ کے ساتھ تھوڑا سا شغف رکھنے والے اس اصول کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ پس شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسے کام کو بدعتِ ہدیٰ یعنی سنت قرار دیا ہے اور اس کے کرنے والے کے لئے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

”من سن فی الاسلام سنة حسنة فعمل بها بعدہ کتب له مثل اجر من“

عمل بہاولا ینقص من اجورہم شئی۔“ (۷)

”جس نے اسلام میں کسی نیک کام کی ابتداء کی اور اس کے بعد اس پر عمل کیا گیا تو جتنے لوگ بھی اس (کارِ خیر) پر عمل کریں گے ان کا ثواب اس شخص کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا رہے گا اور ان پر عمل کرنے والوں کے ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں آئے گی۔“

بیسویں دلیل

جشن میلاد النبی ﷺ سے مقصود حضور کے ذکر کا احیاء ہے جو ہم مسلمانوں کے ہاں مقاصد دین میں شامل ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ حج کے اکثر اعمال ایسے امور پر مشتمل ہیں جن کا مقصود صرف حسین یادوں اور پاکیزہ واقعات کی تجدید ہے۔ صفاء مروہ کے درمیان دوڑنا، جمرات کو کنکریاں مارنا اور منیٰ کے مقام پر جانور ذبح کرنا یہ سب بہت پہلے گذرے ہوئے واقعات ہیں۔ مسلمان ان تصورات کو اپنے عمل سے حقیقت کا روپ دیکر ہر سال زندہ کرتے ہیں اور یوں حضرت ابراہیم و حضرت اسمعیل کی یادیں تازہ ہیں اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان حجت ہے۔

واذن فی الناس بالحج (۸) ”اور (اے ابراہیم) لوگوں میں حج کی عام نداء کر دے۔“

نیز حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل علیہما السلام کی دعا کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان وارنا منا سکنا (۹) اور ہمیں ہماری عبادت کے طریقے سکھا۔“

اکیسویں دلیل

اب تک ہم نے میلاد النبی ﷺ کی شرعی حیثیت کے متعلق جتنے دلائل دیئے ہیں یہ صرف ایسے میلاد کا جواز ہے جو غیر شرعی امور سے مبرا ہو۔ اگر جشن میلاد شریعت کی روت ناپسندیدہ امور پر مشتمل ہو جیسے مردوزن کا اختلاط اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ امور کا ارتکاب اور فضول خرچی کہ جس پر صاحب میلاد علیہ التحیة و الثناء ”کسی صورت بھی راضی اور خوش نہیں تو بلاشبہ یہ سب امور حرام ہیں اور شریعت میں ممنوع ہیں۔ ایسے محرمات پر مشتمل جشن میلاد بھی حرام ہوگا لیکن اس کی

حرمت ذاتی نہیں بلکہ عارضی ہوگی اور یہ قاعدہ کلیہ کسی بھی صاحب علم سے مخفی نہیں۔

جشن میلاد النبی کے بارے میں امام ابن تیمیہ کی رائے

ان کے نزدیک بھی جشن میلاد منانے سے بعض لوگوں کو ثواب ملتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔
 ”جس طرح عیسائی لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا دن مناتے ہیں اسی طرح
 ان کی دیکھا دیکھی یا حضور نبی اکرم ﷺ کی محبت و تعظیم کے باعث بعض لوگ آپ ﷺ کی ولادت
 باسعادت کا دن مناتے ہیں ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس محبت و تعظیم اور اہتمام و کوشش پر جزا دے
 لیکن بدعتوں پر نہیں۔ پھر ایک اور مقام پر لکھتے ہیں۔

آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ کچھ ایسے اعمال جو اپنی جائز اور مشروع جزئیات کی وجہ سے
 اچھے ہوتے ہیں لیکن وہ بعض بدعات کی وجہ سے برائی کا باعث بھی بن جاتے ہیں۔ چنانچہ وہ
 اعمال کلیتاً حرام سے اعراض کی بناء پر برے بن جاتے ہیں۔ جس طرح منافقین اور فاسق و فاجر
 لوگوں کا حال ہے۔ یہ ایسا مرض ہے کہ جس میں آخری زمانہ کے لوگوں کی اکثریت مبتلا ہو چکی
 ہے۔ اس لئے آپ کو چاہئے مندرجہ ذیل باتوں کا خاص طور پر خیال رکھیں۔ ان میں سے پہلی یہ
 ہے کہ آپ سے جس قدر ہو سکے ظاہراً اور باطناً سنت نبوی پر خود بھی مضبوطی سے کار بند رہیں اور
 انہیں بھی کار بند رکھیں جو تمہارے حلقہ ادب میں ہیں اور ان کے احباب کو بھی۔ نیکی کو اچھی طرح
 ذہن نشین کر لیں اور برائی سے کلیتاً بیزار رہیں۔

دوسری بات جو ذہن نشین رکھنی چاہئے یہ ہے کہ آپ حتی الامکان لوگوں کو سنت کی دعوت
 دیں۔ جب آپ دیکھیں کہ کوئی شخص یہ عمل کرتا ہے اور اسے چھوڑ کر اس سے زیادہ برا عمل اپناتا ہے تو
 آپ برے عمل کو چھوڑنے کی دعوت کسی ایسے عمل کے ذریعے نہ دیں جو اس سے بھی برا ہو۔ یا کسی
 واجب اور مستحب کو ترک کرنے کی دعوت نہ دیں جس کا ترک کرنا اس مکروہ فعل سے زیادہ نقصان دہ
 ہو۔ لیکن جب بدعت میں کچھ خیر پائی جائے تو حتی الامکان شرعی بھلائی کے ذریعے اس کا بدل تلاش
 کرنے کی کوشش کریں کیونکہ انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ وہ ایک چیز کو کسی دوسری چیز کے بدلے

۱۷۵۷۹۷

میں ترک کرتی ہے۔ ایسے میں کسی شخص کیلئے مناسب نہیں کہ وہ بھلائی کو ترک کرے مگر صرف اسی صورت میں کہ اس کی مثل یا اس سے بہتر بھلائی اختیار کرے۔ پھر دوسری جگہ فرمایا۔

”لہذا میلاد نبوی ﷺ کی تعظیم اور اسے بطور عید منانا جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں اور ان کے لئے اس میں جس نیت اور رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کے باعث بہت بڑا اجر ہوتا ہے جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ایک عمل جو ایک نیک ایماندار کے لئے برا ہوتا ہے وہی عمل بعض دوسرے لوگوں کیلئے اچھا ہوتا ہے۔ اسی لئے جب امام احمد بن حنبل کو بتایا گیا کہ فلاں آدمی نے قرآن مجید پر ہزار دینار خرچ کئے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اسے ایسا کرنے دیجئے کیونکہ اس کے سونا خرچ کرنے کیلئے اس سے افضل اور کوئی جگہ نہیں جبکہ امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ قرآن مجید پر نقش و نگار اور سجاوٹ کرنا مکروہ ہے۔“

اگرچہ کچھ لوگوں نے یہ تاویل کی ہے کہ اس شخص نے اوراق اور خط کی تجدید پر دینار خرچ کئے تھے لیکن امام احمد کا مقصود یہ ہرگز نہیں بلکہ آپ کا مقصد صرف اتنا ہے کہ اس عمل میں مصلحت ہے اور اس میں فساد بھی ہے۔ جس کی وجہ سے اسے ناپسند کیا ہے (۱۰)

میلاد کے بارے میں میرا نقطہ نظر

اوپر بیان ہونے والے دلائل شرعیہ میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ جشن میلاد النبی ﷺ کے انعقاد کے لئے کوئی خاص کیفیت مخصوص نہیں جس کی پابندی خود بھی ضروری ہو اور لوگوں کو بھی اس پر کار بند رکھا جائے بلکہ ہر وہ عمل جو نیکی کی طرف دعوت دے، لوگوں کو ہدایت پر اکٹھا کرے اور انہیں ان کے دینی اور دنیوی فوائد و منافع کی طرف رہنمائی کر سکے، اس سے جشن میلاد النبی ﷺ کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ اس لئے اگر ہم ایسی محافل منعقد کریں جن میں محبوب خدا ﷺ کی نعمتیں پڑھی جائیں، شان رسالت کا ذکر ہو، دین حق کے راستے میں آپ کے مساعی کا بیان ہو اور آپ کے فضائل و شمائل کی تعریف کی جائے تو میلاد کا اصل مقصد حاصل ہوگا۔

ہم میلاد نامے نہ بھی پڑھیں تو کوئی حرج نہیں، جن کا بڑھنا لوگوں میں متعارف ہے۔ یہاں

تک کہ کچھ لوگ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ جشن میلاد ان میلاد ناموں کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ پھر ہم محدثین اور خطباء کے ارشادات اور تقاریر سنیں اور قرآن حکیم کی تلاوت سماعت کریں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر ہم یہ اعمال کر لیں تو یہ سب کچھ میلاد نبوی کے ضمن میں آتا ہے اور ان سے جشن میلاد کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ (اگر ایسا ہو) تو اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں اور نہ ہی اعتراض کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے۔

محفل میلاد میں قیام کا مسئلہ

جہاں تک میلاد النبی ﷺ کی محافل میں آپ کی ولادت کے ذکر کے وقت اور آپ کے دنیا میں جلوہ افروز ہونے کی ساعتوں میں قیام کا تعلق ہے تو اس کے متعلق بھی بعض لوگوں نے غلط تاویلات منسوب کر رکھی ہیں۔ لوگوں نے از خود ایسے غلط تصورات گھڑ لئے ہیں۔ (جن کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں) میری معلومات کے مطابق علماء کے ہاں اس کی کوئی اصل نہیں بلکہ یہ ان جاہل لوگوں کا کام ہے جو محافل میلاد میں شرکت کرتے ہیں اور وہاں کھڑے ہونے والوں کے ساتھ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کھڑے ہونے والوں کا یہ عقیدہ کہ حضور نبی اکرم ﷺ اس موقع پر اپنے جسد اقدس کے ساتھ اس محفل میں تشریف لاتے ہیں۔ قطعاً صحیح نہیں۔

بعضوں کا سوئے ظن اس وقت مزید بڑھ جاتا ہے جب وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ”دھونیاں اور خوشبوئیات کا بندوبست آپ ﷺ کے لئے ہے اور محفل کے درمیان پانی اس لئے رکھا ہوا ہے کہ اسے حضور ﷺ نوش فرمائیں گے۔“

یہ سب ایسے تخیلات ہیں جو کسی بھی عقل مند مسلمان کے ذہن میں نہیں کھٹک سکتے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایسے جملہ باطل تصورات سے برات کا اظہار کرتے ہیں کیونکہ یہ گمان بارگاہ رسالت ماب ﷺ میں گستاخی ہے۔ آپ کے جسد اطہر کے متعلق ایسا عجیب عقیدہ ایک جھوٹا ملحد ہی رکھ سکتا ہے۔ برزخی امور کا صحیح علم تو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے آقا و مولا نبی کریم ﷺ ان تصورات سے بہت بلند ہیں۔ آپ کی شان اس سے کہیں بلند و بالا، کامل ترین اور عظیم تر ہے کہ آپ کے متعلق یہ خیال کیا جائے

کہ ”وہ اپنی قبر انور سے باہر تشریف لاتے ہیں اور جسمانی طور پر فلاں وقت فلاں محفل میں شریک ہوتے ہیں۔ میں اسے محض افترا سمجھتا ہوں کیونکہ اس میں بے حیائی، گستاخی اور قباحت کا پہلو ہے جس کی جسارت حاسد، کینہ پرور، جاہل اور بغض رکھنے والے بد بخت کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔

ہاں ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ آپ ﷺ زندہ ہیں اور اپنی شان اقدس کے شایان شان مکمل برزخی زندگی گزار رہے ہیں۔ اس کا حل، ارفع اور شاندار زندگی کے واقعات کے مطابق آپ کی روح پر انوار ملکوت سماوی میں محو سیر و سیاحت رہتی ہے اور اس روح مقدس کے لئے یہ ممکن ہے کہ محافل خیر نورانی اجتماعات اور علمی مجالس میں تشریف فرما ہو۔ اسی طرح یہ مقام آپ کی اتباع کرنے والے ان مخلص مومنین کو بھی حاصل ہے۔

امام مالک نے فرمایا ہے ”مجھے معلوم ہوا ہے کہ روح آزاد ہوتی ہے جہاں چاہتی ہے جاتی ہے۔ اسی طرح حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

”ایمان والوں کی روحوں زمین پر حیات برزخی کی حالت میں جہاں چاہیں جاتی ہیں۔“

کتاب الروح (ص ۱۴۴) میں علامہ ابن قیم نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ یہ سب کچھ جان لینے کے بعد یہ بھی سمجھ لیں کہ میلاد نبوی کی محفل میں قیام نہ تو واجب ہے نہ سنت اور نہ اس قسم کا اعتقاد رکھنا درست ہے بلکہ یہ ایک ایسا فعل ہے جس کے ذریعے لوگ اپنی خوشیوں اور مسرتوں کا اظہار کرتے ہیں۔ چنانچہ جب کسی محفل میں یہ ذکر چھڑتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی ولادت ہوئی اور آپ اس دنیا میں تشریف لائے تو اس لمحہ سننے والا چشم تصور سے محسوس کرتا ہے کہ پوری کائنات اس نعمت عظمیٰ کے حصول پر خوشی اور مسرت سے جھوم رہی ہے۔ لہذا اسی خوشی اور مسرت کے اظہار کے لئے وہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ سو یہ ایک عام اور سیدھی سی بات ہے نہ کہ کوئی اہم دینی مسئلہ۔ بلاشبہ یہ نہ تو عبادت ہے نہ عین شریعت بلکہ صرف لوگوں کے طبعی ذوق کی وجہ سے معمول بن گیا ہے۔

میلاد النبی کے موقع پر قیام کے متعلق علماء کا استحسان اور اس کی وجوہات

قیام کو اہل علم نے اچھا اور مستحسن امر قرار دیا ہے علامہ برزنجی نے میلاد شریف کے

متعلق اپنی ایک کتاب میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ ”ذکر میلاد کے وقت روایت و درایت اور بصیرت والے علما نے عمل قیام کو اچھا سمجھا ہے۔ لہذا خوشخبری ہے اس شخص کے لئے جس کا مقصد زیست تعظیم نبوی ﷺ ہو۔“

یہاں ”استحسان“ سے ہماری مراد کسی فعل کا اپنی اصل اور ہیئت کے لحاظ سے جائز ہونا اور اپنے اسباب و علل اور نتائج کے لحاظ سے مطلوب شریعت اور قابل ستائش و محمود ہونا ہے نہ کہ اصول فقہ کی اصطلاح میں استعمال ہونے والا معنی مراد ہے۔ علمی لحاظ سے ادنیٰ طالب علم بھی یہ جانتا ہے کہ ”استحسان“ کا لفظ لوگوں میں متعارف عام امور کے لئے استعمال ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے ”استحسننت هذا الكتاب“ (میں نے اس کتاب کو اچھا سمجھا) ”هذا الامر مستحسن“ (یہ کام اچھا ہے۔) اور یہ کہا جائے کہ استحسن الناس هذه الطريقة (لوگوں نے اس طریقے کو اچھا سمجھا ہے۔)

ان تمام اقوال میں استحسان سے ان کی مراد لغوی مفہوم ہے۔ ورنہ لوگوں کے معاملات شرعی اصول بن جائیں اس قسم کی بات کوئی عقل مند یا اصول سے ادنیٰ واقفیت رکھنے والا شخص نہیں کہہ سکتا۔

استحسان قیام کی وجوہات

(محفل میلاد میں ولادت مبارکہ کے ذکر پر کھڑا ہونے کے عمل کو درج ذیل وجوہات کی بناء پر مصنف نے مستحسن قرار دیا ہے۔)

پہلی وجہ

یہ عمل سارے ملکوں اور شہروں میں جاری ہے اور اس کو مشرق سے مغرب تک علماء اچھا سمجھتے ہیں کیونکہ اس کا مقصد صاحب میلاد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم و توقیر ہے۔ جیسا کہ ہم پیچھے حدیث مبارکہ کے تحت یہ ذکر کر آئے ہیں کہ جس کام کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اچھا ہوتا ہے اور جس کو مسلمان ناپسند کریں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی ناپسندیدہ اور قبیح ہوتا ہے۔

دوسری وجہ

اہل علم و فضل کے لئے قیام کا جواز تو سنت کے بہت سے دلائل سے ثابت ہے۔ اس موضوع پر امام نوویؒ نے ایک مستقل رسالہ بھی تحریر کیا ہے ابن حجر نے بھی اس کی تائید میں ایک رسالہ ”رفع الملام عن القائل باستحسان القیام“ کے نام سے تصنیف فرمایا جس میں انہوں نے ابن الحاج کا رد کیا کیونکہ اس نے قیام کو صحیح نہیں سمجھا۔

تیسری وجہ

متفق علیہ حدیث میں آپ ﷺ کا یہ فرمان وارد ہوا ہے کہ آپ نے انصار کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ قوموا الی سیدکم ”اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ“۔ یہ قیام سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی تعظیم کے لئے تھا نہ اس لئے کہ وہ مریض تھے۔ اگر ان کی تکلیف کی وجہ سے ہوتا تو فرمایا جاتا۔ قوموا الی مریضکم ”اپنے مریض کے لئے کھڑے ہو جاؤ“۔ ایسا نہ فرمایا جاتا کہ اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور نہ ہی آپ ﷺ نے وہاں بیٹھے ہوئے سب لوگوں کو قیام کا حکم فرمایا بلکہ ان میں سے بعض کو حکم دیا۔

چوتھی وجہ

حضور اکرم ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ اپنے پاس آنے والے کی تعظیم و تکریم اور اس سے اظہار محبت میں کھڑے ہو جاتے۔ جس طرح آپ اپنی لخت جگر سیدہ کائنات حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے آنے پر کھڑے ہوتے۔ اس طرح آپ نے اپنی بیٹی کی تعظیم کا اظہار فرمایا۔ حضور اکرم ﷺ کا یہ عمل قیام کے جواز پر شرعی دلیل ہے تو آپ ﷺ سب سے زیادہ حق دار ہیں کہ ان کی تعظیم کے لئے بھی اسی طرح کھڑا ہوا جائے۔

پانچویں وجہ

یہاں ذہن میں ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے وہ یہ کہ یہ عمل آپ ﷺ کی حیات ظاہری

میں تو جائز تھا کیونکہ آپ اس وقت بنفس نفیس تشریف لاتے تھے لیکن میلاد شریف کی صورت میں اب تو ایسا ممکن نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ میلاد پڑھنے والے کے چشم تصور میں حضور ﷺ کی ذات اقدس کا سراپا ہوتا ہے جب کہ ایسا تصور نہ صرف قابل ستائش اور مستحسن ہے بلکہ مقصود و مطلوب شرعی ہے۔ ہر وقت اس تصور کا غلبہ ہونا چاہئے تاکہ وہ آپ کی مکمل اتباع کر سکے آپ کے ساتھ اس کی آتش محبت تیز ہو سکے۔ اگر وہ ایسا کرتا رہے گا تو اس کی خواہشات آپ کے لائے ہوئے دین کے تابع ہو جائیں گی۔ (جو کہ منشاء الہی مقصود ایمان ہے) لہذا بعض لوگ کھڑے ہوتے ہیں تو وہ آپ کی شخصیت کے اس تصور کے احترام کی وجہ سے جو ان کے دلوں میں پیوست ہے وہ آپ کی عظمت شان اور جلال نظارہ کو محسوس کرتے ہیں اور جیسا کہ ہم پہلے بھی وضاحت کر چکے ہیں کہ یہ عام معمول کا کام ہے۔ مولد النبی ﷺ اس طرح تصور رسالت میں غرق ہو کر کھڑا ہو جانا حضور کی تعظیم میں حد درجہ اضافے کا موجب ہے۔

میلاد النبی کے موضوع پر لکھنے والے اکابر آئمہ اور ان کی بعض تصانیف

اس موضوع پر لکھی جانے والی کتب کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں سے کئی منظوم ہیں اور کئی نثر میں۔ بعض مختصر ہیں۔ بعض ضخیم اور بعض درمیانی۔ ہم یہاں اس مختصر رسالے میں ان سب کتب کا تذکرہ نہیں کر رہے کیونکہ وہ اتنی زیادہ ہیں کہ ان کے ذکر کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ اسی طرح ہم یہ بھی نہیں کر سکتے کہ اختصار کے پیش نظر ان کا ذکر بالکل ہی سکیڑ دیں کیونکہ کوئی کتاب بھی دوسری کتاب سے اس اعتبار سے اولیٰ و بہتر نہیں کہ اس کا ذکر پہلے کیا جائے۔ حالانکہ یہ ایک لابدی سا امر ہے کہ ان میں سے کچھ کتب دوسری کتابوں کی نسب افضل و عمدہ بھی ہوں گی۔ اس لئے میں نے یہاں صرف کبار علماء امت میں سے بعض ایسے محدثین آئمہ کے ذکر پر اکتفا کیا ہے جنہوں نے اس موضوع پر باقاعدہ کتب لکھیں اور وہ مشہور و معروف بھی ہوئیں۔

(۱) حافظ ابن ناصر الدین دمشقی

ان جلیل القدر آئمہ میں سے ایک حافظ محمد بن ابی بکر بن عبد اللہ القیسی الدمشقی الشافعی

المعروف حافظ ابن ناصر الدین الدمشقی ہیں۔ آپ کی پیدائش کا سال ۷۷۷ھ ہے جبکہ وفات کا سال ۸۴۲ھ ہے۔

ان کے متعلق حافظ ابن فہد نے ”لحظ الا لحاظ“ ذیل تذکرہ الحفظ صفحہ ۳۱۹ میں لکھا ہے۔
 ”امام حافظ ابن ناصر الدین الدمشقی اعلیٰ پائے کے مورخ تھے۔ ان کا ذہن رسا تندرست اور صحیح سلامت تھا (حفظ و ضبط میں رسوخ) دیگر محدثین کی طرح ان کا طرز تحریر بڑا شاندار تھا۔ لاتعداد کتب ان کی نوک قلم سے نکلیں۔ بے شمار حواشی تحریر کئے۔ مختلف علوم و فنون میں طبع آزمائی کی۔ یہاں تک کہ اپنے ہم عصروں میں نمایاں ہو گئے اور سبقت لے گئے۔ ہر آنے والے نے اس چشمہ صافی سے اپنی پیاس بجھائی۔

آپ دمشق کے الشرفیہ دار الحدیث کے شیخ الحدیث بنے۔ امام سیوطی نے ان کے بارے میں فرمایا کہ وہ بلاد دمشق کے محدث بن گئے۔ اسی طرح شیخ زاہد نے ”الطبقات“ کے حاشیے میں ”حافظ جمال بن عبد الہادی حنبلی نے ”الریاض الیافعہ“ میں ان کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا۔ ”یہ شیخ ابن تیمیہ کے ہاں بھی قابل احترام تھے اور وہ آپ سے غایت درجہ محبت رکھتے تھے۔“

ابن فہد نے ان کی ایک کتاب ”الرد الوافر علی من زعم ان من سمی ابن تیمیہ شیخ الاسلام کافر“ کا تذکرہ کیا ہے۔

اتنے بڑے اور جلیل القدر امام نے میلاد النبی ﷺ کے بارے میں کئی کتب تحریر فرمائیں۔ ”کشف الطنون“ کے مصنف نے صفحہ ۳۱۹ میں ان کی تین کتب کا تذکرہ کیا ہے جو صرف اسی موضوع پر ہیں۔

۱۔ جامع الاثار فی مولد النبی المختار۔ (تین جلدوں پر مشتمل ہے)

۲۔ اللفظ الرائق فی مولد خیر الخلائق۔ (یہ مختصر کتاب ہے)

۳۔ مورد الصادی فی مولد الہادی۔

۲۔ حافظ عراقی

انہی مصنفین میں ایک حافظ عبدالرحیم بن الحسین بن عبدالرحمن المصری المعروف حافظ العراقی ہیں جو ۷۲۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۸۰۸ھ میں انہوں نے وصال فرمایا۔ وہ معروف اور عظیم امام جن کا لقب ابوالفضل زین الدین ہے۔ آپ یکتائے زمانہ نابغہ روزگار محافظ اسلام مرجع خلافت بحر علم و معرفت اور دانشور محقق ہیں۔ آپ علم و عرفان میں پختگی کے لحاظ سے سبقت لے جانے والے ہیں۔ معاصر علماء و آئمہ نے ان کی یکتائی فن پر شہادت دی ہے۔ آپ نے حدیث اسناد اور ضبط روایات میں کمال و رسوخ حاصل کیا۔ دربار مصر میں حصول عرفان کے لئے منبع فیضان تھے۔ میری بساط ہی کیا ہے کہ میں اتنے بڑے امام کے بارے میں لب کشائی کر سکوں۔ وہ تو بحر ناپیدا کنار تھے۔ سنت نبویؐ کے محافظ اور اس دین حنیف کے لئے مضبوط ستون تھے۔ حدیث و روایت اور اصول و قواعد کے ضمن میں صرف اتنا کہہ دینا ہی سند کا درجہ رکھتا ہے کہ ”قال العراقی“ یعنی یہ قول عراقی کا ہے ان کی کتاب ”الفیہ السیرہ“ اپنے موضوع میں مستند کتاب ہے علم حدیث سے تھوڑا بہت شغف رکھنے والا ہر شخص ان کے علم و فضل سے بخوبی آگاہ ہے اس جلیل القدر امام نے جشن میااد کے متعلق ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا جس کا نام ”المورود الحسنی فی المولد السنی“ رکھا۔ جس کا ذکر علامہ ابن فہد اور امام سیوطی جیسے بہت سے حفاظ حدیث نے اپنی تالیفات میں کیا ہے۔

۳۔ حافظ السخاوی

محمد بن عبدالرحمن بن محمد القاہری المعروف حافظ السخاوی جو ۸۳۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۰۲ھ مدینہ منورہ میں وصال فرمایا۔ آپ بہت بڑے مورخ اور نامور حافظ حدیث تھے۔ امام شوکانی نے ”البدر الطالع“ میں آپ کے حالات قلم بند کئے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔ آپ کا شمار اکابر آئمہ میں ہوتا ہے۔

ابن فہد کا قول ہے کہ میں نے متاخرین حفاظ حدیث میں ان جیسا عالم نہیں دیکھا۔

انہیں معرفت حدیث، اسمائے رجال، راویوں کے حالات اور جرح و تعدیل میں کمال حاصل تھا اور ان تمام علوم میں آپ ہی سند تھے“ یہاں تک کہ ایک عالم نے کہا کہ ”حافظ ذہبی کے بعد ان جیسے ماہر علوم و فنون حدیث شخص کا وجود نہیں ملتا اور انہی پر فن حدیث ختم ہو گیا“ امام شوکانی کا کہنا ہے کہ اگر حافظ سخاوی کی ”الضوء الامع“ کے علاوہ کوئی اور تصنیف نہ بھی ہوتی تو یہی ایک کتاب ان کی امامت پر بڑی دلیل تھی۔

حاجی خلیفہ نے ”کشف الظنون“ میں ذکر کیا ہے حافظ سخاوی نے میلاد شریف کے بارے میں ایک رسالہ ”مولد النبی“ ترتیب دیا۔

۴۔ ملا علی قاری

جشن میلاد النبی ﷺ پر لکھنے والوں میں حافظ حدیث، مجتہد الزمان امام ملا علی قاری بن سلطان بن محمد لہروی (المتوفی ۱۰۱۴ھ) بھی ہیں امام شوکانی نے ”البدرا الطالع“ میں ان کے حالات نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ علوم نقلیہ کے جامع، سنت نبوی میں دسترس رکھنے والے عالم اسلام کے بطل جلیل اور قوت حفظ و فہم میں نامور تھے لیکن آئمہ عظام بالخصوص امام شافعی پر اعتراض کرنے کے باعث آزنائش میں پڑ گئے۔

بہر حال امام شوکانی نے جس محدث جلیل کو مجتہد کا درجہ دیا ہے اس نے بھی میلاد النبی کے بارے میں ایک کتاب تالیف کی جس کا نام ”المورد الروی فی المولد النبوی“ ہے۔ بحمد اللہ میں نے اس کتاب پر تحقیق کی ہے اور پہلی مرتبہ تصحیح و حواشی کے ساتھ شائع کیا ہے۔

۵۔ ابن کثیر

ان میلاد نگاروں میں حافظ امام عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر صاحب تفسیر القرآن کا نام بھی شامل ہے۔ امام ذہبی نے انہیں امام مفتی، محدث جلیل، ذوفنون اور علوم حدیث میں ثقہ کے القابات دیئے ہیں۔ شیخ الاسلام ابن حجر العسقلانی نے ”الدر الکامنی“ صفحہ ۳۷۴ پر ان کے

حالات تحریر کرتے ہوئے نقل کیا ہے۔ ”وہ متون حدیث اور اسمائے رجال مطالعہ میں مشغول رہے۔ انہوں نے ابن تیمیہ سے استفادہ کیا اس کی محبت میں گرفتار ہو گئے اور اس کی وجہ سے آزمائش سے گزرنا پڑا۔ آپ بہت حاضر جواب اور ظریف طبع تھے۔ ان کی تصانیف ان کی زندگی میں ہی دور دراز شہروں تک پہنچ گئیں جن سے ان کی وفات (۷۷۴ھ) کے بعد بھی لوگوں نے استفادہ کیا۔ امام ابن کثیر نے بھی حضور نبی کریم ﷺ کی میلاد کے بارے میں کتاب لکھی جو حال ہی میں ڈاکٹر صلاح الدین المنجد کی تحقیق کے ساتھ شائع ہو گئی ہے۔

۶۔ ابن دبیج الشیبانی

اس قافلہ عشاق نبوی میں حافظ وجیع الدین عبدالرحمن ابن علی بن محمد الشیبانی الیمنی الزبیدی الشافعی بھی ہیں۔ جو ابن دبیج کے لقب سے مشہور ہیں۔ سوڈانی زبان میں دبیج کا معنی سفید ہے۔ یہ دراصل ان کے جد اعلیٰ کا لقب تھا۔ آپ محرم ۸۶۶ھ میں پیدا ہوئے اور جمعہ کے روز ۱۲ رجب ۹۴۴ھ میں وفات پائی۔ آپ امام زمانہ تھے۔ شیخ الحدیث کی مسند پر جلوہ فرما رہے۔ آپ نے ایک سو سے زیادہ دفعہ بخاری شریف کا درس دیا اور ایک مرتبہ چھ روز میں بخاری شریف کو ختم کیا۔ آپ نے میلاد النبی کے بارے میں ایک کتاب لکھی جو اسلامی ممالک میں مشہور ہے اور ہمیں اس کتاب کی تحقیق و تخریج کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ تمت بالخیر۔

(یہاں علوی مالکی صاحب کی کتاب کا ترجمہ ختم ہو گیا)

علاوہ ازیں مندرجہ ذیل ائمہ و محدثین بطور خاص قابل ذکر ہیں:

۱۔ امام ابن حجر مکی

شیخ الاسلام امام الحرمین شہاب المماتہ والدین، الفقیہ المحدث، الصوفی المحقق ابو العباس احمد بن محمد بن علی بن حجر البیتمی المکی الشافعی (متوفی ۹۷۴ھ) جن کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ الفتاویٰ الکبریٰ، الخیرات الحسان الصواعق المحرقة اور الجواہر المنظم جیسی مشہور زمانہ کتب

آپ کے علمی شاہکار ہیں۔ آپ علوم حدیث میں شیخ الاسلام ذکریا المصری کے خاص شاگرد تھے۔ شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی آپ کے دادا استاد تھے۔ علامہ ملا علی قاری اور برصغیر پاک و ہند کے مایہ ناز فرزند علی الممتقی صاحب کنز العمال آپ ہی کی مسند ارشاد و تدریس کے فیض یافتہ ہیں۔ آپ نے میلاد النبی کے موضوع پر مندرجہ ذیل دو مستقل کتابیں تصنیف فرمائیں۔

۱۔ تحریر الکلام فی القیام عند ذکر مولد سید الانام۔

۲۔ تحفۃ الاخیار فی مولد المختار۔

علاوہ ازیں انہوں نے اپنی مشہور کتاب فتاویٰ حدیثیہ میں بھی اس موضوع پر تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔

۲۔ امام ابن جوزی

عبدالرحمن بن علی بن محمود بن علی بن عبداللہ بن حمادی القرسی الفقیہ الحسبلی۔ جن کا لقب جمال الدین ہے۔ ۵۱۰ ہجری میں بغداد میں پیدا ہوئے اور ۵۹۷ ہجری میں اسی شہر میں انتقال فرمایا۔ ابتدائی علوم پر صغریٰ میں ہی دسترس حاصل کر کے واعظ و تبلیغ میں لگ گئے پھر حدیث میں مہارت اور پختگی حاصل کی تو حافظ اور محدث کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ نے ۱۵۹ سے زائد کتب لکھیں جن میں سے اکثر حدیث تاریخ اور مواعظ پر مشتمل ہیں۔

تفصیلی تذکرے کے لئے ملاحظہ ہو۔ شذرات الذهب ۳۹۲، ۴، دفیات الاعیان ۳۲۱، ۲ اور تذکرہ الحفاظ ۳۵، ۴ وغیرہ۔

انہوں نے بھی میلاد النبی پر مستقل کتاب لکھی، جس کا نام ”المولد العروس“ رکھا۔

۳۔ امام جلال الدین السیوطی

عبدالرحمن بن ابی بکر بن محمد بن سابق الدین الخضری السیوطی، کو کون نہیں جانتا۔ آپ کا علمی مقام آفتاب کی طرح ہر خاص و عام پر واضح ہے اسی لئے آپ کا لقب جلال

الدین پڑا۔ بہت بڑے محدث ہیں۔ آپ ۸۴۹ ہجری میں قاہرہ میں پیدا ہوئے یہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی اور درس و تدریس میں مصروف ہو گئے۔ جب چالیس سال کے ہوئے تو دنیا کی دیگر مصروفیات، ناز و نعمت، علمی مناصب سے کنارہ کش ہو کر اور دریائے نیل کے کنارے ”روضۃ المقیاس“ میں معتکف ہو گئے۔ تمام مراعات اور مناصب کو ترک کر کے خلوت نشین ہونے کا مقصد تصنیف و تالیف تھا چنانچہ آپ کے تذکروں میں لکھا ہے کہ آپ کی تصانیف کی تعداد سات سو کے قریب پہنچتی ہے۔ آپ نے جشن میلاد النبی کے جواز میں بھی ”حسن المقصد فی عمل المولد“ کے نام سے رسالہ لکھا جو پوری دنیا میں مقبول ہوا۔ اب یہ الحاوی للفتاویٰ میں شامل ہے۔

۴۔ ابن وحیہ الکلمی

عمر بن الحسن بن علی بن محمد ابو الخطاب ابن وحیہ الکلمی جو ۵۴۴ھ میں اندلس میں پیدا ہوئے اور ۶۳۳ھ میں وفات پائی۔ آپ نے علمی استفادے کے لئے شام، عراق، بالآخر خراسان وغیرہ کے سفر کئے اور مصر میں قیام فرما رہے۔ آپ مشہور محدث، معتمد مورخ اور زبردست ادیب تھے۔ بہت کتب لکھیں اور شاندار علمی ورثہ چھوڑا۔ دیکھئے، دنیات الاعیان ۱، ۳۸۱، نفخ الطیب ۱، ۳۶۸، میزان الاعتدال ۲، ۲۵۲، لسان المیزان ۴، ۲۹۲، شذرات الذهب ۵، ۱۶۰ اور حسن المحاضرہ ۱، ۲۰۱ وغیرہ۔

آپ کی دیگر تصانیف میں، میلاد النبی پر ”التتویر فی مولد السراج المنیر“ بھی ہے۔ علاوہ ازیں بہت سے محدثین، ائمہ اور اکابر علما نے الگ رسالے اور کتب بھی تحریر فرمائیں اور سیرت النبی کی کتب میں باقاعدہ ابواب باندھے مثلاً امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ”سبل الہدی“ میں بہت تفصیل سے لکھا اور جواز میں علمی دلائل کے انبار لگا دیئے۔

حوالہ جات

- (۱) بخاری، کتاب النکاح، (۲) صحیح بخاری، باب مبعث النبیؐ، (۳) یونس: ۱۰: ۵۸، (۴) سورہ
 احزاب، (۵) ہود: ۱۱: ۱۲۰، (۶) صحیح بخاری: ۱: ۲۶۹، (۷) صحیح مسلم: ۱: ۳۲۷، (۸)
 الحج: ۲۲: ۲۷، (۹) البقرہ: ۲: ۱۲۸، (۱۰) اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیہ ۲۹۳ تا ۲۹۷

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا (قصیدہ نور)

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
 صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا
 باغ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا
 مست بو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا
 بارہویں کے چاند کا مجرا ہے سجدہ نور کا
 بارہ برجوں سے جھکا ایک اک ستارا نور کا
 تیرے ہی ماتھے رہا اے جان سہرا نور کا
 بخت جاگا نور کا چمکا ستارا نور کا
 میں گدا تو بادشاہ بھر دے پیالا نور کا
 نور دن دونا ترا دے ڈال صدقہ نور کا
 تاج والے دیکھ کر تیرا عمامہ نور کا
 سر جھکاتے ہیں الہی بول بلا نور کا
 بنیٰ پر نور پر رخشاں ہے بکہ نور کا
 ہے لواء الحمد پر اڑتا پھریرا نور کا
 شمع دل مشکوٰۃ تن سینہ زجاجہ نور کا
 تیری صورت کے لیے آیا ہے سورہ نور کا
 تیرے آگے خاک پر جھکتا ہے ماتھا نور کا
 نور نے پایا ترے سجدے سے سیما نور کا

تو ہے سایہ نور کا ہر عضو ٹکڑا نور کا
 سایہ کا سایہ نہ ہوتا ہے نہ سایہ نور کا
 دیکھنے والوں نے کچھ دیکھا نہ بھالا نور کا
 مَنْ رَأَىٰ كَيْسًا؟ يَهْ آئِينَ دَكْهَيَا نُوْر كَا
 انجمن والے ہیں انجم بزم حلقہ نور کا
 چاند پر تاروں کے جھرمٹ سے ہے ہالہ نور کا
 تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
 تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا
 نور کی سرکار سے پایا دو شمالہ نور کا
 ہو مبارک تم کو ذوالنورین جوڑا نور کا
 تاب مہر حشر سے چونکے نہ کشتہ نور کا
 بوندیاں رحمت کی دینے آئیں چھینٹا نور کا
 وضع واضح میں تری صورت ہے معنی نور کا
 یوں مجازاً چاہیں جس کو کہہ دیں کلمہ نور کا
 چاند جھک جاتا جدھر اُنکلی اٹھاتے مہد میں
 کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا
 كَ گیسبوا وہن ی ابرو آنکھیں ع ص
 کھٹھیں ان کا ہے چہرہ نور کا
 اے رضایہ احمد نوری کا فیض نور ہے
 ہو گئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا

جشن میلاد النبی ﷺ کی شرعی حیثیت

(خطاب: شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری)

(ترتیب و تدوین: علی اکبر قادری الازہری)

ربیع الاول کی شان امتیاز

جس طرح ماہ رمضان المبارک کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی عظمت و شان کے طفیل دیگر مہینوں پر انفرادیت اور امتیاز عطا فرمایا، اسی طرح ماہ ربیع الاول کے امتیاز اور شان علو کی وجہ بھی اس میں صاحب قرآن کی تشریف آوری ہے۔ یہ ماہ مبارک بلاشبہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت کے صدقے سے ایک انفرادی حیثیت کے ساتھ سال کے جملہ مہینوں پر نمایاں فضیلت اور امتیاز کا حامل ہے۔

ہر چیز میں فضیلت کی نوعیت جدا ہے

مختلف اشیاء کی بناءً فضیلت و شرف مختلف ہوتی ہے۔ جس طرح ہر ماہ کی انفرادیت اور فضیلت کی ایک جدا جہت ہے اسی طرح ہر شہر، ہر علاقے اور ہر دن کی اپنی اپنی امتیازی صفات اور خصوصیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مختلف افراد کو افراد پر، بعض ایام کو دوسرے ایام پر اور ماہ و سال بلکہ ہر ساعت کو دوسری ساعتوں پر جدا جدا اعتبارات اور مختلف نسبتوں سے شرف و امتیاز عطا فرمایا ہے۔ اس اعتبار سے بعض انبیاء علیہم السلام کو بھی ایک دوسرے پر مختلف حیثیتوں سے فضیلت حاصل ہے۔ مثلاً قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ - (البقرہ، ۲: ۲۵۳)

”یہ سب رسول (جو ہم نے مبعوث فرمائے) ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی۔“

ماہ رمضان المبارک کی وجہ فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ - (البقرہ، ۱۸۵)

”رمضان کا مہینہ (وہ ہے) جس میں قرآن اتارا گیا ہے۔“

اسی ماہ مبارک میں آنے والی لیلۃ القدر کو سال بھر کی تمام دوسری راتوں پر فوقیت عطا

فرمانے کی وجہ اور فضیلت کا سبب بھی نزول قرآن کو قرار دیتے ہوئے فرمایا:

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ - ”بے شک ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں اتارا“

کبھی شہر مکہ کی قسم کھا کر دوسرے مقدس مقامات کے باوجود اسے صرف اس لئے دوسرے

شہروں پر فضیلت دی کہ حضور ﷺ کی حیات مقدسہ کا بیشتر حصہ اس شہر میں گزرا، ارشاد فرمایا گیا:

لَا أُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ ○ وَأَنْتَ حِلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ (البلد، ۹۰: ۲۱)

”میں اس شہر (مکہ) کی قسم کھاتا ہوں (اے حبیب مکرم!) اور اس لئے کہ آپ اس شہر میں تشریف فرما ہیں“

اسی طرح ایمان اور اسلام کے بعد ایک مسلمان کے دوسرے پر شرف و تکریم اور اللہ

کے ہاں بزرگی کے لئے تقویٰ کی شرط لگائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوا:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ - (الحجرات، ۴۹: ۱۳)

”بے شک تم میں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی باعزت ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے۔“

الغرض قرآن حکیم کی متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے مختلف مقامات و اشیاء مقدسہ کی

فضیلت اور شرف و تکریم کی وجوہات بھی مختلف بیان فرمائی ہیں۔

نزول قرآن کا سبب ذاتِ مصطفیٰ ﷺ

قرآن اللہ تبارک و تعالیٰ کا پاکیزہ کلام اور اس کی صفت ہونے کے اعتبار سے پوری

کائنات میں اپنی فضیلت و شان میں یکتا ہے، بے شک اس کا نازل ہونا انسانیت کے لئے اللہ کی

بہت بڑی نعمت ہے اور اس کا احسان عظیم ہے۔ ہم سب مل کر اس کے ایک کلمے کا شکر بھی عمر بھر ادا

نہیں کر سکتے۔ اس کے ذریعے جہالت و ضلالت میں گھری ہوئی انسانیت کو اللہ تعالیٰ نے وہ نور علم

عطا فرمایا جس سے جہالت کی تاریکیاں کافور ہوئیں اور انسان پستیوں سے اٹھ کر شرف و تکریم کی بلندیوں پر متمکن ہو یہ سب کچھ اگر اپنی جگہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے تو ہمیں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ یہ قرآن ہمیں کس کے ذریعے عطا ہوا؟ اگر قرآنی علم کے ذریعے انسان کو اللہ تعالیٰ نے لامتناہی عظمتیں عطا کی ہیں تو اس ہستی کی اپنی عظمتوں کا کیا عالم ہوگا جس کی دہلیز سے انسانیت کو اس قرآن کی صورت میں اتنا عظیم ذخیرہ علم و حکمت اور مصدر ہدایت میسر آیا۔

وہ ذات اقدس جس کا قلب اطہر اس وحی الہی کا ضبط بنا اور سراپا حسن صورت و سیرت خلق قرآن قرار پایا اس کے مقام علو کا ادراک کون کر سکتا ہے؟ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ قرآن حضور ﷺ کی دلکش اداؤں اور آپ کی عادات و خصائل کے ذکر جمیل کا مجموعہ ہے۔

شب میلاد رسول ﷺ لیلۃ القدر سے بھی افضل ہے

جس کے اوصاف جمیلہ کے ذکر اور خلق عظیم کو بیان کرنے والی کتاب کے اترنے سے رمضان کو اتنی فضیلت ملی کہ اس کی صرف ایک رات ہزار مہینوں سے افضل ٹھہری تو اس ماہ مقدس یعنی ربیع الاول کی عظمت و فضیلت کا کیا عالم ہوگا جس کو صاحب کتاب، محبوب کبریٰ ﷺ کے ماہ میلاد ہونے کا شرف حاصل ہے۔ جس رات یہ کلام الہی یعنی ذکر خلق عظیم اترا، اللہ تعالیٰ نے اس رات کو قیامت تک انسان کے لئے ”لیلۃ القدر“ کی صورت میں بلندی درجات اور شرف نزول ملائکہ سے نوازا اور بھجوائے فرمان ایزدی ”لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ“ اس ایک رات کو ہزار مہینوں پر فائق و برتر قرار دیا گیا تو جس رات صاحب قرآن یعنی مقصود و محبوب کائنات ﷺ کا ورود ہوا اور بزم حسینان عالم کے تاجدار ﷺ کے اس زمین و مکاں کو ابدی رحمتوں اور لازوال سعادتوں سے منور فرمایا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی کتنی قدر و منزلت کیا ہوگی۔ اس کا اندازہ لگانا فہم و شعور انسانی کے لئے ناممکن ہے۔ لیلۃ القدر کی فضیلت اس لیے ہے کہ وہ نزول قرآن اور ملائکہ کی رات ہے۔ اور نزول قرآن مصطفیٰ ﷺ کیلئے ہوا، اگر حضور ﷺ نہ ہوتے تو نہ قرآن ہوتا نہ شب قدر ہوتی اور نہ کوئی اور رات ہوتی۔ یہ ساری فضیلتیں میلاد مصطفیٰ ﷺ کا صدقہ ہیں۔ سو شب میلاد رسول

ﷺ شب قدر سے بھی افضل ہے۔ ہزار مہینوں سے افضل کہہ کر باری تعالیٰ نے شب قدر کی فضیلت کی حد مقرر فرمادی جبکہ شب میلاد رسول ﷺ کی فضیلت زمان و مکان کے اعتبار سے مطلق ہے۔

ائمہ و محدثین نے راتوں کی فضیلت پر گفتگو کی ہے۔ مثلاً لیلۃ القدر، لیلۃ نصف شعبان، لیلۃ یوم العرفہ، لیلۃ یوم الفطر وغیرہ ان میں لیلۃ مولد النبی ﷺ کا ذکر بھی آیا ہے۔ بہت سے اہل علم و محبت ائمہ و محدثین نے شب میلاد کو شب قدر سے افضل قرار دیا ہے۔

امام قسطلانی، امام زرقانی اور امام نبہانی نے بڑی صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ سب راتیں فضیلت والی ہیں مگر شب میلاد رسول اللہ ﷺ سب سے افضل ہے۔
۱۔ امام قسطلانی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

اذا قلنا بانہ علیہ الصلاة والسلام ولد لیلاً فایما افضل لیلۃ القدر او لیلۃ مولدہ علیہ الصلاة والسلام، قلت: أجیب بان لیلۃ مولدہ علیہ الصلاة والسلام افضل من لیلۃ القدر من وجوہ ثلاثہ۔

أحدھا ان لیلۃ المولد لیلۃ ظہورہ ﷺ و لیلۃ القدر معطاة له وما شرف لظہور ذات المشرف من اجلہ اشرف مما شرف بسبب انہ اعطیہ ولا نزاع فی ذلك، فكانت لیلۃ المولد افضل من لیلۃ القدر۔

الثانی ان لیلۃ القدر شرفت بنزول الملائکة فیہا و لیلۃ المولد شرفت بظہورہ ﷺ فیہا وما شرفت به لیلۃ المولد افضل مما شرفت به لیلۃ القدر علی الاصح المرتضیٰ ای عند جمہور اہل السنۃ فتكون لیلۃ مولد افضل۔

الثالث لیلۃ القدر وقع تفضل بها علی امة محمد ﷺ و لیلۃ المولد الشریف وقع التفضل بها علی سائر الموجودات فهو ﷺ الذی بعثہ اللہ تعالیٰ رحمة للعالمین فعمت به النعمة جمیع الخلائق فكانت لیلۃ المولد اعم نفعاً فكانت افضل من لیلۃ القدر بهذا الاعتبار۔ (۱)

”جب ہم نے یہ کہا کہ حضور نبی اکرم ﷺ رات کے وقت پیدا ہوئے تو سوال یہ ہے کہ شبِ میلاد رسول ﷺ افضل ہے یا لیلۃ القدر؟ تو میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ آپ ﷺ کی میلاد کی رات تین وجوہ کی بنیاد پر ”لیلۃ القدر“ سے افضل ہے:

۱۔ حضور ﷺ کی ولادت مبارکہ کی رات وہ رات ہے جس میں حضور ﷺ کا ظہور ہوا جبکہ لیلۃ القدر آپ کو عطا کی گئی، لہذا وہ رات جس کو آپ ﷺ کے ظہور کا شرف ملا اس رات سے زیادہ شرف والی ہوگی جسے اس رات میں تشریف لانے والی شخصیت کے سبب سے شرف ملا پس اس میں کوئی نزاع نہیں، لہذا شبِ میلاد رسول ﷺ ”لیلۃ القدر“ سے افضل ہوئی۔

۲۔ اگر لیلۃ القدر کی عظمت اس بناء پر ہے کہ اس میں فرشتوں کا نزول ہوتا ہے تو شبِ ولادت کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ کائنات میں جلوہ فرما ہوئے۔ جمہور اہلسنت کے صحیح اور منتخب ترین قول کے مطابق جس وجہ سے شبِ میلاد رسول ﷺ کو شرف سے نوازا گیا وہ ”لیلۃ القدر“ کو شرف سے نوازنے کی وجہ سے کہیں زیادہ افضل و اشرف ہے، لہذا شبِ ولادت افضل ہوگی۔

۳۔ لیلۃ القدر کے باعث امت محمدیہ ﷺ کو فضیلت بخشی گئی اور شبِ میلاد رسول ﷺ سے جمیع موجودات کو فضیلت سے نوازا گیا، حضور نبی اکرم ﷺ ہی ہیں جن کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا تو اس نعمت کو جمیع کائنات کے لیے عام کر دیا گیا، پس ”شبِ ولادت“ نفع رسانی میں کہیں زیادہ ہے لہذا اس اعتبار سے یہ لیلۃ القدر سے افضل ہوئی۔“
امام نہبائی اپنی مشہور تصنیف الانوار الحمدیہ میں رقم طراز ہیں:

ولیلۃ مولدہ ﷺ افضل من لیلۃ القدر۔ (۲)

”اور شبِ میلاد رسول ﷺ شبِ قدر سے افضل ہے۔“

جس رات میں فرشتے اتریں اس رات کی فضیلت یہ ہے کہ وہ ہزار مہینوں سے افضل ہے اور خود ذاتِ مصطفیٰ ﷺ کی فضیلت یہ ہے کہ آپ ﷺ کے مزار اقدس کی زیارت کے لئے

ستر ہزار فرشتے صبح اور ستر ہزار فرشتے شام کو اترتے ہیں مزار اقدس کا طواف کرتے ہیں اور بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں عرض نیاز کرتے اور چلے جاتے ہیں اور یہ سلسلہ قیامت تک اسی طرح جاری رہے گا اور ان ایک لاکھ چالیس ہزار فرشتوں میں سے جن کی باری ایک بار آتی ہے دوبارہ نہیں آئے گی۔ فرشتے تو دربارِ مصطفیٰ ﷺ کے خادم اور جاروب بردار ہیں۔ وہ اتریں تو رات ہزار مہینوں سے افضل ہو جائے اور ساری کائنات کی سرکار اترے تو اس کی کوئی فضیلت ہی نہ جانی جائے؟ آقا ﷺ کی آمد کی رات اور آپ کی آمد کے مہینہ پر کروڑوں اربوں مہینوں کی فضیلتیں قربان، اور خاص بات یہ ہے کہ شب قدر کی فضیلت فقط اہل ایمان کے لئے ہے باقی انسانیت اس سے محروم رہتی ہے مگر مصطفیٰ ﷺ کی آمد باعثِ فضل و رحمت فقط اہل ایمان ہی کے لئے نہیں مومن اور کافر ساری کائنات کے لئے ہے۔ آپ ﷺ کی ولادت ساری کائنات کی تمام مخلوقات کے لئے اللہ کا فضل اور اسکی رحمت ہے اس پر خوشی کا اظہار کرنا باعثِ اجر و ثواب ہے۔

اس مختصر سے تقابل سے مقصود ”لیلة القدر“ کی عظمت کا انکار نہیں بلکہ ربیع الاول اور بالخصوص ساعت میلادِ مصطفیٰ ﷺ کی اہمیت و تقدس کو واضح کرنا ہے۔

ان حقائق کو تسلیم کرنے سے یہ بھی مترشح ہوا کہ قرآن حکیم کی قدر و منزلت کا اعتراف کرنے سے پہلے صاحب قرآن کی قدر و منزلت کو دل کی گہرائیوں سے تسلیم کرنا ناگزیر ہے۔

نعمتِ قرآن کے شکر کی قبولیت بواسطہ مصطفیٰ ﷺ

امت مسلمہ جب قرآن حکیم کے نزول پر شکر بجالاتی ہے تو یہ اس کے اہم ترین فرائض، قرآن پر ایمان اور اس سے محبت کے اہم ترین تقاضوں میں سے ہے۔ لیکن نعمت قرآن کا شکر بجالانا اس وقت تک شکر نہیں بن سکتا اور اللہ جل مجدہ کی بارگاہ میں شرف قبولیت حاصل کر ہی نہیں سکتا جب تک اس ہستی کی تشریف آوری اور ولادت مبارکہ کا شکر ادا نہ کیا جائے جس کی وساطت سے اللہ تعالیٰ نے اس نعمت قرآن سے دامن انسانیت کو منور کیا۔

اللہ کی ہر نعمت کا شکر ادا کرنا ضروری ہے جس نے اپنی نعمتوں کو دل سے یاد رکھ کر ان پر شکر

بجالانے کا حکم صادر فرمایا ہے۔ قرآن حکیم کے کئی مقامات اس پر شاہد عادل ہیں۔ مثلاً یہ فرمایا گیا:

وَ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلْفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ
فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ اِخْوَانًا۔ (ال عمران، ۳: ۱۰۳)

”اور اپنے اوپر (کی گئی) اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب تم (ایک دوسرے کے) دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی پس تم اس کی نعمت کے باعث آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔“

یہ (بلاشبہ) اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے کہ اس نے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دیا اور باہم خون کے پیاسوں کو ایک دوسرے کا غمخوار بھائی بنا دیا، ان کی نفرتوں اور عداوتوں کو محبتوں اور مروتوں سے بدل دیا۔ لیکن یہ بھی تو سوچئے کہ یہ نعمت ^{حضرت} کی بعثت کے تصدق سے نصیب ہوئی اس نعمت کا مبداء و مرجع بھی حضور ﷺ کی ذات گرامی ہے۔

آپ ﷺ کا اس دنیا میں تشریف لانا اور لوگوں کا آپ ﷺ کے حلقہ غلامی میں داخل ہونا تھا کہ سب لوگ خواہ اس سے پہلے وہ ایک دوسرے کے دشمن اور خون کے پیاسے تھے، باہم شیر و شکر ہو گئے اور ایک دوسرے کی محبت اور الفت کے اسیر ہو گئے۔

حضور ﷺ اللہ کی سب سے بڑی نعمت

پہلی امتیں اللہ تعالیٰ کی نعمت پر شکر بجالاتی تھیں نیز نعمتوں کے شکرانے پر جشن اور عید منانا خود انبیاء کی سنت ہے اور قرآن کی واضح آیات اس پر گواہ ہیں۔ آج تک عیسائی لوگ یا کدہ جیسی عام نعمت کے ملنے والے دن کو بطور عید مناتے ہیں۔ اس سے کسی کے ذہن میں یہ شبہ وارد نہیں ہونا چاہئے کہ یہ تو پھر غیر مسلموں کے ساتھ اشتباہ ہوگا کہ وہ جس طرح نعمت کا شکر بجالاتے ہیں ہمیں بھی اسی طرح کرنا چاہئے، نہیں! بلکہ اس مثال سے مقصود صرف یہ ہے کہ وہ اپنی سابقہ روایات کے مطابق مخصوص دن مناتے چلے آ رہے ہیں اور ان کے اس فعل کا ذکر تو قرآن نے کرنا مناسب سمجھا۔

غور طلب بات ہے کہ سابقہ امتوں کو جب معمولی سے نعمت پر شکر بجالانے کا حکم تھا،

وہ اس کی تعمیل کرتی تھیں تو امت مسلمہ کو کیا ہے کہ وہ اپنے آقا ﷺ کی آمد کے سلسلے میں خوشی منا کر خدا کی اس عظیم ترین نعمت کا شکریہ ادا نہ کرے جب عام نعمتوں کے حصول پر شکر کرنا واجب ہے تو اس نعمت کا شکریہ ادا کرنا بدرجہ اولیٰ واجب ٹھہرا کیونکہ کائنات میں حضور ﷺ کی ذات مبرا کہ سے بڑھ کر اور کوئی نعمت نہیں بلکہ کائنات کو وجود ہی اسی نعمت کے توسط سے ملا۔ دنیا و ما فیہا اور آخرت ن جملہ نعمتیں تو حضور ﷺ کے در اقدس کی خیرات ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے علاوہ کسی نعمت کا احسان نہیں جتلیا

کائنات ہست و بود میں خدا تعالیٰ نے بے حد و حساب احسانات فرمائے ہیں۔ انسان پر لا تعداد انعامات و مہربانیاں فرمائی ہیں اور اسی طرح ہمیشہ فرماتا رہے گا کیونکہ وہ رحیم و کریم ہے۔ اللہ نے ہمیں ہزاروں نعمتیں دیں لیکن کبھی کسی پر احسان نہیں جتلیا، اللہ تعالیٰ نے ہمیں کھانے پینے اور سہولتوں سے نوازا لیکن احسان نہیں جتلیا پھر دن رات کا نظام ہمارے لئے مرتب کیا۔ سمندروں، پہاڑوں اور فضاؤں کو ہمارے لئے مسخر فرمایا مگر اس کا احسان بھی نہیں جتلیا۔ اس ذات رؤف و رحیم نے ہمیں اپنی پوری کائنات میں شرف و بزرگی کا تاج پہنایا اور احسن تقویم کے سانچے میں ڈھال کر رشک ملائکہ بنایا لیکن پھر بھی کوئی احسان نہیں جتلیا۔ ہمیں ماں، باپ، بہن، بھائی، بیوی اور بچوں جیسی نعمتوں سے نوازا غرضیکہ نفس و آفاق کی ہزاروں ایسی نعمتیں جو ہمارے حیطہ ادراک سے بھی باہر ہیں، اس نے ہمیں عطا فرمائیں لیکن بطور خاص کسی نعمت اور احسان کا ذکر نہیں کیا اس لئے کہ وہ تو اتنا سخی ہے کہ کوئی اسے مانے یا نہ مانے وہ سب کو اپنے کرم سے نوازتا ہے اور کسی پر اپنے احسانات کو نہیں جتاتا۔

لیکن ایک نعمت عظمیٰ ایسی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے جب حریم کبریائی سے اسے بنی نوع انسان کی طرف بھیجا اور امت مسلمہ کو اس نعمت سے سرفراز فرمایا تو اس کا ذکر کیا اور کیا بھی اس طرح کہ پوری دنیائے نعم میں صرف اس پر احسان جتلیا اور اظہار بھی عام الفاظ میں نہیں بلکہ مومنین کو اس کا احساس دلایا اور احسان جتلانے سے پہلے دو تاکیدیں بھی لائیں۔ ارشاد فرمایا گیا:

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ۔

(آل عمران، ۳: ۱۶۴)

”بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا کہ ان میں انہیں میں سے عظمت والا رسول بھیجا۔“

اللہ رب العزت فرما رہا ہے کہ امت مسلمہ پر میرا یہ بہت بڑا احسان، انعام اور لطف و کرم ہے کہ میں نے اپنے محبوب کو تمہاری جانوں میں سے تمہارے لئے پیدا کیا۔ محض تمہاری تقدیریں بدلنے، بگڑے ہوئے حالات سنوارنے اور شرف و تکریم سے نوازنے کے لئے تاکہ تمہیں ذلت و گمراہی کے گڑھے سے اٹھا کر عظمت و شرف انسانیت سے ہمکنار کر دیا جائے۔ لوگو! آگاہ ہو جاؤ کہ میرے کارخانہ قدرت میں اس سے بڑھ کر کوئی نعمت تھی ہی نہیں جب میں نے وہی محبوب تمہیں دے دیا جس کی خاطر میں کائنات کو عدم سے وجود میں لایا اور اس کو انواع و اقسام کی نعمتوں سے مالا مال کر دیا تو اب اس پر ضروری تھا کہ میں رب العالمین ہوتے ہوئے بھی اس عظیم نعمت کا احسان جتلاؤں ایسا نہ ہو کہ امت مصطفویٰ اسے بھی عام سے نعمت سمجھتے ہوئے اس کی قدر و منزلت اور علو مرتب سے بے نیازی کا مظاہرہ کرنے لگے اور خداوند تعالیٰ کے اس احسان عظیم کی ناشکری کا ارتکاب کرتی رہے۔ اس احسان جتلانے میں بھی امت مسلمہ کی بھلائی کو پیش نظر رکھا گیا نیز قرآن حکیم کے اس واضح حکم سے ہر مسلمان کو آگاہ کیا گیا ہے کہ خبردار! اللہ کے اس عظیم احسان کو کبھی فراموش نہ کرنا اس میں خدا اور اس کے محبوب رسول ﷺ کو (نعوذ باللہ) کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا نہ اس کی شان میں کوئی فرق پڑ سکتا ہے تم اس کے اس احسان پر شکرانہ ادا کرو یا نہ کرو حضور ﷺ کا ذکر تو خدائی وعدہ کے مطابق روز افزوں ہی رہے گا۔

وَلِلْآخِرَةِ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ۔ (الضحیٰ، ۹۳: ۴)

”اے محبوب! ہر آنے والی گھڑی تیرے لئے پہلی گھڑی سے بہتر ہے۔“

اور آپ کا ذکر مبارک ہر آن بلند سے بلند تر ہوتا چلا جائے گا کہ یہ بھی خود خالق کائنات

کا ارشاد گرامی ہے: وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔ (الانشراح، ۹۴: ۴)

”اور (اے محبوب) ہم نے تیری خاطر تیرا ذکر بلند کر دیا ہے۔“

اب کوئی حضور ﷺ کا ذکر کرے گا تو اس کی اپنی ذات کو فائدہ ہے اور اسی طرح ان کی تشریف آوری پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بطور شکرانہ خوشی منائے گا تو یہ بھی اس کے اپنے مفاد کی بات ہے نہ وہ کسی پر احسان کر رہا ہے اور نہ ہی کسی کا فائدہ بلکہ اپنا توشہ آخرت بہتر بنا رہا ہے:

وَدَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ كَأَنَّ سَائِبَ تَجْهِدٍ

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں

بول بالا ہے ترا ذکر ہے اونچا تیرا

خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھیرا تیرا

سابقہ کتب میں تذکارِ نعم

قرآن مجید نے تو ان نعمتوں کا ذکر اجمالاً کیا ہے تاکہ یہ تصور بطور سنت تازہ رہے، لیکن جن قوموں پر یہ نعمتیں نازل ہوئیں ان کتابوں میں یہ تذکرے بالتفصیل درج ہیں۔ آج بھی بائبل کو اٹھائیں تو اس میں کتاب التوراة میں یہ درج ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ جس دن میں نے تمہیں فرعون مصر کی غلامی سے آزادی دلائی تھی اس دن کو بطور عید مناتے رہنا اور سال بھر میں تین عیدیں منانا۔ (۳)

یہاں بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ اس خوشی اور نعمت کے دن کو بطور عید یعنی سال میں خصوصی طور پر منانے کا حکم دے رہا ہے۔ اسی طرح بائبل کے اسی باب میں یہ بھی فرمایا کہ جس دن تمہارے اوپر بادلوں کا سائبان بنایا اس دن کو سات دن تک بطور عید مناتے رہنا اور یہی اصول اور آئین تمہاری نسل در نسل رہے گا۔ مزید یہ کہ سات دن سائبان تان کر رکھنا تاکہ تمہاری آئندہ نسلوں تک الوہی سائبان کا تصور اچھی طرح منتقل ہو سکے اور سائبان کا حکم اس لئے بھی دیا تاکہ لوگوں کو یہ جان کر خوشی اور مسرت ہو کہ واقعی یہ اتنی بڑی نعمت ہے اور ساتھ ہی اس کا عملی مظاہرہ بھی ہو جائے۔

نعمتوں پر خوشی منانا سنتِ انبیاء علیہم السلام ہے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب اللہ رب العزت کی بارگاہ میں اپنی امت کے لئے مائدہ کی نعمت طلب کی تو یوں عرض کیا:

رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَ
آيَةً مِنْكَ۔ (المائدہ، ۵: ۱۱۳)

”اے (ہمارے پروردگار) ہم پر آسمان سے خوانِ نعمت نازل فرما کہ ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لئے وہ عید (یعنی خوشی کا دن) ہو اور یہ خوانِ تیری طرف سے (تیری قدرت کاملہ کی) نشانی ہو۔“

قرآن مجید نے اس آیت میں نبی کی زبان سے یہ تصور دیا ہے کہ جس دن اللہ تعالیٰ کی نعمت اترے اس دن کو بطور عید منانا اس نعمت کے شکرانے کی مستحسن صورت ہے نیز اسی آیت کریمہ سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ عید کے طور پر یہ خوشی وہی مناتے ہیں جو اس نعمت میں اللہ کے نبی کے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔

”اولنا“ اور ”آخرنا“ کے کلمات اس طرف دلالت کر رہے ہیں کہ مائدہ اترنے کے بعد جو امت آئے گی اس کے دورِ اوائل میں بھی لوگ ہوں گے اور دورِ اواخر میں بھی، سو جو پہلے دور میں ہوں وہ بھی اسے عید کے طور پر منائیں اور جو رہتی دنیا تک آخر میں آئیں وہ بھی یہی و طیرہ اپنائیں۔
لیکن ”اولنا“ ”و آخرنا“ میں کلمہ ”نا“ اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ عید وہی منائے گا جو ہم سے ہوگا کیونکہ اسے ہمارے اوپر اترنے والی اس نعمت کی خوشی بھی ہوگی اور بالفاظ دیگر جسے اس نعمت کی خوشی نہیں ہوگی وہ ہم سے لا تعلق ہے۔

قابلِ غور نکتہ

”اولنا“ اور ”آخرنا“ میں کلمہ ”نا“ اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ خوشیاں وہی منائے گا جو اس نعمت اور شکر میں ہمارے ساتھ شریک ہوگا، اور اسے عید منانے کی ضرورت نہیں جو اس خوشی

میں ہمارے ساتھ شریک نہیں۔ یہاں قرآن نے اپنے دلوں کے احوال پر کھنے کے لئے ایک معیار دے دیا کہ آپ بھی ”اولنا“ اور ”اخرنا“ ہیں یا نہیں؟ وہ تو عیسیٰ علیہ السلام کی امت تھی اور یہ آقائے دو جہاں کی امت ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ وہ مادہ کی عارضی نعمت تھی اور یہاں ولادت مصطفیٰ ﷺ کی دائمی نعمت ہے لیکن یہاں ہمارے لئے بھی وہی معیار ہے کہ جب ماہ ربیع الاول میں حضور ﷺ کی ولادت کے دن آئیں یا عید میلاد آئے اور ہمارا دل خوشیوں اور مسرتوں سے دیوانہ ہو جائے تو سمجھ لیں کہ ہم بھی ”من اولنا و اخرنا“ کے زمرے میں شامل ہیں اور آپ ﷺ سے محبت رکھنے والوں میں ہیں۔ اس کے برعکس ماہ ولادت مصطفیٰ ﷺ میں اگر خوشیوں کے اعتبار سے کسی کو جدا دیکھیں، وہ اس خوشی سے لبریز نہ ہو بلکہ دل میں کوئی ہچکچاہٹ، شکوک و شبہات اور کینے کی کیفیت ہو تو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ توبہ کرے اس لئے کہ یہ انتہائی خطرناک بیماری ہے۔ اس سے اجتناب دولت ایمان کی حفاظت کے لئے ضروری ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ہو حضور سید کائنات ﷺ کا نام لیوا امتی اور ان کی ولادت باسعادت کے دنوں میں خوشیاں نہ منائے۔ اس کے ایمان پر کیوں افسوس نہ ہو جو ان دنوں گھبراتا پھرے یا دل کو اس مبارک فعل سے تنگ کر لے اور اس کے جواز اور عدم جواز پر اہل علم سے دلیلیں طلب کرتا پھرے، حالانکہ محبت کبھی دلائل کی محتاج نہیں ہوتی۔

کائنات میں مؤمن کی سب سے بڑی خوشی

چنانچہ جب حضور ﷺ کی ولادت کا مہینہ آئے تو ایک سچے مسلمان کی قلبی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ خوشیاں منانے کے لئے اس کا دل بے قرار اور طبیعت بے چین ہو جاتی ہے اور اسے یوں لگتا ہے کہ اس کے لئے کائنات کی ساری خوشیاں ہیج ہیں اور میلاد رسول ﷺ کی خوشی ہی حقیقی خوشی ہے بلکہ وہ یوں سمجھتا ہے کہ اس دن کائنات کی ساری خوشیاں سمٹ کر اس کے دامن میں آگری ہیں۔ اس سے بڑھ کر اس کے لئے مسرت و شادمانی کا اور کون سا موقع ہوگا۔ وہ تو اس خوشی سے بڑھ کر کائنات میں کسی خوشی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

شکرانہ نعمت کے معروف طریقے

قرآن نے ولادتِ مصطفیٰ ﷺ کو لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ارشاد فرما کر اہل ایمان پر بہت بڑا احسان قرار دیا ہے جس کا شکر بجالانا ان پر اسی طرح واجب ہے جس طرح سابقہ امتیں اس سے بدرجہا کم تر احسان اور نعمت عطا ہونے پر اظہارِ تشکر بجالاتی رہی ہیں۔ اس وجوبِ شکر اور سابقہ امتوں کے عمل کی کئی مثالیں قرآن مجید میں بیان ہو چکی ہیں اب ہم بالاختصار نعمتوں پر شکر بجالانے کی مختلف صورتیں بیان کرتے ہیں جن کی سند بھی قرآن ہی نے فراہم کی ہے۔

۱۔ ذکرِ نعمت

قرآن پاک نے نعمتوں کا شکر بجالانے کی ایک صورت یہ بھی بیان کی ہے کہ اللہ کی رحمت اور اس کی نعمت کو یاد رکھا جائے جیسا کہ قبل ازیں بنی اسرائیل پر کی گئی نعمتوں کے تذکرے سورہ بقرہ کی اس آیت نے بیان کئے ہیں۔

يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ۔ (البقرہ: ۲: ۴۷)

”اے بنی اسرائیل! یاد کرو میری وہ نعمتیں جو میں نے تم پر کیں۔“

۲۔ تحدیثِ نعمت

نعمت کا شکر بجالانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ انسان اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کے حصول پر ان کا اظہار کرے، خوشی منانے کے ساتھ دوسروں کے سامنے ان کا تذکرہ بھی کرے، یہ بھی اللہ کی نعمت پر شکر ادا کرنے کی صورت ہوگی جس کا ذکر قرآن نے یوں کیا ہے:

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔ (الضحیٰ، ۹۳: ۱۱)

”اور آپ کے پروردگار نے جو نعمت عطا فرمائی ہے اس کا بیان کرتے رہیں۔“

۳۔ عید منانا

ذکرِ نعمت اور تحدیثِ نعمت کے علاوہ اللہ کی نعمتوں اور اس کی عنایات کریمانہ پر شکر کے

اظہار کے لئے ایک طریقہ اور صورت یہ بھی ہے کہ اس خوشی کا اظہار جشن اور عید کے طور پر کیا جائے۔

حضرت عیسیٰ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں یوں ملتجی ہوتے ہیں:

رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا وَ

آخِرِنَا۔ (المائدہ، ۵: ۱۱۴)

”اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے خوان (نعمت) نازل فرما دے تاکہ (اس

کے اترنے کا دن) ہمارے اگلوں کے لیے (بھی) اور ہمارے پچھلوں کے لئے بھی عید ہو جائے۔“

یہاں مائدہ جیسی عارضی نعمت کے ملنے پر حضرت عیسیٰ اللہ رب العزت نے عید منانے کا ذکر کرتے ہیں

چنانچہ عیسائی لوگ آج تک اتوار کے نعمت کے حصول پر بطور شکرانہ عید مناتے ہیں۔

۴۔ عبادت و بندگی کا طریقہ

علاوہ ازیں اللہ کی نعمتوں کا شکر اس کی بندگی و عبادت سے بھی بجالایا جاسکتا ہے۔ نماز، روزہ، حج

اور زکوٰۃ جیسی فرض عبادتوں کے علاوہ دیگر نقلی عبادات سب اللہ کی نعمتوں پر شکرانے کی بہترین صورتیں ہیں۔

۵۔ خوشی منانا

خوشی و مسرت کا اعلانیہ اظہار بھی اللہ کے فضل اور اس کی رحمت جیسی نعمتوں کا شکر بجا

لانے کا ایک طریقہ ہے جیسا کہ زیر بحث عنوان کے تحت اس آیہ کریمہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِمَّا

يَجْمَعُونَ۔ (یونس، ۱۰: ۵۸)

”فرمادیجئے (یہ سب کچھ) اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے باعث ہے (جو بے

محمدی کے ذریعے تم پر ہوا ہے) پس مسلمانوں کو چاہئے کہ اس پر خوشیاں منائیں، یہ اس (سارے

مال و دولت) سے کہیں بہتر ہے جسے وہ جمع کرتے ہیں۔“

اس آیت میں ان تمام صورتوں کے علاوہ حصول فضل و رحمت پر خوشی اور جشن منانے کا

خصوصی حکم ہے اور شکر بجالانے کے سب طریقوں اور صورتوں سے اسے بہتر قرار دیا جا رہا ہے۔

خود رب کائنات نے میلادِ مصطفیٰ پر جشن کا اہتمام فرمایا اور آپ ﷺ کو اپنی رحمت قرار دے کر اس نعمت کے شکرانے کے طور پر اظہارِ مسرت کا حکم دیا۔

یہاں اللہ تعالیٰ لفظ ”قل“ کے بغیر حکم فرما سکتا تھا کہ ”لوگو اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے حصول پر خوشیاں مناؤ“ لیکن ایسا نہیں فرمایا بلکہ اسلوب بیان یہ ہے ”محبوب یہ بات آپ ان لوگوں سے فرمادیں“۔

جو بات خود بھی کہی جا سکتی تھی وہ اپنے محبوب کی وساطت سے کہلوائی کہ محبوب ﷺ آپ یہ اعلان اپنی پیاری پیاری، میٹھی میٹھی زبان سے فرمادیں کہ لوگو اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کی نعمتِ عظمیٰ جو تیرے پیکر کی صورت میں تمہیں عطا ہوئی ہے اس پر خوشی کا اظہار کرو اور خوب خوشیاں مناؤ۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ باری تعالیٰ! نعمت عطا کرنے والا تو خود ہے اور خوشی کرنے والے تیرے بندے ہیں۔ تو اپنے بندوں کو جو حکم چاہے بلا واسطہ بھی دے سکتا ہے، تو نے ایسا کیوں نہ فرمادیا کہ ”میرے بندو! میری نعمت پر خوشی کرو“ حالانکہ تو نے سابقہ امتوں کو براہِ راست مخاطب فرما کر نعمت کو یاد کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ آخر کونسی ایسی خاص بات ہے کہ جس کا اعلان حضور ﷺ کی زبانِ اقدس سے کروایا جا رہا ہے۔

اس سوال کا جواب یہ آیت کریمہ زبانِ حال سے اس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے دے رہی ہے کہ محبوب کائنات ﷺ ہی سب نعمتوں کا سبب ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی اسی لئے حکم فرما رہا ہے کہ پیارے چونکہ اس نعمت کا باعث تو ہے اس لئے تو ہی بتا دے کہ لوگو! یہ نعمت جو میرے وجود کی صورت میں، میری بعثت کی صورت میں اور میری نبوت و رسالت کی صورت میں اللہ نے تمہیں عطا فرمائی ہے، اس پر جتنی خوشی مناؤ اتنی کم ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں:

فبذلک فلیفرحوا..... یفید الحصر یعنی یجب أن لا یفرح

الانسان إلا بذالک۔ (۴)

”فبذلک فلیفرحوا حصر کافائدہ دے رہا ہے یعنی واجب ہے کہ انسان صرف اسی پر خوشی منائے۔“

فضل اور رحمت کے حوالے سے ایک لطیف علمی نکتہ

قرآن حکیم کے اسالیب بیان سے ایک اسلوب یہ بھی ہے کہ جب فضل اور رحمت کا ذکر ہو رہا ہو تو اس سے حضور ﷺ کی ذات گرامی مراد ہوتی ہے۔ اس کی مزید شہادت تو بعد میں نصوص قرآنی سے فراہم کی جائے گی۔ پہلے دیکھتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں فضل اور رحمت سے مراد کیا ہے؟ فرمان الہی ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا۔ (یونس، ۱۰: ۵۸)

”فرمادیجئے (یہ سب کچھ) اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے باعث ہے (جو بعثت

محمدی کے ذریعے تم پر ہوا ہے) پس مسلمانوں کو چاہئے کہ اس پر خوشیاں منائیں۔“

یہاں دو چیزوں کا ذکر ہو رہا ہے:

۱۔ اللہ کا فضل
۲۔ اللہ کی رحمت

ان دونوں کے درمیان واؤ عاطفہ ہے۔ عام اصول کے مطابق چاہیے تو یہ تھا کہ جس طرح فضل اور رحمت کا ذکر جدا جدا ہوا، اشارہ (ذکر) ”وہ“ جو ان دونوں کے لئے بیان کیا گیا اسی طرح تشنیہ کا ہوتا لیکن اس اصول کو یہاں ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ (یعنی یوں نہیں کہا گیا ”ان کی خاطر خوشیاں مناؤ“ بلکہ فرمایا ”اس کی خاطر“) گرامر کی رو سے یوں کہا جاتا ہے ”زید اور بکر کمرے میں آئے“ نہ کہ اس طرح ”زید اور بکر کمرے میں آیا“ آنے والے جب دو مذکور ہیں تو صیغہ بھی دو کا استعمال ہوگا۔

اسی طرح عربی زبان میں ذلک اشارہ واحد کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اس کے مقابلے میں جب تشنیہ یا جمع کا ذکر آئے تو اس کے لئے اشارہ بھی بالترتیب ذلک یا اولئک بولا جاتا ہے۔ اس اصول کو ذہن میں رکھ کر اگر اسی مذکورہ آیت کریمہ پر غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا فضل اور رحمت کے ذکر کے بعد واحد اشارہ ذلک لایا گیا ہے اس کی کیا حکمت ہے۔ تو کیا

قرآن اپنے بیان میں قواعد کی مخالفت کر رہا ہے؟ نہیں ایسا نہیں اور ہرگز نہیں تو ماننا پڑے گا کہ اس فضل اور رحمت سے مراد بھی کوئی ایک ہی وجود ہے۔

اس اسلوب بیان سے یہ وضاحت بھی مقصود تھی کہ کہیں اللہ کے فضل اور رحمت کو کسی اور سمت تلاش نہ کرتے رہنا بلکہ اچھی طرح سمجھ لو کہ اللہ کا فضل بھی اور اس کی رحمت بھی وہی ہستی ہے، یعنی فضل اور رحمت حقیقت میں ایک ہی ذات میں جمع ہو گئے ہیں۔ لہذا اس ایک مبارک ہستی کے سبب تم شکر بجالاؤ اور خوشیاں مناؤ۔

چنانچہ جونہی ماہ ربیع الاول کا آغاز ہوتا ہے غلامان رسول ﷺ آپ ﷺ کی ولادت کی خوشی میں دیوانہ وار لگن ہو جاتے ہیں ہر طرف جشن کا سماں ہوتا ہے ایسا کیوں نہ ہو اس لئے کہ کائنات کی ساری خوشیاں جملہ مسرتیں اور شادمانیاں اسی ایک خوشی پر قربان ہو جائیں پھر بھی اس یوم سعید کے منانے کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ اس کا جواز نص قرآن سے ثابت ہے اور خود اللہ رب العزت نے اس خوشی کے منانے کا نہ صرف اہتمام کیا بلکہ مندرجہ بالا ارشاد قرآنی کی رو سے ہمیں بھی اس نعمت عظمیٰ پر خوشی منانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اللہ کے فضل اور رحمت پر اظہار مسرت کرو۔ اور اس پر خوب خوشیاں مناؤ جبکہ اللہ رب العزت نے ایسی خوشیاں منانے سے منع فرمایا جن میں اظہار اور دکھاوا ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ۔ (القصص، ۲۸: ۷۶)

”بے شک اللہ تعالیٰ گھمنڈ کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔“

اللہ رب العزت عاجزی، انکساری اور سادگی کو پسند فرماتا ہے۔ خوشیوں میں دھوم دھام کا اظہار تواضع و انکساری اور شان بندگی کے خلاف ہے۔ اس لئے اللہ رب العزت نے عمومی حکم یہ فرمایا کہ وہ اظہار خوشی و مسرت میں دھوم دھام کو پسند نہیں فرماتا۔ اس لئے ایسی خوشیاں منانے سے منع کیا گیا ہے جو یاد الہی سے غافل کر دیں۔ گویا اللہ فرما رہا ہے اے بندے! ایسی طبیعت، مزاج اور طور طریقے اپناؤ کہ تیرا شمار فرحین میں ہونے لگے۔ جب اپنے فضل اور رحمت کی

بات کی تو اپنے اس حکم میں استثناء (Exemption) کا اعلان فرمادیا، کہ اگر میرا فضل اور رحمت نصیب ہو جائے تو میرا انتہائی حکم یہ فلیفر حوا ہے۔ یعنی یہ کہ خوب خوشیاں منایا کرو۔ و ہو خیر مما یجمعون کے ذریعہ یہ بتلادیا کہ جو لوگ جشن میلاد کے موقع پر لائٹنگ کے لئے قمقمے لگاتے ہیں، گل پاشیاں کرتے ہیں، قالین اور غالیچے بچھاتے ہیں، جلسے جلوس اور محافل و اجتماعات کا اہتمام کرتے ہیں، لنگر کے لئے کھانا پکاتے ہیں یعنی دھوم دھام سے اظہار خوشی کے لئے جو کچھ انتظامات کرتے ہیں وہ ان کی عبادات و نوافل اور دیگر نیکیاں جنکو وہ اپنے نامہ اعمال میں جمع کرتے رہتے ہیں سے اجر میں زیاد ہیں۔ اب صاف ظاہر ہے کہ اس اہتمام پر خرچ تو ہوگا اس لئے فرمادیا کہ میلاد مصطفیٰ کی خوشی کے لئے خرچ کرنا اس جمع کرنے سے بہتر ہے خواہ وہ جمع کرنا مال و دولت کی شکل میں ہو یا اعمال کی شکل میں ہو۔

حضور نبی اکرم ﷺ اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہیں

آیت متذکرہ بالا میں دو چیزوں یعنی اللہ کے فضل اور رحمت پر خوشی منانے کا حکم دیا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہاں فضل اور رحمت سے کیا مراد ہے؟ اگر ہم قرآن مجید کی دیگر آیات مبارکہ پر نظر ڈالیں تو یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ ذات گرامی مصطفیٰ ﷺ ہی اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضور ﷺ کی تشریف آوری انسانیت پر رب العالمین کی رحمت ہے اور بعثت مصطفوی ہی اس کا سب سے بڑا فضل ہے۔

۱۔ امام آلوسی اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کرتے ہیں۔

و أخرج أبو الشيخ عن ابن عباس رضي الله عنهما أن الفضل العلم و
الرحمة محمد ﷺ و أخرج الخطيب و ابن عساكر عنه تفسير الفضل
بالنبي عليه الصلاة والسلام۔ (۵)

”ابو شیخ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ فضل سے مراد علم ہے اور رحمت سے مراد محمد ﷺ ہیں۔ خطیب اور ابن عساکر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا

ہے کہ فضل سے مراد نبی اکرم ﷺ ہیں۔“

۲۔ امام سیوطی نے بھی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مذکورہ بالا قول نقل کیا ہے۔

وَأَخْرَجَ أَبُو الشَّيْخِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا فِي الْآيَةِ قَالَ فَضْلُ اللَّهِ الْعِلْمُ وَرَحْمَتُهُ مُحَمَّدٌ ﷺ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى (وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ) (الانباء، ۲۱: ۱۰۷) (۶)

”ابو شیخ نے اس آیت کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ فضل اللہ سے مراد علم (قرآن) ہے اور رحمت سے مراد محمد ﷺ کی ذات گرامی ہے اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

اور ہم نے (اے محبوب ﷺ) آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے ○“

۳۔ امام ابو حیان اندلسی ضحاک کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کرتے ہیں:

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فِيمَا رَوَى الضَّحَّاكُ عَنْهُ الْفَضْلُ الْعِلْمُ وَالرَّحْمَةُ مُحَمَّدٌ ﷺ۔ (۷)

”ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ فضل سے مراد علم (قرآن) اور رحمت سے مراد محمد ﷺ ہیں۔“

۴۔ امام ابن جوزی نے بھی یہی قول نقل کیا ہے

ان فضل الله العلم و رحمة محمد ﷺ رواه الضحاک (عن ابن عباس)۔ (۸)

ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ بے شک فضل اللہ سے مراد علم (قرآن) ہے اور رحمت سے مراد محمد ﷺ ہیں۔

۵۔ امام طبری نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے۔

و معنى الآية قل لهؤلاء الفرحين بالدنيا المعتدين بها الجامعين لها إذا فرحتم بشيء فافرحوا بفضل الله عليكم و رحمة لكم بإنزال هذا القرآن و ارسال محمد اليكم فانكم تحصلون بهما نعيما دائما مقيما هو

خیر لکم من هذه الدنيا الفانية

عن قتاده و مجاهد و غیر هما قال ابو جعفر الباقر علیه السلام فضل الله

رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم۔ (۹)

اس آیت کریمہ کا معنی ہے کہ ”آپ ان تمام دنیاوی خوشیاں منانے میں حد سے تجاوز

کرنے والوں اور ان کی خاطر جمع ہونے والوں کو فرمادیں۔“

”اگر تم کوئی خوشی منانا چاہتے ہو تو اللہ کے فضل اور رحمت پر خوشی مناؤ جو نزول قرآن

اور ولادت و بعثت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں تمہیں عطا ہوئے ہیں۔ پس بے شک تم ان دونوں

(نزول قرآن اور ولادت و بعثت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر خوشی منانے) کے بدلے میں ہمیشہ قائم رہنے والی

نعمت (جنت) حاصل کرو گے جو تمہارے لیے اس فانی دنیا سے بہت بہتر ہے۔“

مولانا اشرف علی تھانوی کا نقطہ نظر

یہاں چلتے چلتے ضمناً دیوبندی مکتبہ فکر کے معروف عالم دین مولانا اشرف علی تھانوی

کے نقطہ نظر سے بھی آگاہی حاصل کر لینا زیر نظر موضوع کی وضاحت کے لئے ضروری ہے۔ جیسا

کہ اس سے قبل بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ رحمت اور فضل سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں چنانچہ اس سلسلے

میں مولانا موصوف نے بجا طور پر اپنی کتاب میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم (مرتب شدہ تقاریر) میں اس حقیقت

کا اظہار کیا ہے کہ بلا اختلاف حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت اور اس کا کامل ترین فضل

ہیں۔ اس لئے اس آیت کریمہ سے بدالۃ النص یہ بھی مراد لیا جاسکتا ہے کہ یہاں رحمت اور فضل سے

مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی ولادت پر اللہ تعالیٰ خوشی منانے کا حکم دے رہے ہیں۔ (۱)

(۱) وہ متذکرہ بالا آیات قرآنی میں فضل اور رحمت کی اصل مراد قرآن کو قرار دیتے ہوئے یہ وضاحت

کرتے ہیں: ”اب قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر دیکھنا چاہئے کہ ان دونوں لفظوں (فضل اور

رحمت) سے کیا مراد ہے؟ قرآن مجید میں یہ دونوں لفظ بکثرت آتے ہیں۔ کہیں دونوں سے ایک معنی مراد

ہیں اور کہیں جدا جدا، چنانچہ ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ. (البقرہ، ۵، ۲: ۶۳)

اکثر مفسرین کے نزدیک فضل اور رحمت سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مسعود ہے اور دوسری جگہ ارشاد ہے:

اس ضمن میں اگرچہ ہم نے ”ذکر“ کے استعمال کی حکمت کے حوالے سے اوپر بھی ایک خاص علمی نکتہ بیان کیا ہے۔ تاہم چند اور باتیں قابل ذکر ہیں مثلاً:

قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا - (یونس، ۱۰: ۵۸)

”فرمادیجئے! کہ اللہ کا وہ فضل جو ان پر ہوا اور اللہ کی وہ رحمت جو انہیں عطا کی گئی اس کے سبب وہ خوشیاں منائیں۔“

اس آیت میں مضمون اور مدعائے بیان یوں بھی مکمل تھا، اگر کہا جاتا:

قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فليفرحوا

وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَا تَبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا (النساء، ۴: ۸۳)

یہاں بھی بقول مفسرین حضور ﷺ ہی مراد ہیں بعض آیات میں فضل سے مراد رحمت دنیوی اور رحمت سے رحمت دینی مراد ہے پس تمام تفاسیر کا مجموعہ دنیوی رحمتیں اور دینی رحمتیں ہوا۔ پھر اس کی وضاحت بھی کرتے ہیں کہ ”جو نعمت اصل اور سرچشمہ ہے تمام دنیوی اور دینی نعمتوں کا وہ ہے حضور ﷺ کی تشریف آوری (ماخوذ از میلاد النبی: ۱۰۴)

وہ مزید لکھتے ہیں: اس مقام پر ہر چند کہ آیت کے سباق کے پر نظر کرنے کے اعتبار سے قرآن مجید مراد ہے لیکن اگر ایسے معنی عام لئے جائیں کہ قرآن مجید بھی اس کا ایک فرد ہے تو یہ زیادہ بہتر ہے۔ وہ یہ کہ فضل اور رحمت سے مراد حضور کا قدم مبارک لیا جائے۔ اس تفسیر کے موافق جتنی نعمتیں اور رحمتیں ہیں خواہ وہ دینی ہوں یا دنیوی اور ان میں قرآن بھی ہے۔ سب اس میں داخل ہو جائیں گی اس لئے کہ حضور کا وجود باوجود اصل ہے تمام نعمتوں کی اور مادہ ہے تمام رحمتوں اور فضل کا۔

پس یہ تفسیر اجماع التفاسیر ہو جائے گی۔ پس اس تفسیر کی بنا پر حاصل آیت کا یہ ہوگا کہ ہم کو حق تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں کہ حضور ﷺ کے وجود باوجود پر خواہ وجود نوری ہو یا ولادت ظاہری، اس پر خوش ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ حضور ﷺ ہمارے لئے تمام نعمتوں کا واسطہ ہیں۔ (دوسری عام نعمتوں کے علاوہ) افضل نعمت اور بڑی دولت ایمان ہے جس کا حضور ﷺ سے ہم کو پہنچنا بالکل ظاہر ہے۔ غرض اصل الاصول تمام مواد فضل و رحمت کی حضور ﷺ کی ذات بابرکات ہوئی۔ پس ایسی ذات بابرکات کے وجود پر جس قدر بھی خوشی اور فرحت ہو کم ہے“ (ماخوذ از مجموعہ خطبات بنام میلاد النبی ﷺ از مولانا اشرف علی تھانوی:

۱۲۰، ۱۲۱، مطبوعہ نئی دہلی - بھارت)

لیکن ”فَبِذَلِكَ“ لا کر تکرار پیدا کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ کہیں باعث مسرت کسی اور چیز کو نہ ٹھہرا لیا جائے اور دھیان کسی اور طرف نہ چلا جائے اور یہ بیان مقصود تھا کہ بس اس نعمت کبریٰ کے سبب سے جو تمہیں اس کی ولادت کے سبب سے نصیب ہوئی خوشیاں منانے کا حکم دیتے ہوئے ہم تمہیں یہ نہیں کہتے کہ تم میرا شکر صرف سجدے کر کے بجلاؤ، صرف روزوں کی صورت میں بجلاؤ، صدقات و خیرات کر کے میری نعمت کا شکر بجلاؤ، یہ سب طریقے بجا ہیں مگر یہ طریقے تو عام نعمتوں کے شکرانے کے لئے ہیں۔ اس پیکر رحمت کا تمہارے لئے رحمت بن کر آنا اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس نعمت کے توسط سے ہی تو ہم نے انسانیت کو ساری نعمتیں عطا کیں لہذا نعمتِ عظمیٰ کے ملنے کے موقع پر تم چراغاں بھی کرو، جشن بھی مناؤ، کھانے پکاؤ اور انہیں غرباء و مساکین کو بھی کھلاؤ غرضیکہ جائز طریقے سے ہر وہ خوشی کرو جو دنیا میں کسی بھی مسرت کے موقع پر کر سکتے ہو۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کی نعمت کے عطا ہونے پر ایسی عید اور جشن کا سماں دیکھنا چاہتی ہے کہ امت مسلمہ کا عمل یہ ثابت کر دے کہ وہ اپنے اس عظیم المرتبت نبی ﷺ کی ولادت کو منارہی ہے۔

نعمت کے شکرانے کا انفرادی و اجتماعی سطح پر حکم

یہاں ”فلیفرحوا“ کے الفاظ قابل غور ہیں۔ کسی اور نعمت کا شکر بجالانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس طرح کا حکم نہیں دیا حالانکہ یہاں خداوند قدوس اگر چاہتا تو ”فلیفرحوا“ کی جگہ ”فلیسجدوا“ سجدے کرو، یا ”فلیعبدوا“ عبادت کرو، یا ”فلینفقوا“ خرچ کرو، وغیرہ بھی فرما سکتا تھا لیکن صرف اور صرف ”فلیفرحوا“ فرمایا تاکہ یہ تصور پختہ تر ہو جائے کہ ان تمام طریقہ ہائے شکر سے بڑھ کر خوشی منانا افضل ترین شکر ہے۔ عام طور پر مشاہدے میں آیا ہے کہ کسی کے ہاں بیٹے پیدا ہوں، قومی آزادی حاصل ہو، فتح و نصرت کا دن آئے تو مسرت اور جشن کا سماں ہوتا ہے۔ تم یہ سب خوشیاں انفرادی اور اجتماعی طور پر مناتے ہو۔ اللہ تعالیٰ صرف یہ چاہتا ہے کہ اس نعمتِ عظمیٰ کے ملنے کا دن آئے تو وہ خوشی اتنی ہو کہ دنیا کی ساری خوشیوں پر غالب آجائے۔

اب صاف ظاہر ہے کہ خوشیاں منانے، جشن منانے، چراغاں کرنے اور کھانے پکا کر تقسیم کرنے پر مال و دولت خرچ ہوتا ہے۔ کوئی یہ کہہ سکتا تھا (جیسا کہ معترضین یہ اعتراض کرتے ہیں) کہ عید میلاد النبی ﷺ پر ان کاموں میں خرچ کرنے سے کیا فائدہ، اس سے بہتر تھا کہ یہ رقم کسی محتاج، غریب، نادار کو دے دی جاتی، کوئی مسجد بنا دی جاتی، کسی مدرسے میں جمع کر دی جاتی وغیرہ وغیرہ یعنی اس طرح کے کئی شکوک و شبہات پیدا ہو سکتے تھے یہ خرچ کرنا سب اپنی جگہ بالکل درست، صحیح اور بجا ہے مگر باری تعالیٰ نے اس خیال کو بھی رد کر دیا۔ فرمایا یہ بھی ٹھیک ہے لیکن اس موقع پر امت کی اجتماعی خوشی زیادہ اہمیت رکھتی ہے اللہ کسی کو صدقات و خیرات سے منع تو نہیں کرتا۔ ہر کوئی غرباء و مساکین اور مستحقین کی خدمت اپنی استطاعت کے مطابق کرے مگر جب خوشی کا موقع آئے تو تم یہ بہانہ بنا کر نہ بیٹھ جاؤ کہ ہم تو یہ کسی اور نیک کام میں صرف کر دیں گے۔ نہیں بلکہ فرمایا: ”فلیفرحوا“ محبوب ﷺ! انہیں چاہئے کہ وہ خوشی منائیں۔

آیت میں مذکور تاکیدات کا مقصود

اس آیت مبارکہ میں اگر غور کیا جائے تو ہمیں واضح طور پر چھ بڑی بڑی تاکیدیں نظر آتی ہیں۔ قرآن حکیم میں کسی حکم کو پہنچانے کا یہ طریقہ بہت ہی کم اختیار کیا گیا ہے۔

پہلی تاکید: قل کہہ کر بات شروع کرنا یہ بھی ایک قسم کی تاکید ہوتی ہے جس کا مطلب ہے ہمہ تن گوش ہو جاؤ۔

دوسری تاکید: بفضل اللہ۔ اللہ کے فضل کی وجہ سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کے فضل کی وجہ سے کیا؟ استفہام پیدا کرنا بھی طریقہ تاکید ہے۔ کہ ابھی اصل بات کو گویا چھپایا جا رہا ہے۔

تیسری تاکید: و برحمتہ ”اللہ کی رحمت کی وجہ سے“ یہاں پھر استفہام پیدا کر دیا کہ رحمت کی وجہ سے کیا؟ تیسری تاکید ہے۔

چوتھی تاکید: بفضل اللہ و برحمتہ کے بعد ذلک دوبارہ لایا گیا۔

پانچویں تاکید: ذلک پر فاضلہ کیا گیا ”فا“ عربی قواعد میں تاکید کیلئے ہوتا ہے۔

چھٹی تاکید: یفر حوا پر پھر فا اور ل کا اضافہ کیا گیا ”ل“ بھی تاکید پیدا کرتا ہے۔ (۱)

اتنی تاکیدوں کے بعد جو بات کہی وہ ایک لفظ ہے فلیفر حوا ”خوشیاں مناؤ“ جشن

مناؤ کیونکہ ”فبذلک“ محبوب جو آ گیا ہے۔

اگر انسانی معاملہ ہو تو اتنی تاکیدوں سے بوریات ہو جاتی ہے مگر یہاں چونکہ محبوب ﷺ کی

بات ہونے والی ہے اور کلام بھی خدا کا ہے اس لیے اس میں مزید حسن اور نکھار پیدا ہو گیا ہے۔

چھٹا تاکیدوں کے بعد مضمون کو یہاں آ کر ختم کرنا کہ (یہ خوشیاں منانا جمع کرنے سے

بہتر ہے) اس خوشی منانے کی اہمیت کو بدرجہ اتم واضح کر رہا ہے۔

اس کی مثال اس طرح دی جاسکتی ہے جس طرح کسی بچے کو اس کا باپ کہے کہ بیٹا فلاں جگہ

(۱) ان تاکیدات کے علاوہ مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نے اسی آیت کے ذیل میں خوشی منانے کے

ثبوت میں چند اور تاکیدوں کا ذکر یوں کیا ہے۔ ”بہر حال اس آیت سے عموماً یا خصوصاً یہ ثابت ہوا کہ اس

نعمت عظیمہ پر خوش ہونا چاہئے اس لئے کہ اول تو جار مجرور (بفضل اللہ) کو مقدم لائے جو کہ حصر کو مفید ہے۔

اس کے بعد رحمت پر پھر جار کا اعادہ فرمایا کہ جس سے اس میں استقلال کا حکم پیدا ہو گیا۔ پھر اس پر اکتفا نہیں

فرمایا گیا بلکہ اس کو مزید تاکید کے لئے فبذلک سے مکرر ذکر فرمایا“

مذکورہ بالا تاکیدات کے بعد آگے لکھتے ہیں:

”حاصل یہ ہوا کہ اگر کسی شے کے ساتھ خوش ہوں تو اللہ ہی کے فضل اور رحمت کے ساتھ یعنی اگر

دنیا میں کوئی شے خوشی کا ہے تو یہی نعمت ہے اور اس کے سوا کوئی شے قابل خوشی نہیں۔ اس سے بدلالہ النص یہ

بھی ثابت ہو گیا کہ یہ نعمت تمام نعمتوں سے بہتر ہے۔ پس جس نعمت پر حق تعالیٰ اس شد و مد کے ساتھ خوش

ہونے کا حکم فرمادیں وہ اس طرح خوش ہونے کے قابل نہ ہوگی۔ یہ حاصل ہوا کہ اس آیت کا معنی ہے کہ اس

پر فضل اور رحمت سے حضور ﷺ مراد لئے جائیں۔“ (ماخوذ از میلاد النبی ﷺ حوالہ مذکورہ: ۱۲۱، ۱۲۲)

نہ جایا کرو یا اسے کسی کام کے کرنے کا حکم دے کہ فلاں کام کیا کرو۔ اب سمجھدار اولاد کے لئے باپ کا اتنا کہنا کافی ہوتا ہے لیکن باپ جب اس حکم کے ساتھ یہ بھی کہے کہ ”بیٹے میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ فلاں کام کیا کرو“ اب بیٹے کے کان کھڑے ہو جائیں گے کیونکہ اب تاکید بڑھ گئی۔ وہ سوچ لے گا کہ والد مجھے جس کام کے لئے حکم دیتا ہے وہ کوئی خاص ہوگا لیکن اگر اس بچے کا والد اس سے بھی زیادہ سخت حکم دیتا ہے ”بیٹے سن لے میں تمہیں بطور خاص کہہ رہا ہوں کہ فلاں کام ضرور، ضرور کرو۔“ اب باپ کے حکم میں چارتا کیدیں ہو گئیں اور اگر ان تاکیدوں کے ساتھ باپ اسے یہ بھی کہہ دے کہ بیٹے کچھ اور کرو نہ کرو ایسا ضرور کرو ورنہ میں ناراض ہو جاؤں گا تو اب بھلا حکم عدولی کی کوئی گنجائش رہ جاتی ہے؟

ترک فعل اور خلاف ورزی تو پہلے بھی خلاف ادب تھی مگر اتنی تاکیدات کے ساتھ حکم دینے کا تو یہی مطلب بنتا ہے کہ ”بیٹے میں فقط تم سے اس حکم کی تعمیل چاہتا ہوں“ اب کوئی انتہائی بد بخت بیٹا ہی ہوگا جو اس حکم کی بجا آوری سے پہلو تہی کرے گا۔ لیکن یہ تو ایک مثال تھی باپ کا حکم کہاں اور رب ذوالجلال کا حکم کہاں؟ وہ رب تو اپنے پیارے رسول ﷺ کی زبان حقیقت ترجمان سے ہی کہلو اور ہا ہے کہ محبوب! آپ میری طرف سے لوگوں کو حکم فرمادیں کہ ان پر جو اللہ کا فضل اور رحمت اپنے کمال درجہ اتم کو پہنچ کر نبی آخر الزمان ﷺ کے وجود اقدس کی صورت میں نصیب ہوئی ہے اس کے شکرانے پر خوب خوشیاں مناؤ اور یہ بات میں تاکید سے کہہ رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی میلاد کی خوشیاں منانے کے حوالے سے صرف ایک قانون برقرار رکھا ”عبدہ و رسوله“ یعنی حضور ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اس تصور کے ساتھ شرعی حدود کے اندر رہ کر جتنی خوشیاں منائی جائیں جائز ہے، کوئی حد نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے خوشیاں منانے کی کوئی حد مقرر نہیں کی تو کوئی انسان کیسے کر سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ یہ بھی فرما رہا ہے کہ اگر میری منشاء و حکم کے مطابق خوشی مناؤ گے تو مجھے میری عزت کی قسم تم جو شے بھی توشہ آخرت کے طور پر تیار کر رہے ہو اس سے تمہارا یہ خوشی منانا بہر حال میرے نزدیک زیادہ باعث اجر و ثواب ہوگا بلکہ فرمایا:

هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ۔ (یونس، ۱۰: ۵۸)

”(خوشی منانا) بہتر ہے اس چیز سے جو وہ جمع کر کے رکھتے ہیں“

یہ بات واضح فرمادی کہ اگر تم نے میرے اس فضل اور رحمت کی آمد پر خوشی نہ کی تو بے شک تم عبادت و ریاضت کے ڈھیر لگاؤ مجھے اس سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔ مجھے تو اپنے محبوب ﷺ کی آمد پر تمہارا خوش ہونا ان عبادتوں سے زیادہ اچھا لگتا ہے۔ بے شک ان عبادات کا حکم بھی میں نے ہی دیا ہے مگر اس نعمت کے شکرانے پر تم عبادات کے علاوہ خوشی بھی مناؤ۔

هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ کی تفسیر

آیت کا عمومی مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر خوشی منانا جمع کر کے رکھنے سے بہتر ہے۔ اب جمع کیا چیز ہو سکتی ہے؟ دو ہی چیزیں جمع کی جاسکتی ہیں۔

۱۔ دنیا کے حوالے سے جمع کرنا چاہیں تو مال و اسباب اور دولت وغیرہ جمع کی جاسکتی ہے

۲۔ اور اگر آخرت کے حوالے سے جمع کرنا ہو تو اعمال صالحہ مثلاً نماز، روزہ، حج، صدقات و خیرات وغیرہ ہو سکتے ہیں۔ مگر قرآن نے یہاں نہ مال و دولت کی تخصیص کی ہے اور نہ ہی اعمال صالحہ اور تقویٰ وغیرہ کی نشاندہی کی ہے بلکہ اس آیت مبارکہ میں ”ما“ کلمہ عام ہے جو کہ دنیا و آخرت دونوں کو حاوی ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو گویا اس آیت سے مراد یہ ہے کہ:

لوگو! تم اگر دنیا کے مال و دولت جمع کرتے ہو، جائیدادیں، کارخانے اور فیکٹریاں بناتے ہو یا سونے چاندی کے ڈھیروں کا ذخیرہ کرتے ہو غرض کہ انواع و اقسام کی دولت خواہ نقد میں ہو یا کسی جنس میں، میرے محبوب ﷺ کی آمد اور ولادت پر خوشی منانا تمہارے اس قدر مال و دولت جمع کرنے سے بہر حال بہتر ہے۔ اور آخرت کے حوالے سے عمل صالح، سجدوں، رکعتوں، قیام و قعود کا ذخیرہ کر لو، نفل عبادتوں کو جمع کر لو، فرائض کی بجا آوری سے اجر و ثواب کا ذخیرہ کر لو، غرضیکہ نیکی کے تصور سے جو چاہو کرتے پھر لیکن اس نعمت پر شکرانے کے لئے جشن منانا اور اس پر اپنا مال و دولت خرچ کرنا، یہ تمہارے سارے دنیوی اور دینی اعمال کے ذخیرے سے زیادہ پیش

بہا، زیادہ بہتر ہے۔

اس لئے کہ اگر تم نے اس نعمت عظمیٰ کی آمد پر خوشی نہ کی تو تم نے اعمال صالحہ کی بھی قدر نہ کی چونکہ سب اعمال تو تمہیں اسی کے سبب سے نصیب ہوئے قرآن اسی کے سبب سے ملا، نماز، روزہ، حج وغیرہ اسی کے توسط سے عطا کئے گئے، ایمان و اسلام بھی اسی کے ذریعے سے ملے، دنیا و آخرت کی ہر نیکی اور عزت و مرتبہ بھی اسی کے سبب سے ملا اور حق تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ عطا کرنے والا رب العزت تمہیں اسی کے سبب سے ملا پس اس ہستی کے عطا کئے جانے پر شکر بجالانے اور خوشیاں منانے کا عمل سب سے بڑھ کر ہونا چاہئے۔

ولادتِ محمدی ﷺ پر اظہارِ مسرت و افتخار

(احادیث و آثار سے استدلال)

گزشتہ صفحات میں ہم نے میلاد النبی ﷺ پر نعمتوں کا شکر بجالانے کے حکم خداوندی کے تناظر میں نیز میلاد النبی ﷺ کے قرآنی حکم و جواب ”فَلْيَفْرَحُوا“ کی روشنی میں تفصیلی گفتگو کی ہے جس میں ہم نے نص قرآن من حیث المجموع بحمد اللہ یہ ثابت کیا کہ میلاد النبی ﷺ کے موقع پر خوشیاں منا کر اللہ کی اس نعمت کبریٰ کا شکر بجالانا حضور نبی اکرم ﷺ کے نام لیوا ہر مسلمان کے لئے واجب ہے۔

اب یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ ہمیں ثقہ روایات کی روشنی میں سنت الہیہ سے بھی اس امر کی تصدیق ملتی ہے یا نہیں؟ کیونکہ یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو اپنی نعمت قرار دے کر ان کی آمد پر خوشی اور جشن منانے کا حکم تو دیا لیکن کیا اس نعمت کی آمد پر خود بھی جشن منایا اور خوشی کا کوئی اظہار فرمایا؟ یہ واقعی اتنی بڑی بات تھی تو خود اللہ رب العزت نے بھی اس کی ولادت پر جشن منایا ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت اور اس نعمت عظمیٰ کے حصول پر نہ صرف ہمیں جشن منانے کا حکم دیا ہے بلکہ اپنے عمل اور سنت مبارکہ سے جشن منا کر دکھایا بھی ہے۔

ظہورِ قدسی پر غیر معمولی خوشی کا الوہی اہتمام

تمام کتب فضائل و سیر میں ہمیں اس قسم کی روایات اکثر ملتی ہیں جن میں حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت کے تفصیلی حالات کے ساتھ اس چیز کو بھی واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی ولادت پر خوشی منائی۔

بہار میں جانِ بہار کی آمد

اللہ رب العزت کی قدرت کاملہ کے اس اہتمام و انصرام پر قربان جائیں کہ اس نے اپنے محبوب ﷺ کی آمد کے لئے جو موسم منتخب فرمایا وہ بھی بہار کا تھا۔ یہ عجیب حسن اتفاق تھا کہ وہ ربیع الاول جس کو آپ ﷺ کی ولادت کا شرف حاصل ہوا بہار کے جو بن کا حسن اور اس کی تمام تر عنائیاں اور دلفریبیاں اپنے اندر سموائے ہوئے تھا، حالانکہ عام طور پر ربیع الاول ہر قمری مہینے کی طرح سال کے مختلف موسموں میں بدل بدل کر آتا ہے۔

حضرت سعید بن مسیب کا یہ قول بھی اس کی تائید کرتا ہے:

و کان ذلک فی فصل الربیع۔ (۱۰)

”یعنی حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت موسم بہار میں ہوئی۔“

چنانچہ کسی عربی شاعر نے بڑے خوبصورت انداز میں اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے:

فوجهی والزمان و شہر و ضعی

ربیع فی ربیع فی ربیع۔ (۱۱)

عربی میں ربیع بہار کے موسم کو کہتے ہیں فطرت کا یہ کتنا حسین امتزاج تھا کہ جہاں آب و گل میں جب آپ ﷺ کی تشریف آوری ہوئی خزاں اپنی بساط لپیٹ کر رخصت ہو چکی تھی۔ مشاطہ بہار عروسِ چمن کو آراستہ و پیراستہ کرنے میں محو تھی اور بے رنگ خاکہ دہر میں قدرت کی رنگینیاں بھری جا رہی تھیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی آمد پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ نے ساری زمین کو سرسبز کر دیا اور روئے زمین کے خشک اور گلے سرے درختوں کو بھی پھلوں پھولوں سے لاد دیا، ہر سمت رحمتوں اور برکتوں کی بھرمار کر دی اور قحط زدہ علاقوں میں رزق کی اتنی کشادگی فرمادی کہ وہ سال خوشی اور فرحت والا سال کہلایا۔

اس بارے میں درج ذیل روایت ہے:

و كانت تلك السنة التي حمل فيها برسول الله ﷺ يقال لها سنة الفتح والابتهاج فان قريشا كانت قبل ذلك في جدب و ضيق عظيم فاخضرت الأرض و حملت الأشجار و أتاهم الرغد من كل جانب في تلك السنة۔ (۱۲)

”جس سال نور محمدی ﷺ سیدہ آمنہ (رضی اللہ عنہا) کو ودیعت ہو اوہ فتح و نصرت، ترو تازگی اور خوشحالی کا سال کہلایا۔ اہل قریش اس سے قبل معاشی بد حالی، عسرت اور قحط سالی میں مبتلا تھے۔ ولادت کی برکت سے اس سال اللہ تعالیٰ نے بے آب و گیاہ زمین کو شادابی اور ہریالی عطا فرمائی اور (سوکھے) درختوں کی پڑمردہ شاخوں کو ہرا بھرا کر کے انہیں پھلوں سے لاد دیا۔ اہل قریش اس طرح ہر طرف سے کثیر خیر آنے سے خوشحال ہو گئے۔“

آسمانوں اور جنتوں کے دروازے کھول دیے گئے

ایک روایت میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی ولادت باسعادت کے وقت فرشتوں سے فرمایا کہ تمام آسمانوں اور جنتوں کے دروازے کھول دیں، متعدد کتب سیر میں اس روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

و عن عمرو بن قتيبة قال سمعت أبي و كان من اوعية العلم قال لما حضرت ولادة آمنة قال الله للملائكة افتحوا ابواب السماء كلها و

ابوب الجنان والبست الشمس يومئذ نوراً عظيماً۔ (۱۳)

”عمرو بن قتیبة سے مروی ہے کہ میں نے اپنے والد سے سنا جو متجر عالم تھے کہ جب حضرت آمنہ (رضی اللہ عنہا) کے ہاں ولادت باسعادت کا وقت قریب آیا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ تمام آسمانوں اور جنتوں کے دروازے کھول دو اور اس روز سورج کو عظیم نور پہنایا گیا۔

پورا سال خواتین کو لڑکے عطا ہوئے

ایک اور نہایت اہم بات جو آپ ﷺ کے میلاد پر وقوع پذیر ہوئی وہ یہ کہ رب کائنات نے بھی اپنے محبوب ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری کی خوشی میں پورا سال لڑکیوں کی پیدائش کو موقوف کر کے اور دنیا کو لڑکے عطا کر کے جشن میلادِ مصطفیٰ ﷺ منایا۔ قبائل عرب لڑکیوں کی پیدائش کو منحوس خیال کرتے تھے۔ خود ساختہ غیرت کی آڑ میں لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے۔ اللہ کے محبوب ﷺ کی آمد یقیناً کائنات کا ایک غیر معمولی واقعہ تھا کہ اس سال کسی کے گھر لڑکی پیدا نہ ہوئی۔ اللہ رب العزت نے لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کی رسم بد سے عام میلادِ مصطفیٰ ﷺ کو خالی رکھا اور ولادتِ مصطفیٰ ﷺ کے طفیل عرب اس فبیح رسم سے رکے رہے۔ عموماً لڑکوں کی پیدائش پر زیادہ مسرت اور شادمانی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ لڑکوں کی پیدائش سے ماں باپ کو فطری اور قلبی راحت بھی ملتی ہے کہ لڑکے بڑے ہو کر ان کے بڑھاپے کا سہارا بنیں گے۔ پس اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ کے نعلین پاک کے صدقے دنیا بھر کو لڑکے عطا کئے تاکہ ہر آنکھ میں لمحاتِ مسرت اتر آئیں اور کسی کے چہرے پر حزن و ملال کا ہلکا سا بھی سایہ نہ پڑنے پائے:

و أذن الله تلك السنة لنساء الدنيا أن يحملن ذكوراً كرامةً

لرسول الله ﷺ۔ (۱۴)

”اور اللہ تعالیٰ نے اس سال یہ اذن جاری فرمایا کہ حضور ﷺ کی تکریم میں تمام دنیا

کی عورتیں لڑکوں کو جنم دیں۔“

ظہور قدسی کے وقت اللہ نے جشن منایا

ولادت مصطفوی ﷺ کا پورا سال اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتوں کا نزول جاری رہا جب ظہور قدسی کی وہ سعید ساعتیں جن کا ان گنت صدیوں سے انتظار تھا، گردش ماہ و سال کی کروٹیں لیتے لیتے اس لمحہ منتظر میں سمٹ آئیں جس میں خالق کائنات کے بہترین شاہکار کو منصفہ عالم پر اپنی ضیا پاشیوں سے جلوہ گر ہونا تھا تو مشاطہ فطرت نے ایسی ایسی آرائشوں اور زیبائشوں کا اہتمام کیا جس کی نظیر ازل سے ابد تک نہ کبھی تھی اور نہ کبھی حیطہ خیال میں آ سکتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو کوئی مبالغہ نہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی دنیا میں آمد کے موقع پر کائنات پست و بالا میں اتنا چراغاں کیا کہ شرق تا غرب ہر چیز بقعہ نور بن گئی۔ حضرت آمنہ (علیہا السلام) جن کی آغوش مبارک کو اس نور پاک کی پہلی جلوہ گاہ بنا تھا انہیں نبی آخر الزماں شہنشاہ دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی والدہ ماجدہ ہونے کا عدیم النظر شرف حاصل ہوا۔ وہ اپنے اس عظیم الشان لخت جگر کے واقعات ولادت بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

فلما فصل منی خرج معه نور أضاء له ما بين المشرق الى

المغرب۔ (۱۵)

”جب سرور کائنات ﷺ کا ظہور ہوا تو ساتھ ہی ایسا نور نکلا جس سے شرق تا غرب سب آفاق روشن ہو گئے۔“

آپ ہی سے ایک اور روایت یوں مروی ہے:

انه خرج منی نور أضاء قصور بصری من ارض الشام و فی رواية

اضاءت له قصور الشام و أسواقها حتی رأیت أعناق الإبل ببصری۔ (۱۶)

”پیشک مجھ سے ایسا نور نکلا جس کی ضیا پاشیوں سے سرزمین شام میں بصری کے

محللات میری نظروں کے سامنے روشن اور واضح ہو گئے۔ اسی قسم کی ایک دوسری روایت کے الفاظ

یہ ہیں کہ اس نور سے ملک شام کے محللات اور وہاں کے بازار اس قدر واضح نظر آنے لگے کہ میں

نے بصری میں چلنے والے اونٹوں کی گردنوں کو بھی دیکھ لیا۔“

اسی نور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ ﷺ کے محترم چچا حضرت سیدنا عباس اپنے ایک نعتیہ قصیدے میں جو انہوں نے آنحضور ﷺ سے اجازت لے کر غزوہ تبوک سے لوٹتے ہوئے سنایا، فرماتے ہیں:

و انت لما ولدت أشرق الأرض
و ضاءت بنور ك الأفق
فنحن في ذالك الضياء و في النور
و سبل الرشاد نخرق (۱۷)

”جب آپ ﷺ پیدا ہوئے تو زمین چمک اٹھی اور آفاق روشن ہو گئے پس ہم اسی

نور و ضیاء میں رشد و ہدایت کی راہوں کی طرف گامزن ہیں۔“

اس پر بحث کرتے ہوئے کتب سیر میں یہ صراحت بھی کی گئی ہے کہ حضرت آمنہ رضی

اللہ عنہا نے ملک شام اور دیگر عجائبات حالت بیداری میں ملاحظہ فرمائے نہ کہ خواب میں مثلاً

و هذا ظاهر في أنها رأت ذلك النور يقظة۔ (۱۸)

”اور یہ ظاہر ہے کہ آپ نے یہ نور حالت بیداری میں دیکھا“

اس ضمن میں کتب تاریخ و سیر میں ایک روایت بھی ملتی ہے کہ ایک دفعہ حضور ﷺ کے گرد

صحابہ اس طرح جھرمٹ بنائے بیٹھے تھے جیسے چاند کے گرد نور کا ہالہ ہوتا ہے۔ انہوں نے عرض کیا یا

رسول اللہ ﷺ اپنی ولادت کے بارے میں کچھ ارشاد فرمائیے تو آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا:

أنا دعوة أبي إبراهيم و بشرى عيسى و رأت أمي أنه خرج منها

نور أضاءت له قصور الشام۔ (۱۹)

”میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا اور عیسیٰ کی بشارت ہوں، میری والدہ ماجدہ نے میری

پیدائش کے وقت دیکھا کہ ان سے ایک ایسا نور نکلا جس سے محلات شام روشن ہو گئے۔“

بزم کون و مکاں کی آرائش و زیبائش

یہ احادیث جو وقت ولادت کے متعلق ہیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مشرق و مغرب میں چراغاں کر دیا یہ بھی مشہور روایت ہے کہ وہ رات جب نور محمدی ﷺ بطور امانت حضرت سیدہ آمنہ کے لطن مبارک میں منتقل ہوا جمعۃ المبارک کی رات تھی۔ اس رات اللہ جل مجدہ نے رضوان جنت کو جنت کے سارے دروازے کھول دینے کا حکم دیا اور ایک منادی کو یہ ندا دینے پر مامور فرمایا کہ وہ سعید ساعت قریب آگئی ہے جس میں بشر و نذیر ہادی کائنات اور نبی آخر الزماں ﷺ کا ظہور ہونے والا ہے۔ اس کے بعد عالم ملکوت و جبروت میں یہ ندا کی گئی کہ مقامات مقدسہ و مشرفہ کو معطر اور نہایت خوشبودار بنایا جائے اور مقربین ملائکہ جو اہل صدق و صفا ہیں وہ مقامات مقدسہ میں عبادت کے مصلے بچھائیں اس لئے کہ آج وہ نور جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ تک اصلاب طاہرہ میں مستور و مخفی چلا آتا تھا، سیدہ آمنہ کے مبارک لطن میں منتقل ہوا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انتقال نور کی اس رات کوئی ایسی جگہ اور مکان نہ تھا جو نور سے منور نہ ہوا اور قریش کے تمام چوپائے گویا ہو گئے تھے اور آپس میں اس ظہور قدسی کے متعلق باتیں کرتے تھے اور بشارتیں دیتے تھے۔ (۲۰)

ستارے قمقمے بنے اور پرچم لہرائے گئے

ہم جب جشن مناتے ہیں تو اپنی بساط کے مطابق قمقمے روشن کرتے، اپنے گھروں، محلوں اور بازاروں کو چراغوں سے مزین و منور کرتے ہیں لیکن وہ خالق کائنات جس کی بساط میں شرق و غرب ہے اس کی مشیت نے چاہا کہ محبوب ﷺ کے میلاد پر چراغاں کیا جائے تو نہ صرف شرق و غرب تک کی کائنات کو منور کر دیا بلکہ آسمانی کائنات کو بھی اس خوشی میں شامل کرتے ہوئے ستاروں کو قمقمے بنا کر زمین کے قریب کر دیا۔

حضرت عثمان بن ابی العاص کی والدہ فاطمہ بنت عبداللہ ثقفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

أنها شهدت ولادة امنة بنت وهب أم رسول الله ﷺ و كان ذلك ليل ولدته قالت: فما شئ أنظر اليه من البيت إلا نور و إنى لأنظر الى النجوم تدنو حتى إنى لأقول لتقعن علي- (۲۱)

”جس رات آپ ﷺ کی ولادت ہوئی میں حضور نبی اکرم ﷺ کی والدہ کے پاس تھی میں نے دیکھا کہ خانہ کعبہ نور سے منور ہو گیا ہے اور ستارے زمین کے اتنے قریب آ گئے کہ مجھے کہنا پڑا کہ کہیں وہ مجھ پر گرنے پڑیں۔“

نوٹ: بعض روایات میں وقع کی جگہ وضع بھی مذکور ہے۔

روشنیوں، قنموں اور چراغوں کے علاوہ میلاد النبی ﷺ کے جشن میں جھنڈیاں بھی لگائی جاتی ہیں جن کے اثبات میں تاریخ و سیر کی جملہ معروف کتب میں ہمیں حضرت سیدہ آمنہ سے منقول روایت اس کی شہادت فراہم کرتی ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کے حکم سے جشن میلاد میں جھنڈے بھی لہرائے گئے۔ آپ فرماتی ہیں:

فكشف الله عن بصرى فرأيت مشارق الارض و مغاربها و رأيت ثلاثة اعلام مضروبات علما بالمشرق و علما بالمغرب و علما على ظهر الكعبة- (۲۲)

”پھر اللہ تعالیٰ نے میری آنکھوں سے حجاب اٹھا دیئے تو مشرق تا مغرب تمام روئے زمین میرے سامنے کر دی گئی جس کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا نیز میں نے تین جھنڈے دیکھے ایک مشرق میں گاڑا گیا تھا دوسرا مغرب میں اور تیسرا پرچم کعبۃ اللہ کی چھت پر لہرا رہا تھا۔“

شہد سے بیٹھا فرحت بخش مشروب

اللہ جل مجدہ نے اپنے محبوب ﷺ کی ولادت کی خوشی میں یہاں تک اپنے کرم و انعام فرمائے کہ حضرت آمنہ دیگر تفصیلات کے ساتھ یہ بھی صراحت سے بیان فرماتی ہیں کہ ولادت کے وقت مجھے ایک ایسا مشروب دیا گیا جسے پی کر میں نے بے انتہا فرحت محسوس کی وہ شربت شہد سے بھی بیٹھا اور فرحت بخش تھا۔

حوران بہشت نے استقبال کیا

ظہور قدسی کے وقت حوروں نے حضرت آسیہ اور حضرت مریم علیہما السلام کی قیادت میں آپ ﷺ کا استقبال کیا۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا سے مروی اس حدیث میں مندرجہ بالا عجائبات کا تذکرہ ملتا ہے:

قالت ثم اخذني ما ياخذ النساء و لم يعلم بي أحد لا ذكر ولا أنثى و إني لو حيدة في المنزل و عبد المطلب في طوافه. فسمعت و جبة عظيمة و أمراً عظيماً هالينى ثم رایت كأن جناح طيراً أبيض قد مسح على فوادی فذهب عنى الرعب و كل و جمع أجدة ثم التفت فإذا انا بشربة بيضاء فتناولتها فإذا هي احلى من العسل فاصابني نور عال ثم رأيت نسوة كالنخل طوالاً كأنهن من بنات عبد مناف يحدثن بي فبينما أنا اتعجب و أنا اقول و اغوثاه من اين علمن بي فقلن لى "نحن آسية امرأة فرعون و مریم ابنة عمران و هولاء من الحور العين"۔ (۲۳)

”آپ فرماتی ہیں مجھے عورتوں کی طرح جب دردزہ شروع ہوا تو میں نے ایک بلند آواز سنی جس نے مجھ پر خوف طاری کر دیا پھر میں نے دیکھا کہ ایک سفید پرندے کا پر میرے دل کو مس کر رہا ہے جس سے میرا تمام خوف اور درد جاتا رہا پھر میں متوجہ ہوئی تو میں نے اچانک اپنے سامنے ایک سفید شربت پایا جسے میں نے پی لیا وہ شہد سے بھی میٹھا تھا پھر ایک بلند نور کے ہالے نے مجھے گھیر لیا میں نے دیکھا کہ حسین و جمیل عورتیں جو قد کاٹھ اور چہرے مہرے میں عبد مناف کی بیٹیوں سے مشابہ تھیں انہوں نے مجھے اپنے حصار میں لے لیا۔ میں حیران ہوئی کہ وہ کہاں سے آگئیں اور انہیں اس (ولادت) کی خبر کس نے دی تو انہوں نے کہا کہ آسیہ زوجہ فرعون اور مریم بنت عمران ہیں اور یہ ہمارے ساتھ جنت کی حوریں ہیں۔“

پرنندوں نے استقبال کرتے ہوئے خوشی منائی

ولادت مصطفوی ﷺ کے وقت نہ صرف جنت کی حوریں اور فرشتے آپ ﷺ کے استقبال اور خوشیاں منانے کے لئے آپ ﷺ کی جائے ولادت پر آئے بلکہ اللہ تعالیٰ کی دوسری مخلوق حیوانات اور چرند پرند بھی حکم ربی سے رحمۃ للعالمین ﷺ کے استقبال کے لئے اٹھ آئے اور وہ اس لئے خوشی منا رہے تھے کہ آج وہ ہستی بزم کائنات کو سعادتوں سے نواز رہی تھی جسے خود اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین کہا چونکہ عالمین میں کائنات ہست و بود کی ہر ذی روح اور غیر ذی روح شجر و حجر غرضیکہ جملہ خشک و تر مخلوق شامل ہے لہذا بلا مبالغہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت خدا کی جملہ مخلوق جس میں انسانوں، فرشتوں، جنوں، چرندوں اور پرندوں کے علاوہ غیر ذی روح مخلوق بھی شامل ہے سب نے اظہار مسرت و انبساط کیا۔

چنانچہ مندرجہ بالا روایت ہی کے بقیہ الفاظ اس طرح اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ حضرت سیدہ آمنہ ولادت کے واقعات بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

فینما انا کذالک اذا بدیبا ج ابيض قد مد بین السماء والارض
و اذا قائل یقول خذاه عن اعین الناس قالت و رأیت رجالا قد وقفوا فی
الہواء بأیدیہم أباریق من فضة ثم نظرت فاذا انا بقطعة من الطیر قد أقبلت
حتى غطت حجرتی مناقیرھا من الزمرد و اجنحتھا من الیاقوت۔ (۲۴)

”اسی دوران میں نے سفید ریشم کا ایک ٹکڑا دیکھا جو زمین و آسمان کے درمیان پھیلا دیا گیا اس وقت ایک کہنے والا کہہ رہا تھا انہیں پکڑ کر لوگوں کی آنکھوں سے دور لے جاؤ آپ فرماتی ہیں میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ہوا میں (تعظیماً) کھڑے ہیں اور ان کے ہاتھوں میں چاندی کی صراحیاں ہیں پھر میں نے پرندوں کے جھنڈ دیکھے جنہوں نے آ کر میرے حجرہ (مبارک) کو ڈھانپ لیا ان کی چونچیں زمرد کی اور پریاقوت کے تھے۔“

ان تفصیلات کو متعدد دائمہ تفسیر و حدیث کے علاوہ علامہ ابن ہشام نے سیرت ابن ہشام

میں، ابن کثیر نے سیرت ابن کثیر میں، امام قسطلانی نے المواہب اللدنیہ میں، امام محمد بن عبد الباقی زرقانی نے شرح المواہب میں، امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصفہانی نے دلائل النبوة میں، علامہ یوسف نبہانی نے انوار محمدیہ اور شواہد الحق میں، علامہ محمد برہان الدین حلبی نے سیرت حلبیہ میں، علامہ عبدالرحمن سہیلی نے روضة الاف میں، شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوة میں، مولانا اشرف علی تھانوی نے نشر الطیب اور خطبات میلاد النبی ﷺ میں اور شیخ محمد رضا مصری نے محمد رسول اللہ ﷺ میں بیان کیا ہے۔ علاوہ ازیں بہت سے متقدمین و متاخرین صوفیاء و اصحاب سیر و تاریخ نے بھی اپنی مختلف کتب میں تفصیلاً ذکر کیا ہے جن کا ذکر یہاں باعث طوالت سمجھتے ہوئے نہیں کیا گیا تاہم تفصیلات کے لئے درج بالا کتب کا ذکر کر دیا گیا ہے۔

عید میلاد منانا سنت مصطفیٰ ﷺ بھی ہے

اس سے پہلے قرآن حکیم کی آیات اور بعد ازاں احادیث و اقوال صحابہ کی روشنی میں جشن میلاد کو سنت الہیہ کے طور پر منانے کے حوالے سے تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا خود حضور نبی اکرم ﷺ کے عمل مبارک سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے؟ امام جلال الدین سیوطی نے الحاوی للفتاویٰ میں اس موضوع سے متعلق ایک مکمل باب ”حسن المقصد فی عمل المولد“ کے نام سے رقم کیا ہے جس میں انہوں نے اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے خود بھی اپنا میلاد منایا اس لحاظ سے یہ سنت رسول ﷺ بھی ہے۔

۱۔ حدیث یوم عاشورہ سے جشن میلاد پر استدلال

حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کا فضل، رحمت اور احسان ہیں۔ امت مسلمہ پر واجب ہے کہ وہ اس نعمت عظمیٰ پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کسی عطا پر اس کا شکر بجالانا سنت انبیاء ہے جیسا کہ احادیث صوم عاشوراء سے واضح ہے۔ یوم میلاد النبی ﷺ کو عید مسرت کے طور پر

منانا شکر بجالانے کا ایک طریقہ ہے۔ ذیل میں احادیث یوم عاشورہ سے جشن میلاد مصطفیٰ ﷺ پر استدلال پیش کیا جاتا ہے۔

یوم عاشورہ وہ دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فتح عطا کی اور فرعون کو اس کے لشکر سمیت غرق نیل کر دیا۔ یوں آپ ﷺ کی قوم کو فرعون کے جبر و استبداد سے نجات ملی۔ چنانچہ یہ دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فتح کا دن بھی تھا اور قوم بنی اسرائیل کی آزادی کا دن بھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے ہوئے اس دن روزہ رکھا۔ حضور ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے یہود مدینہ کو دیکھا کہ وہ یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں آپ ﷺ نے روزہ رکھنے کی وجہ دریافت فرمائی تو انہوں نے مذکورہ بالا وجہ بیان کی۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا (ایک نبی ہونے کی حیثیت سے) میرا موسیٰ علیہ السلام پر زیادہ حق ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہونے والی نعمت خداوندی پر اظہار تشکر کے طور پر خود بھی روزہ رکھا اور تمام اہل اسلام کو روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔ یوم عاشورہ کے روزہ کے حوالے سے چند روایات درج ذیل ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

قدم النبی ﷺ المدينة فرأى اليهود تصوم يوم عاشوراء فقال ما هذا قالوا هذا يوم صالح هذا يوم نجى الله بنى اسرائيل من عدوهم فصامه موسى قال فانا أحق بموسى منكم فصامه و أمر بصيامه۔ (۲۵)

”حضور ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے یہود کو یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ تو یہود نے جواب دیا کہ یہ وہ مبارک دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن (فرعون) سے نجات دلانی پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دن روزہ رکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پس تم سے زیادہ موسیٰ علیہ السلام کا حقدار میں ہوں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس دن روزہ رکھا اور مسلمانوں کو روزہ رکھنے کا حکم ارشاد فرمایا۔“

۲۔ یوم نوح علیہ السلام کی یاد منانے سے استدلال

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہود سے یوم عاشورہ کا روزہ رکھنے کے بارے دریافت کیا تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے نجات اور فرعون غرق ہونے کا بیان کر کے کہا:

وهذا يوم استوت فيه السفينة على الجودي فصامه نوح و موسى
شكر الله تعالى فقال النبي صلی اللہ علیہ وسلم أنا أحق بموسى و وأحق بصوم هذا اليوم
فأمر أصحابه بالصوم۔ (۲۶)

”اور اس دن جو دی پہاڑ پر کشتی ٹھہری تو نوح اور موسیٰ علیہما السلام نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے روزہ رکھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں موسیٰ کا زیادہ حقدار ہوں اور میں اس دن روزہ رکھنے کا زیادہ حقدار ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو روزہ رکھنے کا حکم دیا۔
یوم نوح منایا جاسکتا ہے تو یوم میلاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں نہیں؟

۳۔ غلاف کعبہ کا دن عید کے طور پر منائے جانے سے استدلال

دور جاہلیت میں قریش یوم عاشوراء کا روزہ رکھتے اور اس دن کو عید کے طور پر مناتے تھے۔ ہجرت سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس دن روزہ رکھا۔ وہ اس دن کو اس وجہ سے مناتے تھے کہ اس دن کعبۃ اللہ کو پہلی مرتبہ غلاف دیا گیا۔ بنا بریں اس دن کا احترام اور تعظیم کی جاتی۔
۱۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كان يوم عاشوراء تصومه قريش في الجاهلية و كان رسول
الله صلی اللہ علیہ وسلم يصومه. (۲۷)

”زمانہ جاہلیت میں قریش اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے“

۴۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم میلاد پر روزہ رکھ کر خود خوشی کا اظہار کیا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے یوم میلاد پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانے

کی کی تلقین فرمائی اور ترغیب دی۔

عن أبي قتادة الانصاري رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ سئل عن صوم يوم

الإثنين قال ذاك يوم ولدت فيه و يوم بعثت أو أنزل علي فيه۔ (۲۸)

”حضرت ابو قتادہ رضي الله عنه سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پیر کے دن روزہ رکھنے

کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اسی روز میری ولادت ہوئی، اسی روز میری

بعثت ہوئی اور اسی روز میرے اوپر قرآن نازل کیا گیا۔“

ثابت ہوا کہ یوم میلاد پر اظہار مسرت کرنا سنت مصطفیٰ ﷺ ہے۔

۵۔ حضور ﷺ نے اپنے میلاد کی خوشی میں بکرے ذبح کیے

حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے ہوئے ولادت کی خوشی میں بکرے ذبح کئے

اور ضیافت کا اہتمام فرمایا:

۱۔ عن انس ان النبي ﷺ عق عن نفسه بعد ما بعث نبيا۔ (۲۹)

”حضور نبی اکرم ﷺ نے بعد از بعثت اپنا عقیقہ کیا۔“

۲۔ عن أنس ان النبي ﷺ عق عن نفسه بعد النبوة۔ (۳۰)

”حضور نبی اکرم ﷺ نے اعلان نبوت کے بعد اپنا عقیقہ کیا۔“

امام سیوطی اس پر مزید تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

أن جده عبدالمطلب عق عنه في سابع ولادته و العقيقة لا تعاد

مرة ثانية، فيحمل ذلك على أن الذي فعله النبي ﷺ اظهاراً للشكر على

ايجاد الله تعالى اياه رحمة للعالمين و تشریفاً لأمته كما كان يصلي على

نفسه لذلك فيستحب لنا أيضاً اظهار الشكر بمولده باجتماع الاخوان و

اطعام الطعام و نحو ذلك من وجوه القربات و اظهار المسرات۔ (۳۱)

”حضور نبی اکرم ﷺ کے دادا عبدالمطلب نے آپ ﷺ کی پیدائش کے ساتویں روز رسول اللہ ﷺ کا عقیقہ کیا۔ امام سیوطی فرماتے ہیں کہ عقیقہ دو بار نہیں کیا جاتا اور احتمال یہی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی ولادت کی خوشی کے اظہار کے لئے عقیقہ خود کیا۔ اپنے رحمۃ للعالمین ہونے اور امت کے مشرف ہونے کی وجہ سے۔ اور اسی طرح ہمارے اوپر مستحب ہے کہ ہم بھی حضور نبی اکرم ﷺ کے یوم ولادت پر خوشی کا اظہار کریں اور کھانا کھلائیں اور دیگر عبادات کریں اور خوشی کا اظہار کریں۔“

۶۔ میلاد النبی ﷺ پر خوشی منانے پر کافر کے عذاب میں تخفیف

مندرجہ بالا دلائل سے یہ واضح ہوا کہ جشن میلاد منانا اللہ تعالیٰ کی، حضور نبی اکرم ﷺ کی اور صحابہ کی سنت ہے اس لئے بزرگان دین نے کثیر تعداد میں اس کے فضائل و برکات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ تمام کتب فضائل و سیر اور تاریخ میں اس ضمن میں ایک مشہور واقعہ درج ہے جو صحیح بخاری کتاب النکاح میں نقل کیا گیا ہے۔

اس حدیث کو زیر بحث لانے سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ قرآن و حدیث کا یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ کافر لوگوں کے سب نیک اعمال ہوا میں منتشر ہو جاتے ہیں انہیں آخرت میں کسی نیک کام کی جزا نہیں ملتی بلکہ ان کے نیک اعمال کا بدلہ دنیا میں ہی چکا دیا جاتا ہے۔ آخرت میں نیک کاموں پر جزا کے مستحق صرف مسلمان ہیں کیونکہ عند اللہ اعمال کے اجر کا باعث ایمان ہے۔ یہ شریعت اسلامیہ کا ایک مسلمہ اصول ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اب ذرا صحیح بخاری کی اس حدیث کی طرف آئیے جس میں حضور نبی اکرم ﷺ کے ایک کافر چچا ابولہب کا ذکر ہے کہ اسے بھی اللہ تعالیٰ نے میلاد النبی ﷺ کی خوشی میں اجر سے محروم نہیں رکھا حالانکہ یہ ابولہب ایسا بد بخت تھا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اس کی مذمت میں پوری سورت لہب نازل فرمائی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ۝ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ ۝

سَيَصْلَىٰ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝ (۳۲)

”ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ خود بھی ہلاک ہو گیا اس کا مال اس کے کچھ کام نہ آیا اور نہ ہی اس کی کمائی اسے عنقریب شعلہ زن آگ میں دھنسا دیا جائے گا۔“

کون نہیں جانتا کہ اس نے حضور نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام کو کیا کیا اذیتیں نہیں دیں۔ واقعات ولادت کے ذیل میں احادیث میں آتا ہے کہ اس کی ایک لونڈی جس کا نام ثویبہ تھا، وقت ولادت اسے حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے گھر بھیجا کہ جاؤ میرے بھائی عبداللہ کے گھر ولادت ہونے والی ہے میری بھانجی آمنہ کی خدمت کرو، جب حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت ہو گئی تو ثویبہ دوڑی دوڑی ابولہب کے پاس گئی اور کہا کہ آقا آپ کو مبارک ہو آج اللہ تعالیٰ نے آپ کے مرحوم بھائی کے گھر بیٹا عطا کیا ہے۔ اپنے بھتیجے کی پیدائش کی خوشی میں ابولہب اتنا خوش ہوا کہ جس حالت میں بیٹھا ہوا تھا اسی حالت میں اپنے ہاتھ کی دو انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگا: ”ثویبہ جا میں نے تجھے نومولود (ﷺ) کی پیدائش کی خوشی میں آزاد کر دیا ہے۔“

اب صحیح بخاری کی حدیث ملاحظہ ہو:

فلما مات ابولہب اریہ بعض اہلہ بشر حبیة قال له ماذا لقیت

قال ابولہب لم الق بعد کم غیرانی سقیت فی ہذہ بعنافتی ثویبہ۔ (۳۳)

”ابولہب کے مرنے کے بعد اس کے اہل خانہ میں سے کسی نے جب اسے خواب میں دیکھا تو وہ برے حال میں تھا اس سے پوچھا کیسے ہو؟ ابولہب نے کہا میں بہت سخت عذاب میں ہوں اس سے کبھی چھٹکارا نہیں ملتا، ہاں مجھے (اس عمل کی جزا کے طور پر) کچھ سیراب کیا جاتا ہے کہ میں نے (حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت کی خوشی میں) ثویبہ کو آزاد کر دیا تھا۔“

اسی واقعہ کو عظیم محدث ابن حجر عسقلانی نے امام سہلی کے حوالے سے، شیخ عبدالحق

محدث دہلوی، امام شمس الدین ابن الجزری اور دیگر علماء نے بھی بیان کیا:

ان تمام محدثین اور علماء کا ثویبہ کے واقعہ سے استدلال کرنا اس روایت کی صحت پر بھی دلالت کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ یہ نہیں دیکھتا کہ عمل کرنے والا کون ہے بلکہ وہ یہ دیکھتا ہے کہ عمل کس کے لئے کیا ہے۔ عمل کرنے والا ابولہب کافر تھا، اس سے اسے غرض ہی نہیں کیونکہ اس کی تو ساری شفقتیں اپنے محبوب اکرم ﷺ کی وجہ سے ہیں۔

حدیث بخاری اور دیگر درج بالا تصریحات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ نادانستہ طور پر میلاد کی خوشی کرنے والے بدترین کافر کو بھی اللہ تعالیٰ اس عمل کی جزا دے رہا ہے اور قیامت تک دیتا رہے گا اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ یہ صرف اور صرف حضور ﷺ کی نسبت سے کئے جانے والے اعمال کی خصوصیت ہے کہ اگر کافر بھی کوئی عمل کرے گا تو اس کو جزا دی جائے گی کیونکہ

اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

اگر مومن کروڑوں عمل کرے حضور نبی اکرم ﷺ کی معمولی سی بے ادبی ہو جائے تو آخرت میں سارے اعمال کی جزا سے محروم کر دیا جاتا ہے اور۔۔۔۔۔ اگر کافر، اسلام کا دشمن اور توحید و رسالت کا منکر حضور نبی اکرم ﷺ کے میلاد اور آپ ﷺ کی تعظیم میں ایک عمل بھی کر دے تو اسے اس عمل کی جزا آخرت میں دی جاتی ہے۔

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں

اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

سارے اعمال کی عظمت و قبولیت اسی عمل کے سبب سے ہے جو حضور نبی اکرم ﷺ کی محبت میں کیا جائے اور اگر دل محبت رسول سے خالی ہے تو کوئی نیک عمل بارگاہ خداوندی میں باعث اجر نہیں ہوگا۔ اسی لئے اہل دل کہتے ہیں کہ اے جو دو سخا کے پیکر اتم، گنہگار امت کی شفاعت کرنے والے آقا، آپ کی کرم نوازیوں کا یہ عالم ہے کہ اس خرمن جو دو سخا سے کوئی دشمن بھی محروم نہیں تو اگر یہ آپ کی گنہگار امت میلاد پاک کی خوشی منائے گی تو آپ کے لطف و کرم کا کیا عالم ہوگا:

دوستان را کجا کنی محروم

تو کہ بادشمنان نظر داری

حوالہ جات

- (۱) - قسطلانی، المواہب اللدنیة، ۱: ۱۳۵، ۲ - زرقانی، شرح المواہب اللدنیة، ۱: ۲۵۵، ۳ - نبہانی، جواہر البحار فی فضائل النبی المختار ﷺ، ۳: ۲۲۳ (۲) - نبہانی: الانوار الحمدیة: ۲۸، (۳) - الخروج، باب: ۳۳، (۴) - فخر الدین رازی، التفسیر الکبیر، ۱۷: ۱۲۳، (۵) - آلوسی، روح المعانی، ۱۰: ۱۳۱، (۶) - سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ۴: ۳۳۰، (۷) - تفسیر البحر المحیط، ۵: ۱۷۱، (۸) - ابن جوزی، زرار المسیر فی علم التفسیر، ۴: ۴۰، (۹) - طبری، مجمع البیان، ۵: ۱۷۷، ۱۷۸، (۱۰) - حلبي، السیرة الحلبیة، ۱: ۵۷، (۱۱) - حلبي، السیرة الحلبیة، ۱: ۵۷، (۱۲) - حلبي، السیرة الحلبیة، ۱: ۲۸، (۱۳) - حلبي، السیرة الحلبیة، ۱: ۲۸، (۱۴) - حلبي، السیرة الحلبیة، ۱: ۷۸، (۱۵) - ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱: ۱۰۲، (۱۶) - طبری، تاریخ الامم والملوک، ۱: ۳۵۵، (۱۷) - حاکم، المستدرک، ۳: ۳۶۹، رقم: ۵۳۱۷، (۱۸) - حلبي، السیرة الحلبیة، ۱: ۵۶، (۱۹) - ابن ہشام، السیرة النبویة، ۱: ۳۰۲، (۲۰) - ماخوذ از زرقانی، شرح المواہب: ۱۰۵، ۱۰۸، (۲۱) - طبری، تاریخ الامم والملوک، ۱: ۳۵۳، (۲۲) - سیوطی، الخصال الکبریٰ، ۱: ۸۱-۸۳، (۲۳) - قسطلانی، المواہب اللدنیة، ۱: ۱۲۳-۱۲۵، (۲۴) - قسطلانی، المواہب اللدنیة، ۱: ۱۲۵، (۲۵) - بخاری، الصحیح، ۲: ۷۰۴، کتاب الصیام، باب ۶۹ صیام یوم عاشورہ، رقم: ۱۹۰۰، (۲۶) - احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۵۹، رقم: ۸۷۰۲، (۲۷) - بخاری، الصحیح، ۲: ۷۰۴، کتاب الصوم، (۲۸) - مسلم، الصحیح، ۲: ۸۱۹، کتاب الصیام، باب استحباب صیام ثلثة ایام من کل شهر، رقم: ۱۱۶۲، (۲۹) - مقدسی، الاحادیث المختارة، ۵: ۲۰۵، رقم: ۱۸۳۲، (۳۰) - بیہقی، السنن الکبریٰ، ۹: ۳۰۰، رقم: ۴۳، (۳۱) - سیوطی، الحاوی للفتاویٰ، ۱: ۱۹۶، (۳۲) - القرآن، لہب، ۱: ۱۱۱، (۳۳) - بخاری، الصحیح، ۵: ۱۹۶، کتاب النکاح، باب وأمهاتکم اللاتی أرضعنکم، رقم: ۲۸۱۳،

یوم میلاد النبی ﷺ

عیدوں کی عید

(پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد)

”چاند چمک رہا ہے، ستارے کھل رہے ہیں، نور کی پھوار پڑ رہی ہے۔۔۔ اچانک غلغلہ پیا ہوا، ایک ندادینے والا ندادے رہا تھا۔۔۔ لوگو! صدیوں سے جس ستارے کا انتظار تھا، دیکھو دیکھو آج وہ طلوع ہو گیا۔۔۔ آج وہ آنے والا آ گیا۔۔۔ وادی مکہ کے سناٹے میں یہ آواز گونج گئی۔ سب حیران، یہ ماجرا کیا ہے؟۔۔۔ کس کا انتظار تھا، کون آرہا ہے؟۔۔۔ ہاں سونے والو! جاگ اٹھو! آنے والا آ گیا۔۔۔ نور کی چادر پھیل گئی، میلوں کی مسافتیں سمٹ گئیں، بصرہ و شام کے محلات نظر آنے لگے۔ سارے عالم میں چاند ہو گیا، ہاں یہ کون آیا سویرے سویرے؟۔۔۔ وہ کیا آئے رحمت کی برکھا آ گئی، نور کے بادل چھا گئے، دور دور تک بارش ہو رہی ہے۔ چاندی بہہ رہی ہے۔ حد نظر تک نور کی چادر تنی ہے۔ عجب سماں ہے، عجب منظر ہے!۔۔۔ ایسا منظر تو کبھی نہ دیکھا تھا!۔۔۔ تاریکیاں چھٹ گئیں، روشنیاں بکھر گئیں، جدھر دیکھو نور ہی نور، جدھر دیکھو بہار ہی بہار۔۔۔ تازگی انگڑائیاں لے رہی ہے، مسرتیں پھوٹ رہی ہیں، رنگینیاں اپنا رنگ دکھا رہی ہیں۔ سارا عالم نہایا ہوا ہے، ذرے ذرے پہ مستی چھائی ہوئی ہے۔۔۔ ہاں یہ اجلا اجلا سماں، یہ مہکی مہکی سی فضا میں، یہ مست مست ہوائیں، جھوم جھوم کر جشن بہاراں کے گیت گارہی ہیں۔

ہاں بہار آئی، بہار آئی۔۔۔ زندگی میں بہار آئی، دماغوں میں بہار آئی، دلوں میں بہار آئی، روحوں میں بہار آئی، علم و حکمت میں بہار آئی، تہذیب و تمدن میں بہار آئی، فکر و شعور میں

بہار آئی، عقل و خرد میں بہار آئی۔۔۔ برسوں کی ہتھکڑیاں کٹ گئیں، صدیوں کی بیڑیاں ٹوٹ گئیں، گھٹی گھٹی سی فضا میں بدل گئیں، مندی مندی سی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ بجھی بجھی سی طبیعتیں سنبھل گئیں۔ رندھی رندھی سی آوازیں کھنکھانے لگیں۔۔۔ ڈوبتے ہوئے ابھرنے لگے، سہمے ہوئے چپکنے لگے، روتے ہوئے ہنسنے لگے، صدیوں کے دبے ہوئے، پسے ہوئے سرفراز ہونے لگے، خون کے پیاسے محبت کرنے لگے، ہارنے والے جیتنے لگے۔۔۔ بکھرے ہوئے خیال یک جا ہو گئے۔ منتشر قوتیں سمٹ گئیں، ضعیف و ناتواں ایک قوت بن کر ابھرے اور دنیا نے پہلی مرتبہ جانا کہ انسان احسن تقویم میں بنایا گیا ”اشرف المخلوقات“ کے منصب عالی پر فائز کر کے خلافت الہیہ سے سرفراز کیا گیا۔۔۔ زندگی نے ایسا سنگھار کیا کہ سب جھانکنے لگے، سب دیکھنے لگے، سب تکتے لگے، سب بلائیں لینے لگے، سب فدا ہونے لگے، سب آرزوئیں کرنے لگے، سب تمنائیں کرنے لگے۔۔۔ وہ کیا آئے، کائنات کا ذرہ ذرہ دل کش و دل ربا معلوم ہونے لگا۔

ہاں آج ان کی آمد آمد کا دن ہے، آج عید کا دن ہے، خوشی کا دن ہے۔۔۔ ایسا حسین انقلاب آیا کہ دنیا نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔۔۔ ایسی بہار آئی کہ دنیا نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔۔۔ ایسا حسین آیا کہ دنیا نے ایسا حسین تو کبھی نہ دیکھا تھا۔ ہاں۔۔۔

بے مثال کی ہے مثال وہ حسن

خوبی یار کا جواب کہاں؟

اللہ نے سب سے پہلے نور محمدی (ﷺ) پیدا فرمایا (۱) نبوت سے سرفراز کیا (۲)، درودوں کا سلسلہ شروع ہوا۔۔۔ فرشتے پیدا ہوئے تو وہ بھی درود و سلام میں شریک ہو گئے اور جب وہ نور دنیا میں آیا (۳) تو انسان بھی شریک ہو گئے (۴)۔۔۔ اگر سمجھنے والے سمجھیں تو یہ بھی جشن کا ایک انداز ہے۔۔۔ اللہ اکبر! روز اول سے ذکر اذکار ہو رہے ہیں اور خوشیاں منائی جا رہی ہیں۔۔۔ اللہ کو اپنے پیاروں سے بڑی محبت ہے، ان کی نشانیوں کو اپنی نشانیاں بنا دیا (۵) اور تعظیم و تکریم کا حکم دیا (۶)۔۔۔ ان کے یادگار دنوں کو اپنا یادگار دن بنا دیا (۷) اور ارشاد فرمایا۔۔۔ اور انہیں اللہ کے

دن یاد دلاؤ (۸)۔۔۔ انبیاء علیہم السلام کا یوم ولادت بھی اللہ کے دنوں میں سے ایک دن ہے۔ یوم ولادت کی اہمیت کا اندازہ قرآن کریم سے ہوتا ہے۔۔۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے لئے ارشاد فرمایا۔۔۔ سلامتی ہو اس پر جس دن وہ پیدا ہوا (۹)۔۔۔ حضور انور ﷺ اس جہان رنگ و بو میں پیر کے دن تشریف لائے۔۔۔ آپ اظہار تشکر کے لئے ”پیر“ کے دن روزہ رکھا کرتے تھے، جب پوچھا گیا تو فرمایا۔۔۔ اس دن میں پیدا ہوا اور اسی دن مجھ پر وحی نازل ہوئی (۱۰)۔۔۔ حضور انور ﷺ کی تشریف آوری کی تاریخ بعض روایات کے مطابق ۱۲ ربیع الاول ۵۶۹ء ہے جس کی تائید تین چار ہزار برس پرانے شواہد سے بھی ہوتی ہے (۱۱)۔۔۔ تو پیر کے دن اور ۱۲ ربیع الاول کو حضور انور ﷺ سے خاص نسبت ہے اور نسبتوں ہی سے بلندیاں نصیب ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضور انور ﷺ کو مبعوث فرما کر احسان جتایا (۱۲) احسان اس لئے جتایا جاتا ہے تاکہ اس کو یاد رکھا جائے، یاد کیا جائے، فراموش نہ کر دیا جائے۔۔۔ پھر خوشیاں منانے کا بھی حکم دیا (۱۳)۔۔۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے عرض کیا۔۔۔ ہم پر آسمان سے خوانِ نعمت اتار کہ وہ ہمارے لئے عید ہو، ہمارے اگلوں اور پچھلوں کی۔ (۱۴)۔۔۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ خوانِ نعمت اترے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس دن عید منائیں اور جب جانِ نعمت اترے تو وہ دن عید کا دن نہ ہو؟۔۔۔ جس رات قرآن کریم اتر اوہ رات ہزار مہینوں سے بہتر قرار پائے (۱۵) اور جس دن وہ قرآن ناطق ﷺ اتر اس رات کی عظمت کا کیا عالم ہوگا۔۔۔ شب قدر ہر سال منائی جاتی ہے تو وہ رات کیوں نہ منائی جائے جس رات آقائے دو جہاں ﷺ تشریف لائے۔۔۔ اللہ نے فرمایا اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔ (۱۶)۔۔۔ امام بخاری فرماتے ہیں سب سے بڑی نعمت تو خود حضور ﷺ ہیں (۱۷) تو چاہئے ان کا چرچا کیا جائے۔۔۔

حضور اکرم ﷺ نے خود برسر منبر اپنا ذکر و ولادت فرمایا (۱۸)، بعض صحابہ کرام کو حکم دیا اور انہوں نے آپ کے فضائل و شمائل بیان کئے۔ (۱۹)۔۔۔ آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ۹/۶۳۰ء میں غزوہ تبوک سے واپسی پر آپ کے سامنے منظوم ذکر و ولادت فرمایا (۲۰)

--- حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لئے حضور اکرم ﷺ نے خود منبر پر چادر شریف بچھائی اور انہوں نے منبر پر بیٹھ کر آپ کی شان میں قصیدہ پیش کیا (۲۱) آپ نے دعاؤں سے نوازا۔۔۔ یہ تمام حقائق احادیث میں موجود ہیں۔

مشہور تبع تابعی حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ جب حضور اکرم ﷺ کی پیاری باتیں سنا تے تو بڑا اہتمام فرماتے (۲۲) ٹھیک ایسا ہی اہتمام جیسا آج علماء و مشائخ کی بعض محافل میں نظر آتا ہے۔۔۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ ہر ماہ کی گیارہ تاریخ کو سرکارِ دو عالم ﷺ کے حضور نذر و نیاز پیش فرماتے تھے (۲۳) اور یہ طریقہ اب تک رائج ہے۔۔۔ ابن تیمیہ بھی محافل میلاد منعقد کرنے والے مخلصین کی تائید کرتے ہوئے اجر و ثواب کی بشارت دیتے ہیں (۲۴)۔۔۔ مجالس میلاد النبی ﷺ کوئی نئی چیز نہیں، صدیوں سے اس کا سلسلہ جاری ہے اور اس کی اصل عہد نبوی ﷺ میں موجود ہے۔۔۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم علیہ الرحمہ پابندی کے ساتھ یوم ولادت باسعادت پر کھانا پکا کر فقراء میں تقسیم کرتے تھے (۲۵)۔۔۔ خود حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ اور ان کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ کا معمول تھا کہ ۱۲ ربیع الاول کو ان کے ہاں لوگ جمع ہوتے، آپ ﷺ کا ذکر و ولادت فرماتے پھر کھانا اور مٹھائی تقسیم کرتے (۲۶)۔۔۔ حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ مکہ معظمہ میں ایک محفل میلاد میں شریک ہوئے جہاں آپ نے مشاہدہ فرمایا کہ انوار و تجلیات کی بارش ہو رہی ہے (۲۷)۔۔۔ مولوی رشید احمد گنگوہی کے مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ محفل میلاد کو ذریعہ نجات سمجھ کر ہر سال منعقد کرتے اور کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پیش کرتے (۲۸)۔۔۔ مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی علیہ الرحمہ ۱۲ ربیع الاول کو ہر سال بڑے تزک و احتشام سے محفل میلاد منعقد کراتے جو نماز عشاء سے نماز فجر تک جاری رہتی پھر کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پیش کیا جاتا اور مٹھائی تقسیم ہوتی، کھانا کھلایا جاتا (۲۹)۔۔۔ اللہ کے بعض فرشتے بھی کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پیش کر رہے ہیں (۳۰) تو یہ فرشتوں کی سنت ہے۔۔۔ سات سو برس پہلے فاضل جلیل امام تقی الدین سبکی علیہ الرحمہ کی محفل میں تشریف فرما تھے وہاں حسان وقت امام

صرصری کا نعتیہ شعر پڑھا گیا جس میں ذکر مصطفیٰ (ﷺ) کے وقت کھڑے ہونے کی آرزو کی گئی تھی، شعر کا سننا تھا کہ سارے علماء کھڑے ہو گئے (۳۱)۔۔۔ تو کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پیش کرنا صلحاء امت کی بھی سنت ہے۔۔۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پیش کرتے تھے اور اس کو قبولیت کا ذریعہ سمجھتے تھے (۳۲)۔۔۔

حضور انور ﷺ نے فرمایا جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے (۳۳)۔۔۔ اور یہ بھی فرمایا جس نے اسلام میں اچھا طریقہ نکالا اس کے لئے اس کا ثواب ہے اور اس پر عمل کرنے والوں کا ثواب بھی (۳۴)۔۔۔ آپ نے یہ بھی فرمایا، ہر حال میں سواد اعظم (۳۵) اور جماعت و جمہور کے ساتھ رہو (۳۶)۔۔۔ تو مجالس عید میلاد النبی ﷺ کا اہتمام، حضور انور ﷺ، صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین اور صلحاء امت کی سنت ہے اور ان کے عمل سے ثابت ہے۔۔۔

محبت کی فطرت ہے کہ عاشق ہمیشہ اپنے محبوب کی تعریف و توصیف اور ذکر و ازکار سننا پسند کرتا ہے بلکہ دل سے چاہتا ہے کہ ہر وقت اس کا ذکر ہوتا رہے، کوئی ایسا عاشق نہ دیکھا جو محبوب کا ذکر کرنے والے سے الجھتا ہو اور اس کو برا بھلا کہتا ہو کیونکہ یہ محبت کی فطرت کے خلاف ہے، سچی بات تو یہ ہے کہ اصل خوشی منانا تو یہ ہے کہ ہر دن اور ہر آن ظاہر و باطن میں سنتوں پر عمل کریں پھر ہر سال محبوب رب العالمین ﷺ کی آمد آمد کی خوشی منائیں جس طرح ہمارے ان اکابر و اسلاف نے خوشی منائی جن کے دم سے اسلام کی رونق ہے۔ مولوی رشید احمد گنگوہی کے استاد شاہ عبدالغنی محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے خوب فرمایا۔۔۔ میلاد شریف کی خوشی کرنے میں ہی انسان کی کامل سعادت ہے۔ (۳۷)۔۔۔ اللہ تعالیٰ حضور انور ﷺ کی ایسی سچی محبت عطا فرمائے کہ ہم خود بخود سنت کے سانچے میں ڈھلتے چلے جائیں اور ہمارا وجود دوسروں کے لئے مینارہ نور بن جائے۔ آمین۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

اگر باو نرسیدی تمام بولہی ست

رسول اللہ ﷺ کا جشن میلاد

(ڈاکٹر محمد حمید اللہ)

حدیثِ پاک میں کیا مبنی بر حقیقت بات کہی گئی ہے ”المومن غر کریم
والکافر خب لنسیم“ (مومن بھولا بھالا ہوتا ہے اور کافر دھوکہ باز اور کمینہ) ظاہر ہے کہ
بھولے کو جو بھی کہے باور کر لیتا ہے۔ بطور تمہید ایک جملہ معترضہ عرض کرتا چلوں۔

گزشتہ صدی کی بات ہے۔ شمالی افریقہ سے لے کر جنوب مشرقی ایشیا تک اسلامی ممالک
یکے بعد دیگرے فرنگیوں کے تسلط میں پھنستے گئے۔ ہر شخص کو اپنے دین کے پرچار کا فطری حق ہے۔ ان
نصرانیوں نے دیکھا کہ لاکھ جتن کرو خدا کا پرستار تیلٹ کے گورکھ دھندے میں پھنسا پسند نہیں کرتا؟ آخر
وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ سب قرآن کے باعث ہے جس کی منطق کا مقابلہ ممکن نہیں۔ اس کو اگر کسی طرح
دنیا سے ناپید کر دیا جائے تو پھر عیسائیت کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں رہے گی۔ اس کی پیش رفت میں ایک
طرف ہندوستان میں ایسے مشنری آئے جو گاؤں گاؤں میں جا کر قرآن مجید کے قلمی نسخے خریدتے۔ ابھی
قرآن مجید کی طباعت شروع نہیں ہوئی تھی انہوں نے سوچا منہ مانگی رقم دینے پر سارے پرانے نسخے
حاصل کر لئے جائیں گے یا روزمرہ کے تلاوتی استعمال سے دریدہ ہو جائیں گے اور حامی مسیحیت رانی کی
حکومت نئے نسخوں کو وجود میں آنے سے روک سکے گی مگر انہوں نے یہ نہ سوچا کہ دیہاتی ہندوستانی
تلاوت تو کرتا ہے لیکن عربی کو سمجھتا نہیں۔ دیہات کو محض قرآن سے خالی کر دینے سے عملاً کیا فرق ہوگا؟
بہر حال ایسے مشنری گاہک کو ایک گاؤں کے بوڑھے مسلمان نے کہا: تم یہ نسخے بزور بازو ہماری شکست
اور محکومیت کے زمانے میں لے تو سکتے ہو لیکن جو چیز سینوں میں ہے اسے تم کیسے ختم کرو گے اور پھر کہا۔
میں حافظ ہوں اور واحد نہیں ملک میں لاکھوں حافظ ہیں اور سنا کر ثبوت بھی دیا اور سمجھایا کہ اگر تم جبراً میرے

نسخے لے بھی لو تو میں انہیں لکھ بھی دوں گا۔ بات معقول تھی اور اس طرح یہ فتنہ ختم ہوا۔
 دوسری طرف شمالی افریقہ کے محکوم اسلامی ممالک میں عربی کی تعلیم بند کر دی گئی اور مدارس
 میں ابتداء ہی سے فرنگی زبانوں کی تعلیم دی جانے لگی اور اس کا بائیکاٹ کرنے والے جاہل رہنے پر مجبور
 ہوئے کہ مسلمان نہ عربی جانے گا اور نہ قرآن سے متاثر ہو سکے گا۔ ترکی سلطنت اور اس کے عربی
 صوبوں (مصر، شام، عراق وغیرہ) میں مشینریوں کا جم غفیر پھیل گیا۔ چاپلوسی کی باتیں کر کے مسلمانوں
 کو دوست بناتے رہے۔ پھر جب کوئی بھولا بھالا دیندار ملتا تو اس سے ذکر کرنا شروع کیا۔ واقعی تمہارا
 قرآن ایک معجزہ ہے اس کا ترجمہ ناممکن ہے اس کے الفاظ کے عمیق و کثیر مفہوم کو کسی دوسری زبان میں
 منتقل کرنا انسان کے بس کی چیز نہیں ”بھولا مسلمان خوشی سے اچھل پڑا“ الفضل شہدت بہ
 الاعداء ”کمال وہ ہے جس کی دشمن بھی گواہی دے“ ترجمہ ”ناممکن ہے“ بہت جلد ترجمہ ”ناجائز ہے
 “ بن گیا اور مسلمانوں سے زیادہ فرنگی کتابوں اور رسالوں میں اس کا ”اعتراف“ ہونے لگا۔

1930ء کی بات ہے ابھی ہندوستانی مسلمان اسے بھولے نہ ہونگے کہ جب محمد مار
 ماڈیوک پکتھال نے قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ چھاپ کر شائع کیا تو مصر کے اس وقت کے شیخ الازہر
 نے فتویٰ دیا کہ وہ ناجائز چیز ہے اور اس کا داخلہ مصر میں ممنوع قرار دیا گیا مگر ان مشینریوں کے ذہن
 میں یہ بات نہ آئی کہ عربی قرآن کا ترجمہ اجنبی زبانوں میں عرب نہیں کرتے بلکہ وہ مسلمان عربی دان
 جن کی مادری زبان عجمی (غیر عربی) ہو کرتے ہیں۔ بہر حال ترجمے کے ناجائز ہونے کا پروپیگنڈہ
 عربی ممالک اور ان کی حاکم ترکی سلطنت میں ہوتا رہا۔ جہاں تک مجھے علم ہے غیر عربی ممالک مثلاً
 ہندوستان، ایران، جاوا، ملایا وغیرہ میں نہیں ہوا۔ آخر عرب ممالک میں بھی اب دوسری جنگِ عظیم کے
 بعد مسلمان سمجھ گئے کہ پس پردہ کس کا ہاتھ کام کر رہا تھا اور کانا پھوسی میں کون استاد اور کون طوطا تھا؟

مسلمانوں کو اس سے بڑھ کر اور کونسی دلیل چاہئے۔ ترجمہ کی اجازت خود رسول
 اللہ ﷺ نے دی ہے۔ امام سرخسی کی کتاب المبسوط اور امام صدر الشریعہ کی المنہایہ حاشیہ الہدایہ
 میں دیکھ سکتے ہیں کہ ایک بار جب چند ایرانی لوگ مسلمان ہوئے تو ظاہر ہے کہ نماز پنجگانہ فوراً ہی

شروع کرنی تھی۔ عرض کیا کہ قرآن کی کوئی سورہ ابھی ہمیں زبانی یاد نہیں ہوئی ہے۔ اس پر حضرت سلمان فارسیؓ نے رسول اکرم ﷺ کی اجازت سے سورہ فاتحہ کا ترجمہ کرا کے انہیں دیا اور وہ اس ترجمہ کو نماز میں اس وقت تک پڑھتے رہے جب تک کہ سورہ مبارکہ عربی میں ان کو حفظ نہ ہو گئی۔

الغرض ترجمہ قرآن کے حرام ہونے کا جن لوگوں نے پروپیگنڈہ شروع کیا تھا اب انہی لوگوں نے ایک نیا ”فتویٰ“ دیا ہے کہ جشن میلاد نہ مناؤ کیونکہ ”یہ ایک بدعت ہے۔“ رسول اللہ ﷺ نے اپنی سالگرہ مناتے تھے اور نہ اس کے منانے کا حکم دیا ہے۔“ ہمارے نیک دل مگر بھولے بھائی ہیں کہ ہر دھوکے باز کی بات سے دھوکے میں آ جاتے ہیں۔ دشمن کی بات پر ذرا دماغ پر بار ڈال کر اس کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرنے کی بجائے اس کو نمک مرچ لگا کر خاص اپنے دماغ کے اجتہاد کے طور پر اپنوں میں دھرانے لگے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے بڑی پیاری بات فرمائی تھی کہ ”کان خلقه القرآن“ (قرآن مجید رسول اللہ ﷺ کے کردار میں منعکس دیکھ سکتے ہو) جس طرح قرآن کے ترجمے سے منع کرنے کی غرض و غایت قرآن کے اندر بیان شدہ باتوں سے واقف ہونے سے روکنا تھا اسی طرح جشن میلاد سے روکنے کی واحد غایت یہ ہے کہ سیرت پاک کے تذکرے سننے سے لوگوں کو روکا جائے۔ جشن میلاد مبارک سے روکنے والے ہمارے بھائی بدعت ہونے کی دلیلیں تو استعمال کرتے ہیں لیکن خود دوسرے جشن ذوق و شوق بلکہ زور شور سے مناتے ہیں۔ اس وقت انہیں بدعت کی دلیل یاد نہیں آتی۔ خدا اور رسول نے سارے مسلمانوں کو بھائی بھائی اور یکساں قرار دیا ہے۔ ”واولئ الامر منکم“ (اپنے میں ایک امیر کی اطاعت کرو) کا حکم دیا ہے اور اس کی وضاحت ”اسمعوا اطیعوا ولو امر علیکم حبشی اجدع“ (اپنے امیر کی اطاعت کرو چاہے وہ نکلا حبشی ہی کیوں نہ ہو) کی حدیث میں کی گئی۔

جشن میلاد سے ان روکنے والے لوگوں نے زیادہ عرصہ نہیں ہوا اپنے خلیفہ سے اس لئے بغاوت کی کہ ہم عرب ہیں اور وہ ترک ہے (مگر اطاعت فرنگی کافر کی) اس کی سالانہ عید (جشن آزادی) ہوتی ہے۔ ابھی حال ہی میں ایک اور ملک نے اپنے دیندار بلکہ ہم نسل بادشاہ سے بھی

بغاوت کی اور وہ اس فتح کا سالانہ جشن دھوم سے مناتے ہیں۔ اس طرح ایک بار چند پادریوں کو مسلمانوں سے ملاقات کے لئے بلایا اور اسے اتنا بڑا کارنامہ سمجھا کہ اس کی سالانہ عید منائی جا رہی ہے۔ یہ سب جائز ہے بلکہ مستحب اور واجب اور اگر حرام ہے تو رسول اللہ ﷺ کے میلاد مبارک کی عید!

جشن میلاد سے ہمیں روکنے والے عالم مگر بھولے فضلاء سے سبب پوچھو تو فر فر ایک حدیث سنادیں گے۔ ”کل محدث بدعة و کل بدعة ضلالة“ (ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے) گستاخی معاف۔ ”یک من علم رادہ من عقل باید“ کیا وہ بتا سکتے ہیں کہ اس کا سیاق و سباق کیا ہے؟ قبل اس کے کہ اس کے متعلق کچھ اور عرض کروں ان سے ایک اور بات پوچھتا ہوں کہ وہ کیوں اس شخص کی بات نہیں سنتے جس کے متعلق صحیح حدیث میں ذکر ہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتا۔ ”نیز ایک مزید حدیث کہ جب عمر بن الخطاب ایک راستے پر جا رہے ہوں تو شیطان کو جرات نہیں ہوتی کہ ادھر کا رخ کرے۔ وہ دوسرے راستے پر چلا جاتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ”ان الشيطان يفر من ظل عمر“ (شیطان، کے سائے سے بھی بھاگتا ہے)۔ عمر ان حضرت عمر فاروق سے سنئے کہ ”ہر بدعت گمراہی ہے“ کے کیا معنی ہے؟ صحیح بخاری کی کتاب التراويح میں ہے۔ ایک دن وہ رات کو رمضان کے مہینے میں مسجد نبوی کی طرف گئے تو دیکھا کہ لوگ تراویح پڑھ رہے ہیں لیکن ہر شخص الگ الگ یا چھوٹی چھوٹی بہ کثرت جماعتوں میں ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کیا اچھا ہوا اگر یہ سب ایک ہی امام کے ساتھ تراویح پڑھیں۔ پھر مشہور حافظ وقاری حضرت ابی بن کعب کو امام مقرر کیا۔ پھر ایک دوسرے دن رات کو مسجد میں آئے اور دیکھا کہ سارے لوگ ذوق و شوق سے جماعت میں ایک ہی امام کی اقتداء میں تراویح پڑھ رہے ہیں تو بے ساختہ فرمایا۔ نعمة البدعة هذه“ (یہ ایک اچھی بدعت ہے)

کیا ہمارے ان بھولے فتویٰ دہندوں کو فقہ کا ابتدائی کلیہ قاعدہ یاد نہیں کہ (الاصول فی الاشياء الاباحية) اصل میں ہر چیز مباح اور جائز ہے بجز اس کے جو منع کی گئی ہے۔ اس فقہی قاعدے کی اساس یہ قرآنی آیت ہے کہ ”واحل لكم ما وراء ذلكم“ صرف

فلاں فلاں چیز حرام ہے اور ان کے سوا ساری چیزیں حلال ہیں۔ ہر نئی چیز بدعت اور گمراہی ہے تو پھر یہ بڑے فاضل موٹروں میں کیوں بیٹھتے ہیں؟ جہازوں میں کیوں سفر کرتے ہیں؟ ان میں سے بہت سے تو داڑھی ہی نہیں مونچھیں بھی چٹ کرتے ہیں اور (والمتشبهین بالنساء) کے زمرے میں داخل رہتے ہیں۔ یہ سب چیزیں بدعت نہیں۔ بدعت ہے تو رسول ﷺ کے احترام اور رسول اللہ ﷺ کی یاد اور آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو سننے سنانے کے اجتماع کو قرار دیتے ہیں۔ بریں عقل و دانش ببايد گريست۔ (اس عقل و دانش پر رونا ہی آتا ہے)

یہ صرف منفی اور تردیدی باتیں ہی نہیں مثبت دلیلیں بھی ہیں اور بہت اہم۔ کون بد بخت مسلمان ہوگا جسے سورہ واضحی اور اس کی آخری آیت معلوم نہ ہو ”واما بنعمة ربك فحدث“ (یعنی جہاں تک اپنے رب کی نعمت کا تعلق ہے اسے بیان کیا کر) کسی شخص کسی قوم کیلئے اس سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہو سکتی ہے کہ خدا ان میں ایک نبی مبعوث کرے جو انہیں دین اور دنیا دونوں کے حسنات کا راستہ بتاتا ہو؟ ایک حدیث میں ہے (ان الله يحب ان يري اثر نعمة علي عبده) (خدا اس چیز کو پسند کرتا ہے کہ اس کی دی ہوئی نعمت کے آثار اس کے بندے پر نظر آئیں) رسول اللہ کی ولادت سے بڑھ کر مسلمانوں کیلئے کوئی نعمت ہوگی؟

حال ہی میں ندوۃ العلماء لکھنؤ کے رسالے ”البعث“ میں ایک صاحب نے جشن میلاد کی ممانعت کا فتویٰ چھاپا ہے اور بغیر دیکھے لکھا ہے کہ ”اس دن لوگ ناچ گانا کرتے ہیں۔ شراب پیتے ہیں اور دیگر فواحش کا ارتکاب کرتے ہیں جمعہ کی نماز کو نہیں آتے ہیں مگر جلسہ میلاد میں ضرور شرکت کرتے ہیں“ صاحب مضمون کے ملک میں ایسا ہوتا ہو تو ممکن ہے۔ بہر حال ہزاروں برائیوں کے باوجود ہندوستان میں کبھی ایسا نہیں ہوتا بلکہ جلسہ ہائے میلاد نہ ہوں تو بد بخت شرابی شاید شراب پینے کی ترغیب پائیں جبکہ جلسہ میلاد ہو تو کم از کم اس روز اس سے باز رہیں۔

ہندوستانی جلسہ ہائے میلاد مبارک میں لوگ ادب سے آتے ہیں ادب سے بیٹھتے ہیں ادب سے سنتے بلکہ کچھ نہ کچھ متاثر بھی ہوتے اور فیض اٹھاتے ہیں۔ ان مبارک جلسوں میں سیرت پر تقریریں ہوتی ہیں اسوۂ حسنہ کی تفصیل ہوتی ہے۔ سیرت پاک پر انعامی مضمون لکھائے جاتے ہیں۔

قرأتِ قرآن ہوتی ہے نعتِ نبوی ﷺ کے اشعار سنائے جاتے ہیں۔ اگر کہیں واقعی جلسہ میلاد میں شراب نوشی وغیرہ ہوتی ہے تو اس شراب نوشی کو روکوائے۔ جلسہ کو کیوں بند کراتے ہو؟ یہ تو ایسا ہی ہوگا جیسے بار بار ناک پر بیٹھنے والی مکھی کا علاج یہ کریں کہ ناک ہی کاٹ دیں کہ نہ ناک رہے نہ مکھی کیلئے اڈا۔

قرآن مجید میں عیدوں کا ذکر ہے۔ مصر میں یوم الزینہ کی عید تھی (اس کے ذکر میں خدا نے اس کو برا نہیں کہا ہے) مدین میں حج کی قسم کی ایک سالانہ عید تھی جس کا حضرت شعیب نے حضرت موسیٰ سے ذکر کیا تھا۔ حضرت ابراہیم کے ملک میں بھی ایک عید تھی جس میں وہ ایک بار نہ گئے اور بتوں کی بے بسی ثابت کی وغیرہ۔ اچھا کام بھی ہو تو چوبیس گھنٹے کیا نہیں جاسکتا۔ آدمی تھک جاتا اور بار محسوس کرنے لگتا ہے۔ قرآن کی تشریح ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (میں نے جنات اور انسان پیدا نہیں کئے ہیں مگر صرف اس لئے کہ میری عبادت کریں) لیکن پھر وہی مولائے پاک بجائے چوبیس گھنٹے عبادت میں لگے رہنے کے فرماتا ہے کہ چوبیس گھنٹوں میں صرف چوبیس منٹ عبادت کر لو اور پانچ بار نماز پڑھ لو تو کافی ہے۔ صحیح بخاری کی کتاب العلم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ ہمیں وعظ و نصیحت ہفتے میں صرف چند دن کرتے تاکہ بار اور ملال نہ ہو۔ اس لئے جب لوگوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اصرار کیا کہ وہ ہر روز وعظ کریں تو اس سے انکار کیا اور ہر ہفتے صرف ایک بار جمعرات کے دن کو کافی سمجھا۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت پاک اور اسوۂ حسنہ کی تفصیل بے شک ہر روز بیان کی جاسکتی ہے لیکن وہ لوگوں کیلئے بار ہوگا۔ پھر کس دن کا انتخاب کیا جائے؟ کیا یوم میلاد سے موزوں تر اس کیلئے کوئی دن ہو سکتا ہے؟

جب جشن ولادت کی قرآن و حدیث میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔ جب وہ ”واما بنعمة ربك فحدث“ کے قرآنی حکم کی تعمیل ہو جب وہ اسوۂ حسنہ سے بچوں بڑوں عالموں جاہلوں کو واقف کرانے کا ایک بہترین طریقہ ہو جب وہ ادب سے منایا جاتا ہو اور اس میں کوئی خلاف شرع رسم و رواج نہ پائے جاتے ہوں تو پھر مجھ ناچیز کی رائے میں تو اس سے منع کرنا درست نہیں بلکہ اس کی تشویق ہی ہونی چاہئے۔ خدایا ہمیں اپنی اور اپنے حبیب ﷺ کی محبت عطا فرما اور ہمیں اس کا صحیح راستہ بھی بتا۔ تو ہی ”نعم المولى ونعم النصير ہے“۔

نور و نکہت میں لپٹی ہوئی صبح سعادت کے نام

(علی اکبر قادری الازہری)

کونسی صبح سعادت؟..... وہ صبح..... جسکی سہانی ساعتوں میں عرب کا چاند وادی مکہ میں چمکا اور پورے جہاں کو تاباں روشن کر گیا۔ وہ صبح..... جب فضائے عالم مسرتوں کے دلاویز نغموں سے گونج اٹھی۔ وہ صبح..... جس نے تہذیب کو وقار، ثقافت کو تقدس، علم کو وسعت، فکر کو ندرت، عمل کو طہارت اور نفرتوں اور عداوتوں میں بسکتی بلکتی انسانیت کو اخوت و محبت کے تحفے عطا کئے۔ جب زندگی کو بندگی اور بندگی کو سرور ملا؛ جب عشق کو حضور ملا۔ انسان کو خالق تک رسائی کی معرفت نصیب ہوئی۔ وہ صبحِ درخشاں..... جس میں اترنے والے نور نے ستاروں کو روشنی، شمس و قمر کو ضوفشانی، گلستانوں کو بہار اور بہاروں کو بانگین دیا۔ بقول حافظ لدھیانوی

مل گیا نقشِ کفِ پا سے بہاروں کو فروغ
صحنِ گلشنِ آپ کے جلوؤں کی ہے رنگیں ادا
ان کے نورِ پاک سے روشن ہوئی صبحِ ازل
شانِ رحمت نے جہاں رنگ و بو چمکا دیا

وہ مطلع صبحِ ازل۔۔۔ جس کے پرتو سے طویل ترین شبِ ظلمت انجام کو پہنچی۔ افق عالم پر طلوع ہونے والی ایسی نورانی صبح۔۔۔ جس کی تمازت نے ہزاروں سالوں سے بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلوں کو خاکستر کر کے رکھ دیا۔ وادی مکہ میں مرحوم عبداللہ کا گھریوں چمک اٹھا کہ فردوسِ بریں کو رشک آ گیا، آمنہ کی گود میں گویا کائنات کی ساری سعادتیں سمٹ آئیں اور محلہ بنو ہاشم کی فضائیں یوں مہک اٹھیں کہ کائنات ہست و بود کی بہاریں خیرات لینے حاضر ہو گئیں۔

نہ افلاک نے آج تک ایسی صبح دیکھی تھی نہ کائنات نے آج تک ایسی سعادت سمیٹی تھی اور نہ ہی زمین پر آج تک ایسا کرم برسا تھا۔ بلاشبہ یہی تو وہ لمحات تھے جن کے انتظار میں گردشِ شام و سحر نے ماہ و سال کی لاکھوں کروٹیں بدل بدل کر انسان کو تمام ارتقائی منازل طے کروائیں اور اس کے شعور کو بلوغت کے اس مقام تک پہنچا دیا جب وہ اپنی ہدایت اور راہنمائی کیلئے کسی جامع صفات ہستی کیلئے بے تاب ہو گیا۔

ظہورِ قدسی کے یہ لمحات بلاشبہ تاریخِ انسانیت کے قابلِ رشک لمحات تھے۔ آج ظلم و بربریت کے پنجوں میں جکڑی ہوئی مظلوم انسانیت کو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کے ذریعے آزادی، مساوات اور باہمی مروت و محبت کا پیغام دیا تھا چنانچہ بعد میں آنے والے حالات و واقعات نے ثابت کر دیا کہ واقعی حضور ﷺ کی آمد، حق کی فتح اور باطل کی شکست تھی، منافقت کی موت اور صداقت کی علامت تھی۔ وہ دن دنیا میں اس نئی روشنی کے ظہور کا دن تھا جس نے بلال حبشیؓ جیسے غلام کو ابو جہل و ابولہب جیسے سرداروں پر دائمی سبقت دلا دی اور جس روشنی نے تمام نسلی، جغرافیائی، لسانی اور طبقاتی بتوں کو پاش پاش کر کے محمود و ایاز کو ایک صف میں کھڑا کر دیا۔

--- مگر آج کیا ہو رہا ہے؟ ایک لمحے کے لئے اپنے باطن میں جھانک کر دیکھیں۔ اپنے عظیم نبی کی عظیم امت اس قدر عاقبت نااندیش کیوں ہو گئی؟ دنیا کو امن و عافیت، محبت و مروت کا سبق دینے والے مسلمان باہم دست و گریبان ہیں۔ حضور ﷺ کی امت ہر جگہ بری طرح پٹ رہی ہے، اس بکھرے ہوئے ریوڑ کو ہر لمحہ اور ہر قدم پر خونخوار بھیڑیوں سے واسطہ ہے۔ آج عرب کا مسلمان ہو یا عجم کا، اغیار کی سازشوں کا شکار ہو کر مجبور و بے بس ہو چکا ہے۔ اسے اپنی شاندار تاریخ محض افسانہ لگتی ہے۔ احیائے اسلام، غلبہٴ دینِ حق اور اسلامی انقلاب کے نام سے نہ صرف آشنا نہیں بلکہ ایسے خیالات کو پاگل پن اور محض خواب گردانتا ہے۔ ناامیدی، شکست خوردگی اور احساسِ کمتری جیسے مہلک امراض نے اس کو پست ہمت، کاہل، عیشِ کوش اور علم و عمل کی دنیا میں ناکارہ بنا دیا ہے۔ باطل ہے کہ روز بروز بلکہ لمحہ بہ لمحہ نت نئے منصوبوں کے ساتھ اسے پستی کے

عمیق گڑھوں میں دھکیلنے کی تدبیریں بنا رہا ہے اور ہم ہیں کہ ان کافرانہ حربوں سے نبرد آزما کی تو کجا، تا حال سنبھلنے کا شعور بھی نہیں حاصل کر پائے۔ ہمارے حکمران محض لیلا اقتدار کے مجنوں ہیں۔ پچاس سے زائد نام نہاد اسلامی ممالک ابھی تک کسی پلیٹ فارم پر متحد ہونے کی ضرورت محسوس نہیں کر رہے۔ ایک سے ایک بدطینت، منافق، عاقبت نااندیش اور باطل پرست ہے۔

حکمرانوں کے بعد مسلمانوں کی جزوی قیادت مذہبی و دینی راہنماؤں کے پاس تھی۔ یہ لوگ انبیاء کے وارث کہلاتے ہیں مگر بصد افسوس کہ یہی طبقہ باہمی منافرت اور تفرقہ بازی کا باعث ہے۔ خدا رسول قرآن اور قبلہ ایک ہونے کے باوجود یہ مذہبی اجارہ دار ایک دوسرے کے ساتھ مل بیٹھنے کو تیار نہیں۔ اب طاقتور طاغوتی حملوں کا مقابلہ کون کرے اور کیونکر کرے؟ ایسے میں احساس زیاں رکھنے والوں کی نگاہیں ایک بار پھر گنبد خضراء کی طرف ہی اٹھتی ہیں اور زبان حال سے گویا ہیں کہ

تاریک افق کے ماتھے سے کب رات کی ظلمت چھوٹے گی

صبح کا اجالا کب ہوگا سورج کی کرن کب پھوٹے گی

اے پشت پناہ کون و مکاں اس سمت بھی اک رحمت کی نظر

سن میری فغاں لے میرا سلام اے ارض و سما کے پیغمبر

یا رسول اللہ ﷺ یہ پستی ملت دیکھی نہیں جاتی، اپنی عاصی امت پر نظر کرم کیجئے۔ یہ ٹھیک

ہے کہ ہم آپ کے نقش قدم پر نہیں چل سکے، ہمارے ایمان کی روشنی ماند پڑ گئی ہے، ہم حرص و ہوس

کے بندے بن گئے، ہم نے دنیا کے بدلے دین قربان کر دیا، چند ٹکوں کی خاطر ضمیر فروخت کر دیئے

اور آج ہم اپنی نگاہوں میں بھی گر گئے مگر تیری رحمت کی چادر بھی تو بڑی وسیع ہے۔

شاہ لولاک ہیں تو تیرے امتی تجھ سے نسبت تو ہے نام ہی کی سہی

ہمیں جذبِ فاروق و صدیق دے ظلم کو ختم کرنے کی توفیق دے

تری رحمت کے آقا طلب گار ہیں ہادی محترم! ہم خطا وار ہیں

(ستمبر ۱۹۹۱ء)

”خدا خود میرے مجلس بود اندر لامکان خسرو“

لامکان کی محافل میلاد انبی صلی اللہ علیہم وسلم

(اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی)

اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں اپنے محبوب کی ولادت و بعثت کا اعلان کرتے ہوئے محافل انبیاء و ملائکہ کا اہتمام فرمایا۔ قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے:

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلِتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ فَمَنْ تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ. (آل عمران، ۳: ۸۱، ۸۲)

”اور یاد کراے محبوب! جب خدا نے عہد لیا پیغمبروں سے کہ جو میں تم کو کتاب و حکمت دوں پھر تمہارے پاس آئے میرا رسول تصدیق فرماتا اس کی جو تمہارے ساتھ ہے۔ تو تم ضرور ہی اس پر ایمان لانا اور بہت ضرور اس کی مدد کرنا۔ پھر فرمایا کہ تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا؟ سب انبیاء نے عرض کی کہ ہم ایمان لائے فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ۔ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔ اب جو اس کے بعد پھرے گا تو وہی لوگ بے حکم ہیں۔“

امام اجل ابو جعفر طبری وغیرہ محدثین اس آیت کی تفسیر میں امیر المومنین حضرت علی سے راوی ہیں۔ ”یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے لے کر آخر تک جتنے انبیاء بھیجے سب سے محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں عہد لیا کہ اگر یہ اس نبی کی زندگی میں معبوث ہوں تو وہ ان پر ایمان لائے اور ان کی مدد کرے اور اپنی امت سے اس مضمون کا عہد لے۔“

اسی طرح حبر الامہ عالم القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہوا۔ (رواہ ابن جریر و ابن عساکر وغیرہما۔ بلکہ امام بدر زکشی و حافظ عماد بن کثیر و امام الحفاظ علامہ

ابن حجر عسقلانی نے اسے بخاری کی طرف نسبت کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس عہد ربانی کے مطابق ہمیشہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ واثناء نشر مناقب و ذکر مناصب سید المرسلین صلوٰۃ اللہ وسلام علیہ وعلیہم اجمعین سے رطب اللسان رہتے۔ اور اپنی پاک مجالس و محافل ملائک منزل کو حضور کی یاد و مدح سے زینت دیتے اور اپنی امتوں سے حضور پر نور پر ایمان لانے اور مدد کرنے کا عہد لیتے۔ یہاں تک کہ وہ پچھلا مژدہ رساں کنواری بتول کا ستھرا بیٹا مسیح کلمۃ اللہ علیہ صلوٰۃ اللہ مبشرا برسول یاتی من بعد اسمہ احمد کہتے ہوئے لایا۔ اور جب ستارے روشن مہ پارے مکن غیب میں گئے آفتاب عالم تاب ختمیت نے باہزاراں ہزار جاہ و جلال طلوع اجلال فرمایا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم اجمعین وبارک وسلم دھر الداہرین۔

ابن عساکر سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں۔

”ہمیشہ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کے بارے میں آدم اور ان کے بعد کے سب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے پیشین گوئی فرماتا رہا۔ اور قدیم سے سب امتیں تشریف آوری حضور کی خوشیاں مناتیں اور حضور کے توسل سے اپنے اعداء پر فتح مانگتی آئیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو بہترین امم و بہترین قرون و بہترین اصحاب و بہترین بلاد میں ظاہر فرمایا۔ ﷺ اور اس کی تصدیق قرآن عظیم میں ہے۔

”یعنی اس نبی کے ظہور سے پہلے کافروں پر اس کے وسیلہ سے فتح چاہتے۔ پھر جب وہ جانا پہچانا ان کے پاس تشریف لایا، منکر ہو بیٹھے تو خدا کی پھٹکار منکروں پر۔“

اس دعا کی برکت سے انہیں فتح دی جاتی۔ اسی پیمان الہی کا سبب ہے کہ حدیث میں آیا حضور سید المرسلین ﷺ نے فرمایا ”قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ آج اگر موسیٰ دنیا میں ہوتے میری پیروی کے سوان کو کچھ گنجائش نہ ہوتی۔“ اور یہی باعث ہے کہ جب آخر الزمان میں حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے باآنکہ بدستور منصب رفیع نبوت و رسالت پر ہوں گے حضور پر نور سید المرسلین ﷺ کے امتی بن کر رہیں گے۔ حضور ہی کی شریعت پر عمل کریں گے۔ حضور کے ایک امتی و نائب امام مہدی کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔

حضور سید المرسلین ﷺ فرماتے ہیں کہ کیف امتہ اذا نزل ابن مریم فیکم و امامکم منکم کیسا حال ہوگا تمہارا جب ابن مریم تم میں اتریں گے۔ اور تمہارا امام تم میں سے

ہوگا۔ ”آخرجه الشيخان عن ابى ہريره“ اور اس عہدہ واثق کی پوری تائید و توثیق کی حق عز جلالہ نے تورات مقدس میں فرمائی۔

امام علامہ تقی المملۃ والدین ابوالحسن علی بن عبدالکافی سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں ایک نفیس رسالہ ”التعظیم والا سنتہ فی منومین بہ والتفصیر نہ“ لکھا اور اس میں آیت مذکورہ سے ثابت فرمایا کہ ہمارے حضور صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ سب انبیاء کے نبی ہیں۔ اور تمام انبیاء و مرسلین اور ان کی امتیں سب حضور کے امتی حضور کی نبوت و رسالت زمانہ سیدنا ابوالبشر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روز قیامت تک جمیع خلق اللہ کو عام شامل ہے اور حضور کا ارشاد ”و کنت نبیا و ادم بین الروح والجسد“ اپنے معنی حقیقی پر ہے۔

اگر ہمارے حضور حضرت آدم و نوح و ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ حضور ﷺ کے زمانہ میں ظہور فرماتے۔ ان پر فرض ہوتا کہ حضور پر ایمان لاتے اور حضور کے مددگار ہوتے۔ اسی کا اللہ تعالیٰ نے عہد لیا تھا اور حضرت کے نبی الانبیاء ہونے کا ہی باعث ہے کہ شب اسری تمام انبیاء و مرسلین نے حضور کی اقتدا کی اور اس کا پورا ظہور روز نشور ہوگا۔ جب حضور کے زیر لواء آدم و من سوا کافر سل و انبیاء ہوں گے۔ صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہم اجمعین۔

یہ رسالہ نہایت نفیس کلام پر مشتمل ہے جسے امام جلال الدین سیوطی نے خصائص کبریٰ اور امام شہاب الدین قسطلانی نے مواہب لدنیہ اور ائمہ مابعد نے اپنی تصانیف میں نقل کیا اور اسے نعمت عظمیٰ و مواہب کبریٰ سمجھا۔

بالجملہ مسلمان بہ نگاہ ایمان اس آیت کریمہ کے مفادات عظیمہ پر غور کرے۔ صاف صریح ارشاد فرما رہی ہے کہ محمد ﷺ اصل الاصول ہیں۔ محمد ﷺ رسولوں کے رسول ہیں۔ امتیوں کو جو نسبت انبیاء و رسل سے ہے وہ نسبت انبیاء و رسل کو اس سید الکل سے ہے۔ امتیوں پر فرض کرتے ہیں رسولوں پر ایمان لاؤ۔ رسولوں سے عہد و پیمان لیتے ہیں محمد ﷺ سے گرویدگی فرماؤ۔ غرض صاف صاف جتا رہے ہیں کہ مقصود اصلی ایک وہی ہیں باقی تم سب تابع۔ مقصود ذات اوست و گرجملگی طفیل

اقول وباللہ التوفیق: پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ (ولادت و بعثت نبوی کے) اس مضمون کو قرآن عظیم نے کس قدر مہتمم بالشان ٹھہرایا۔ اور طرح طرح سے موکد فرمایا:

اولاً: انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام معصومین ہیں۔ زہار حکم الہی کا خلاف ان سے متحمل نہیں۔ کافی تھا کہ رب تبارک و تعالیٰ بطریق امر انہیں ارشاد فرماتا۔ اگر وہ نبی تمہارے پاس آئے اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا مگر اس قدر پر اکتفا نہ فرمایا بلکہ ان سے عہد و پیمان لیا۔ یہ عہد ”الست بربکم“ کے بعد دوسرا پیمان تھا۔ جیسے کلمہ طیبہ میں لا الہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ ہے۔ تاکہ ظاہر ہو کہ تمام ماسوی اللہ پر پہلا فرض ربوبیت الہی کا اذعان ہے۔ پھر اس کے برابر رسالت محمدیہ پر ایمان۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وبارک۔

ثانیاً: اس عہد کو لام قسم سے موکد فرمایا ”لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ“ جس طرح نوابوں سے بیعت سلاطین پر قسمیں لی جاتی ہیں امام سبکی فرماتے ہیں شاہد سوگند بیعت اسی آیت سے ماخوذ ہوئی ہے۔

ثالثاً: نون تاکید۔

رابعاً: وہ بھی ثقلیہ لا کر ثقیل تاکید کو اور دو بالا فرمایا

خامساً: یہ کمال اہتمام ملاحظہ کیجئے کہ حضرات انبیاء بھی جواب نہ دینے پائے کہ خود ہی تقدیم فرما کر پوچھتے ہیں اقررتم اس امر پر اقرار لاتے ہو۔ یعنی کمال تعجیل و تسبیل مقصود ہے۔

سادساً: اس قدر پر بھی بس نہ فرمائی بلکہ ارشاد ہوا: وَ أَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ خَالِيْ اصرار نہیں بلکہ اس پر میرا بھاری ذمہ لو۔

سابعاً: عليه يا علي هذا جگہ علی ذلکم فرمایا کہ بعد ارشاد دلیل عظمت ہو

ثامناً: اور ترقی ہوئی کہ فاشہدو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ۔ حالانکہ معاذ اللہ اقرار کر کے مکر جانا پاک مقدس جنابوں سے معقول نہ تھا۔

تاسعاً: کمال یہ ہے کہ فقط ان کی گواہیوں پر بھی اکتفا نہ ہوئی بلکہ ارشاد فرمایا وانا معکم من الشہدین میں خود بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔

عاشراً: سب سے زیادہ نہایت کاریہ ہے کہ اس قدر عظیم جلیل تاکیدوں کے بعد بآئینہ انبیاء کو عصمت عطا فرمائی۔ یہ سخت شدید تہدید بھی فرمادی گئی کہ فَمَنْ تَوَلَّى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ اب جو اس قرار سے پھرے گا فاسق ٹھہرے گا۔

اللہ اللہ! یہ وہی اعتنائے نام و اہتمام تمام ہے جو باری تعالیٰ کو اپنی توحید کے بارے میں

منظور ہوا کہ ملائکہ معصومین کے حق میں ارشاد کرتا ہے ”جو ان میں سے کہے گا میں اللہ کے سوا معبود ہو اسے ہم جہنم سزا دیں گے۔ ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں ستم گاروں کو“ گویا ارشاد فرماتے ہیں جس طرح ہمیں ایمان کے جزا اول الا الہ الا اللہ کا اہتمام یونہی جزو دوم محمد رسول اللہ سے اعتنائے تام ہے۔ میں تمام جہاں کا خدا کہ ملائکہ مقربین بھی میری بندگی سے سر نہیں پھیر سکتے۔ اور میرا محبوب سارے عالم کا رسول و مقتدا کہ انبیاء و مرسلین بھی اس کی بیعت خدمت کے محیط دائرہ میں داخل ہوئے۔ (۱)

”جب زمانہ ولادت شریف کا قریب آیا، تمام ملک و ملکوت میں محفل میلاد تھی۔ عرش پر محفل میلاد، فرش پر محفل میلاد، ملائکہ میں میلاد ہو رہی تھی۔ خوشیاں مناتے حاضر ہوئے ہیں، دولہا کا انتظار ہو رہا ہے، جس کے صدقے میں یہ ساری برات بنائی گئی ہے۔ سبع سماوات میں عرش و فرش پر دھوم ہے۔ ذرا انصاف کرو، تھوڑی سی مجازی قدرت والا اپنی مراد کے حاصل ہونے پر، جس کا مدت سے اسے انتظار ہو، کیا کچھ خوشی کا سامان نہ کرے گا؟

وہ عظیم مقدر، جو چھ ہزار برس بیشتر بلکہ لاکھوں برس سے ولادت محبوب کے پیش خیمے تیار فرما رہا ہے، اب وقت آیا ہے کہ وہ مراد المراد ظہور فرمانے والے ہیں۔ یہ قادر علیٰ کل شی، کیا کچھ خوشی کے سامان مہیا نہ فرمائے گا۔ شیاطین اب بھی جلتے ہیں اور ہمیشہ جلیں گے۔ غلام تو خوش ہو رہے ہیں، ان کے ہاتھ تو ایسا دامن آیا کہ یہ گر رہے تھے، اس نے بچا لیا، ایسا سنبھالنے والا ملا کہ اس کی نظیر نہیں۔ ایک آدمی ایک کو بچا سکتا ہے، دو کو بچا سکتا ہے، کوئی قوی ہوگا، زیادہ سے زیادہ بیس کو بچالے گا، یہاں کروڑوں، اربوں، پھسلنے والے اور بچانے والے وہی ایک انا اخذ بحجذ کم عن النار ہلم الیٰ (میں تمہارا کمر بند پکڑے کھینچ رہا ہوں ارے میری طرف آؤ) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین وبارک وسلم۔ درود و سلام اے خدا بھیج بے حد بروح محمد و آل محمد۔ (۲)

نثار تیری چہل پہل پہ ہزار عیدیں ربیع الاول
سوائے ابلیس کے جہاں میں سبھی تو خوشیاں منا رہے ہیں

(۱) (بشکر یہ ضیائے حرم عید میلاد النبی منبر) (۲) ماخوذ ”جب حضور آئے“

خلقتِ نور محمدی ﷺ

(مولانا اشرف علی تھانوی)

امام عبدالرزاق نے اپنی ایک سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں مجھ کو خبر دیجئے کہ سب اشیاء سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کونسی چیز پیدا کی۔ آپ نے فرمایا اے جابر اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے (نہ بایں معنی کہ نور الہی اس کا مادہ تھا بلکہ اپنے نور کے فیض سے) پیدا کیا۔ پھر وہ نور قدرت الہیہ سے جہاں اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا سیر کرتا رہا اور اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم تھا۔ اور نہ بہشت تھی اور نہ دوزخ تھی اور نہ فرشتہ تھا اور نہ آسمان تھا اور نہ زمین تھی اور نہ سورج تھا اور نہ چاند تھا۔ اور نہ جن تھا اور نہ انسان تھا پھر جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور کے چار حصے کئے ایک حصے سے قلم پیدا کیا اور دوسرے سے لوح اور تیسرے سے عرش، آگے طویل حدیث ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے نور محمدی ﷺ کا اول الخلق ہونا باولیت حقیقیہ ثابت ہوا کیونکہ جن جن اشیاء کی نسبت روایت ہے اولیت کا حکم آیا ان اشیاء کا نور محمد ﷺ سے متاخر ہونا اس حدیث میں منصوص ہے۔

حضرت عرباض بن ساریہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بیشک میں حق تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین ہو چکا تھا اور آدم علیہ السلام ہنوز اپنے خمیر ہی میں پڑے تھے۔ یعنی ان کا پتلا بھی تیار نہ ہوا تھا۔ (روایت کیا اس کو احمد اور بیہقی نے اور حاکم نے اس کو صحیح الاسناد بھی کہا ہے اور مشکوٰۃ میں شرح السنہ سے بھی یہ حدیث مذکورہ ہے۔)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ آپ کے لئے

بلی (یعنی کیوں نہیں) محمد ﷺ نے کہا اور اسی لئے آپ کو سب انبیاء سے تقدم ہے گو آپ سب سے آخر میں مبعوث ہوئے۔

فائدہ: اگر میثاق لینے کے وقت ارواح کو بدن سے تبلیس بھی ہو گیا تاہم احکام روح ہی کے غالب ہیں اسی لئے اس روایت کی کیفیات کو نور میں لانا مناسب سمجھا اور اوپر شععی کی روایت میں آپ سے قبل آدم کا میثاق لیا جانا مذکورہ ہے اور میثاق الست بر بکم ظاہر روایات سے بعد خلق آدم معلوم ہوتا ہے سو ممکن ہے کہ وہ میثاق نبوت کا بلا اشتراک غیرے ہو جب اس حدیث کے ذیل میں اس طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے۔

جب آپ غزوہ تبوک سے مدینہ طیبہ میں واپس تشریف لائے تو حضرت عباسؓ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھ کو اجازت دیجئے کہ کچھ آپ کی مدح کروں (چونکہ حضور کی مدح خود طاعت ہے اس لئے) آپ نے ارشاد فرمایا کہ کہو اللہ تعالیٰ تمہارے منہ کو سالم رکھے انہوں نے یہ اشعار آپ کے سامنے پڑھے۔

”زمین پر آنے سے پہلے آپ جنت کے سایہ میں خوشحالی میں تھے اور نیزود یعت گاہ میں جہاں (جنت کے درختوں کے) پتے اوپر تلے جوڑے جاتے تھے (یعنی آپ صلب آدم علیہ السلام میں تھے سو قبل نزول الارض کے جب وہ جنت کے سایوں میں تھے اور و یعت گاہ سے مراد صلب ہے جیسا اس آیت میں مفسرین نے کہا ہے لمستقرو مستودع اور پتے کا جوڑنا اشارہ ہے اس قصہ کی طرف آدم علیہ السلام نے اس منع کئے ہوئے درخت سے کھا لیا اور جنت کا لباس اتر گیا تو درختوں کے پتے ملا ملا کر بدن ڈھانکتے تھے یعنی اس وقت بھی آپ مستودع میں تھے اسکے بعد آپ نے بلا یعنی زمیں کی طرف نزول فرمایا اور آپ اس وقت نہ بشر تھے اور نہ مضغہ اور نہ علق (کیونکہ یہ حالتیں جنین ہونے سے بہتر قرب کی ہوتی ہیں اور ہبوط کے وقت جنین ہونے کا انتقاء ظاہر ہے اور یہ نزول الی الارض بھی بواسطہ آدم علیہ السلام کے وہ مادہ راکب کشتی تھا مولانا جامی نے اس مضمون کی طرف ارشاد کیا ہے۔

زجودش گرنگش را مفتوح

بجو دی کے رسیدی کشتی نوح

اور وہ مادہ (اسی طرح واسطہ در واسطہ) ایک صلب سے دوسرے رحم تک نقل ہوتا رہا جب ایک طرح کا عالم گزر جاتا تھا دوسرا طبقہ ظاہر اور شروع ہو جاتا تھا یعنی وہ مادہ سلسلہ آبا کے مختلف طبقات میں یکے بعد دیگر منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ اسی سلسلہ میں (آپ نے نار خلیل میں بھی ورود فرمایا چونکہ آپ ان کی صلب میں پوشیدہ تھے تو وہ کیسے جلتے (پھر آگے اسی طرح آپ منتقل ہوتے رہے) یہاں تک کہ آپ کا خاندانی شرف جو کہ (آپ کی فضیلت پر) شاہد ظاہر ہے اولاد خندف میں سے ایک ذرہ عالیہ پر جاگزیں ہوا جس کے تحت میں اور حلقے (یعنی دوسرے خاندان) مثل درمیانی حلقوں کے تھے خندف لقب ہے آپ کے جد بعید مبدر کہ بن الیاس کی والدہ کا یعنی ان کی اولاد میں سے آپ کے خاندان اور دوسرے خاندانوں میں باہمی وہ نسبت تھی جیسے پہاڑ میں اوپر کی چوٹی اور نیچے کے درمیانی درجوں میں ہوتی ہے اور نطق یعنی اوساط کی قید سے اشارہ اس طرف ہے کہ غیر اولاد خندف کو ان سب کے سامنے بالکل نشیب کی نسبت درجات جبل کے ساتھ ہے) اور آپ جب پیدا ہوئے تو زمین روشن ہو گئی اور آپ کے نور سے آفاق منور ہو گئے۔ سو ہم اس ضیاء اور اسی نور میں ہدایت کے رستوں کو قطع کر رہے ہیں۔

(ماخوذ از نشر الطیب، مجموعہ خطبات بنام میلاد النبیؐ از مولانا اشرف علی تھانوی مطبوعہ جمیلی کتب

خانہ لاہور)

اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام

(علی اکبر قادری)

اللہ جل مجدہ نے انسان کو دیگر ضروریات کے علاوہ دو ایسی بنیادی اور بدیہی ضرورتوں کا محتاج بنایا ہے جن سے دست کش ہو کر وہ شاہراہ حیات پر ایک قدم بھی نہیں چل سکتا۔ ایک طرف اسے بقائے حیات کی خاطر ان اشیاء کے حصول کی ضرورت ہے جو اس کی مادی اور جسمانی حوائج کی تکمیل کریں تو دوسری طرف وہ مقصد تخلیق کی تکمیل کے لئے ایسی ہدایت و رہنمائی کا محتاج ہے جس سے وہ اخلاقی، تمدنی اور روحانی زندگی کی لذتوں سے بہرہ ور ہو سکے۔ خالق کائنات نے بتقاضائے ربوبیت انسان کی ان دونوں ضرورتوں کو بطور احسن پورا فرمایا۔ بقائے حیات اور دیگر مادی و جسمانی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے اس نے کرہ ارضی میں مختلف وسائل معیشت کا ایک لامتناہی خزانہ ودیعت فرمادیا۔ انسان نے اپنے عقل و تدبر کو کام میں لاتے ہوئے ہر دور میں اپنی ضروریات کے مطابق ہر چیز کائنات کے سینے سے اگلوائی ہے۔ اگر انسانی حیات کا مقصد پہلی ضرورت کی تکمیل تک محدود رہتا تو انسان ہرگز اشرف المخلوقات کہلانے کا حقدار نہیں تھا۔ اس لئے کہ دوسری جاندار مخلوق بھی اپنی زندگی کی بقاء کے لئے کم و بیش انہی مادی ضرورتوں کی محتاج ہے۔ صاف ظاہر ہے انسان کو دیگر مخلوقات عالم سے منفرد و ممتاز کرنے کے لئے باقاعدہ ہدایت اور مستقل رہنمائی کا نظام قائم کرنا اس کی فطری ضرورت تھی چنانچہ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی پیدائش سے ہی اپنے انبیاء و رسل کا ایک طویل سلسلہ قائم رکھا تا کہ انسان عرفان ذات و کائنات کے ساتھ ساتھ معرفت الہی بھی حاصل کر سکے اور یوں وہ زندگی کی حقیقت، اس کے مفہوم اور اس کے اعلیٰ مقاصد سے آشنا ہو۔

آفرینش آدم کے بعد اللہ تعالیٰ کے اس قافلہ ہدایت کا نورانی سفر جاری رہا۔ ہر قوم، علاقے اور نسل کے مقتضائے حال کوئی نہ کوئی نبی آتا رہا اور پیغام حق سنا کر بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہ

ہدایت پر گامزن کرتا رہا لیکن تاریخ انسانی میں ایک ایسا دور بھی آیا جب انسان انسانیت کے مفہوم سے نا آشنا ہو گیا۔ اس دور کی تاریخ پر اگر آپ ایک اچھلتی نظر دوڑائیں تو آپ کو ایران، یونان، روم جیسی بظاہر مہذب و متمدن قومیں بھی فحاشی، بدکاری اور شہوت پرستی کو مذہب کا حصہ گردانتی نظر آتی ہیں۔ حاملین کتاب اہل عرب سمیت توحید باری کے تصور سے ہی شناسا نہیں۔ طرح طرح کے فاسد عقائد اور بیہودہ توہمات کا شکار انسان کبھی آگ کا پروانہ نظر آتا ہے اور کبھی اپنے تراشیدہ پتھروں کا دیوانہ۔ کہیں اجرام فلکی کی پرستش ہو رہی ہے تو کہیں جھیلوں، دریاؤں اور ندی نالوں کو خدا کا درجہ دیا جا رہا ہے۔ حقوق شناسی کا تصور اس قدر مفقود ہو گیا ہے کہ دست نگر غلاموں اور عورتوں کو کھلونوں کی طرح استعمال کے بعد جب چاہا، جہاں چاہا پھینک دیا۔

لوگ سفاک ہیں تو درندوں سے بھی بڑھ کر، خواہشات کے پجاری ہیں تو بہائم سے بھی کہیں زیادہ۔ تہذیب و تمدن کا نام نہیں رہا۔ شرافت و نجابت سرپیٹ رہی ہے۔ انسانیت ظلم و بربریت کے آہنی پنجوں میں چبھیں بلند کر رہی ہے اور شہنشاہیت ان بے بسی کے مناظر کو دیکھ کر مسکرا رہی ہے۔ عفت و عصمت کی چادر انسانیت کے چہرے سے اتر گئی ہے اور عزت و شرافت کی کھیتیاں پامال ہو رہی ہیں۔ سر زمین حرم کا حال دیکھیں تو بے دینی کی کوئی رسم نہیں جو ادا نہیں کی جاتی۔ فواحش کی کوئی صورت نہیں جو اپنائی نہیں جاتی۔ جنگ و جدال اور قتل و غارت کے خون آشام مناظر قدم قدم در پیش ہیں، شراب نوشی اور بدکاری قابل ستائش کارنامے اور معصوم بچیوں کو زندہ درگور کرنا عزت نفس اور عظمت و شرافت کا ثبوت ہیں۔ فتنہ و فساد کی ان گھٹاؤں میں امید کا کوئی ستارہ نظر نہیں آتا ظلم و جہالت کی ہولناک آندھیوں سے کشتی مراد بچکولے لکھا رہی ہے۔

لیکن یہ قانون قدرت ہے کہ جب خزاں رسیدہ چمن کی ویرانیاں حد سے بڑھنے لگیں تو بہار کی پر کیف و جانفزا ہوائیں گلشن ارضی میں شادابیاں لاتی ہیں۔ جب موسم گل کی آمد ہوتی ہے تو مردہ درختوں کی خشک ٹہنیوں پر لہلہاتی کونپلیں پھوٹی ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے چمن درچمن پھولوں کی مہک کے قافلے کائنات کو دلفریب بناتے چلے جاتے ہیں۔

بالکل اسی طرح جب تاریخ انسانی کی یہ طویل ترین شب ظلمت اپنی انتہا کو پہنچی تو مشیت ایزدی نے ایسی صبح کا اہتمام فرمایا جو قیامت تک پھیلنے والی روشنی کی نقیب تھی۔ افق عالم پر وہ نورانی کرن چمکی جس کی ایک جھلک نے ہزاروں سالوں سے بھڑکتی آگ کے شعلوں کو خاکستر کر کے رکھ دیا۔

سرزمین مکہ کی مقدس فضاؤں میں یکا یک ”اللہ اکبر“ کی ایک معصوم آواز بلند ہوئی جس نے بت کدہ عالم میں ہلچل مچادی۔ آج سیدہ آمنہؓ کی مقدس گود میں کائنات کی ساری سعادتیں اور نعمتیں اتر آئیں۔ حضرت عبداللہ کے گھر کے درو دیوار یوں چمک اٹھے کہ فردوس بریں کو رشک آ گیا۔ محلہ بنو ہاشم کی فضائیں اتنی مہکیں کہ کائنات ہست و بود کی بہاریں خیرات لینے آ گئیں۔

کبھی ایسی سحر دیکھی نہ تھی افلاک نے اب تک
 نہ پایا تھا سکوں اس دیدہ نمناک نے اب تک
 کبھی ایسے نسیم صبح کے جھونکے نہ آئے تھے
 کبھی اس طرح کھل کر یوں نہ غنچے مسکرائے تھے

یہی وہ صبح تھی جس کے انتظار میں گردش شام و سحر نے ماہ و سال کی لاکھوں کروٹیں بدلی تھیں۔ ۱۲ ربیع الاول کی سہانی صبح کے وہ لمحات جن میں ہمارے پیارے آقا نبی اکرم ﷺ زینت آراء بزم جہاں ہوئے بلاشبہ قابل رشک لمحات تھے۔ از ازل تا ابد وقت کا کوئی لمحہ اور گردش لیل و نہار کی کوئی ساعت اس دل افروز ساعت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس دن گویا مکہ کے گلی کو چوں سے یہ آوازیں بلند ہو رہی تھیں اور خود فطرت گنگنار ہی تھی کہ

اسی دن کے لئے تو بزم ہستی کو سنوارا تھا
 یہی مقصود عالم تھا یہی خالق کا پیارا تھا
 یہ سب رعنائیاں تھیں اک وجود پاک کی خاطر
 یہ نقش آرائیاں تھیں سید لولاک کی خاطر

چنانچہ اس کے بعد آنے والے وقت نے یہ ثابت کر دیا کہ واقعی حضور ﷺ کی آمد نوید بہار تھی۔

حق کی فتح اور باطل کی شکست تھی۔ وہ دن دنیا کے لئے نئی روشنی کے ظہور کا دن تھا۔ اس روشنی نے انسانیت کو افراط و تفریط کے گرداب سے نکال کر اعتدال پر فائز کر دیا۔ زیر دست غلاموں کو انتہائی پستی سے اٹھا کر عزت و تکریم کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز کر دیا گیا۔ تمام طبقاتی، جغرافیائی نسلی اور لسانی علامتوں کے بت ٹوٹ گئے۔

سرور کائنات ﷺ کی آمد اس دین اسلام کی آمد تھی جس نے تمام تر ادیان باطلہ کے فرسودہ نظام بدل کر رکھ دیئے۔ صفحہ ہستی پر نئے خدائی تہذیب و تمدن نے جنم لیا۔ انسانوں کے اندر ایک ایسی روح پھونک دی گئی جس نے آپس میں محبت و مروت کے جذبوں کی نشوونما کی، صنم کدہ جہاں شرک و بت پرستی کی آلودگیوں سے صاف ہوا اور ہر سو تو حیدر بانی کے نعموں کی صدا میں بلند ہو گئیں۔

میلاد النبی ﷺ کی اس صبح سے آج ساڑھے چودہ سو سال سے زائد عرصہ بیت چکا ہے۔ کاروان اسلام جہاں دیگر معاملات میں محو سفر ہے وہاں یہ مبارک دن بھی اپنے دامن میں مرور زمانہ کے باوجود ہر سال مسلمانوں کے لئے نوید مسرت اور پیغام محبت لے کر آتا ہے۔ سال کے بعد جب بھی ماہ ربیع الاول کا یہ مقدس دن آتا ہے اہل محبت و شوق حسب استطاعت اپنے پیارے نبی ﷺ کے حضور عقیدت و محبت کے نذرانے پیش کرتے ہیں۔ حکم الہیہ کی تعمیل میں تحدیثِ نعمت کے طور پر محافل میلاد کے علاوہ یوم میلاد پر جشن بھی مناتے ہیں۔ تاریخ اسلام کے ہر دور میں علماء و مشائخ اس مبارک موقع پر اس سعادت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے ہیں لیکن شومئی قسمت کہ فی زمانہ امت مسلمہ کے بعض طبقات بہت سے مسائل میں افراط و تفریط کا شکار ہو کر اپنے آقا و مولا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل و کمالات پر جھگڑتے پھر رہے ہیں۔ کبھی نور و بشر کے جھگڑے، کبھی علم غیب کے اثبات اور عدم اثبات پر مناظرے، کبھی حیات النبی پر مناقشات اور کبھی میلاد النبی کے موضوع پر بحثیں۔ آج یہی چیزیں بالعموم مسجد و منبر کے موضوعات بن کر رہ گئی ہیں۔ انہی کے جواز اور عدم جواز پر فریقین (الاما شاء اللہ) اپنی تمام تر علمی ثقاہت اور جوہر خطابت دکھاتے نظر آتے ہیں۔ رب العزت اس امت کے حال پر رحم فرمائے۔ آمین (مقدمہ)

جشن میلاد النبی ﷺ کی شرعی حیثیت“ از پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری، نومبر ۱۹۸۸ء)

دنیا۔۔۔ میلاد النبی ﷺ سے پہلے

(پروفیسر سید عبدالرحمان بخاری)

ظہورِ قدسی کے وقت دنیا کی کیا حالت تھی..... قرآنِ حکیم نے اس کیلئے ایک جگہ ”ضلال مبین“ یعنی کھلی گمراہی کے الفاظ استعمال کئے ہیں..... اور دوسری جگہ ”وَكُنْتُمْ عَلٰی شَفَاءِ حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ (آل عمران ۳: آیت ۱۰۳)“ یعنی آگ سے بھرے ایک گڑھے کے کنارے کی تعبیر اختیار کی ہے..... ایک اور مقام پر اس پورے منظر کو یوں اجاگر کیا کہ: ”ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ - (الروم ۳۰: آیت ۴۱)“، یعنی خشکی اور تری میں ہر طرف فساد چھا گیا ہے جو لوگوں کے برے اعمال کا نتیجہ ہے..... پھر یہی نہیں قرآن نے جگہ جگہ اس گمراہی اور فساد کی تفصیلات بھی کھول کر رکھ دی ہیں..... یہاں تک کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل دنیا کی ہر قوم و ملت کے تمام حالات اور انسانی تمدن کا سارا نقشہ کھل کر سامنے آ گیا ہے..... لیکن اگر آپ سیرتِ مطہرہ پر لکھی گئی کتابوں کا مطالعہ کریں تو شاید حیرت و اضطراب کے اتھاہ سمندر میں ڈوب جائیں..... یہ سب دیکھ کر کہ اگرچہ اکثر کتبِ سیرت میں اسلام سے پہلے دنیا کی تمدنی حالت پر گفتگو کی گئی ہے..... لیکن یہ گفتگو عام طور پر جغرافیائی، سیاسی اور فنی معلومات کے گرد گھومتی ہے..... اور مذہبی یا معاشرتی برائیوں کا تذکرہ اس انداز سے کیا جاتا ہے کہ شرک کے علاوہ چند بری عادات اور غلط رسوم کی نشاندہی کر کے بات سمیٹ لی جاتی ہے..... اس اندازِ بیان سے جو تاثر ملتا ہے وہ یہ ہے کہ اسلام سے پہلے دنیا میں بہت سی برائیاں موجود تھیں..... بالکل اسی طرح جیسے آج بھی دنیا میں بلکہ خود مسلمانوں میں بہت سی برائیاں موجود ہیں..... ان برائیوں کی تعداد کثرت اور تفصیلات بیان کرنے سے وہ بنیادی فرق سامنے نہیں آتا

جو اسلام سے پہلے کی دنیا اور آج کی دنیا میں پایا جاتا ہے..... اور جب تک یہ فرق واضح ہو کر سامنے نہ آئے حضور اکرم ﷺ کا آخری نبی ہونا اور اسلام کا مکمل وہمہ گیر ضابطہ حیات ہونا باور نہیں ہوتا..... ختم نبوت کے مفکر یہ گمانِ فاسد پھیلانے لگتے ہیں کہ جس طرح حضور اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل دنیا میں بہت سی برائیاں موجود تھیں جن کی اصلاح حضور اکرم ﷺ نے فرمائی، اسی طرح اب بھی دنیا میں بہت سی خرابیاں پھیل گئی ہیں جن کی اصلاح کیلئے ایک نئے پیغمبر کی ضرورت ہے..... نظریہ الفی (یعنی ایک ہزار سال کے بعد نئے دین کی ضرورت کا نظریہ)..... اکبر کے دین الہی، بہائیت اور مرزائیت ایسے غلیظ فتنوں کے جڑ پکڑنے کا ایک سبب غلط فہمی بھی رہی ہے کہ دنیا میں پھر برائیاں پھیل گئی ہیں جنہیں کوئی پیغمبر ہی مٹا سکتا ہے..... سیرت طیبہ پر لکھنے والوں نے اگر اسلام سے قبل دنیا کی حالت اور موجودہ برائیوں کا فرق اچھی طرح واضح کر دیا ہوتا تو اس غلط فہمی کی جڑ کٹ جاتی ہے جس نے دنیا میں کئی جعلی پیغمبروں کو ابھرنے اور پینے کا موقع دیا..... بناء بریں ضرورت ہے کہ اسلام سے قبل دنیا کی تمدنی حالت کا جائزہ قرآن حکیم کی روشنی میں لیا جائے..... اور ذرا گہرائی میں اتر کر دیکھا جائے کہ وہ کیا خاص حالات تھے جنہیں قرآن نے کھلی گمراہی (ضلال مبین) بڑی گمراہی (ضلال کبیر) آگ سے بھرے گڑھے کا کنارہ (شفا حفرة من النار) اور خشکی و تری میں فساد پھیلنے سے تعبیر کیا ہے..... میں اس موضوع پر اپنی ایک دوسری کتاب میں ان شاء اللہ تفصیل سے بات کروں گا جس سے امید ہے کافی حد تک اسلام سے پہلے دنیا کی حالت اور موجودہ حالت کا فرق واضح ہو کر سامنے آ جائیگا۔

بحر و بر میں فساد چھا گیا

کرہ ارض پر زندگی دو دنیاؤں میں بٹی ہوئی ہے۔ ایک خشکی اور دوسری تری..... قرآن کہتا ہے کہ ظہور اسلام سے پہلے خشک و تر دونوں دنیاؤں میں فساد چھا گیا تھا..... اور یہ فساد لوگوں نے اپنے ہاتھوں سے برپا کیا تھا..... قابل غور نکتہ یہ ہے کہ انسان صرف خشکی پر آباد ہیں مگر قرآن سے ظاہر ہے کہ ان کے برے کرتوت زندگی کے ہر دائرے کو بگاڑ چکے تھے..... ذرا تصور کیجئے

انسان کی بدی اور گمراہی اپنی شدت اور پھیلاؤ میں کن حدوں تک جا پہنچی تھی..... اور اس کی گہرائی و گیرائی کا عالم کیا تھا..... کہ زندگی کی تمام شکلیں اور کائنات کے سب گوشے اس کی لپیٹ میں آچکے تھے..... یہ کیسا فساد تھا جو کرہ ارض کے پورے ماحول پر چھا گیا تھا..... اگر بات صرف چند ایک اعتقادی گمراہیوں اور عملی برائیوں تک محدود ہوتی..... تو قرآن اسے بحر و بر کے فساد سے تعبیر نہ کرتا..... کفر و شرک ہمیشہ دنیا میں موجود رہا اور آج بھی ہے..... اخلاقی عیب اور عمل کی خرابیاں جو عہدِ جاہلیت میں تھیں آج بھی دنیا کے بہت سے معاشروں میں موجود ہیں..... معاشی، سماجی اور سیاسی انتشار بھی اکثر و بیشتر پھیلتا رہا ہے..... غرض اولادِ آدم اور فساد کے عوامل اکثر ساتھ ساتھ رہے ہیں..... پھر بھلا وہ کونسی خاص شکل تھی فساد اور برائی کی..... جو زمانہ جاہلیت کو دوسرے تمام ادوار سے الگ کرتی ہے..... اور جس کی بناء پر قرآن نے اس زمانے کو عہدِ جاہلیتِ ضلالِ مبین، فسادِ بحر و بر اور ایک آتشیں لڑھے کے کنارے (شفا حصرۃ من النار) سے تعبیر کیا ہے..... میں نے اس سوال کو ذہن میں رکھتے ہوئے قرآن حکیم کا مطالعہ کیا تو کم و بیش پندرہ سو آیاتِ مقدسہ کی روشنی میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ عہدِ جاہلیت کے فساد اور ضلالِ مبین کا تعین حسبِ ذیل بنیادی عناصر سے ہوتا ہے۔

عہدِ جاہلیت کے بنیادی عناصر

- 1۔ تمام ممکنہ انسانی برائیاں ایک عہد میں جمع ہو گئی تھیں۔
- 2۔ فسادِ عمل سے بڑھ کر انسان کے مزاج میں اتر گیا تھا۔
- 3۔ برائی محض شخصی نہ تھی بلکہ اجتماعی شعور کا حصہ بن گئی تھی۔
- 4۔ گمراہی کو ایک معاشرتی جوہر کی حیثیت سے تحفظ حاصل تھا۔
- 5۔ جبر و استحصال کو غالب نظام اور روحِ عصر کا درجہ مل گیا تھا۔
- 6۔ آسمانی ہدایت دنیا سے گم اور انسانی تمدن فنا ہو چکے تھے۔
- 7۔ نوعِ انسانی ایک عالمگیر تہذیبی خلا میں سانس لے رہی تھی۔

8۔ کاروانِ زندگی اپنے سفر میں ایک نئے موڑ پر آ کر ٹھہر گیا تھا۔

9۔ انسانیت کرب و اضطراب کے تپتے صحرا میں بھٹک رہی تھی۔

10۔ دنیائے قدیم سے گریز اور عالمِ نو کی پیاس بڑھ رہی تھی۔

اب ہم قرآنِ حکیم کی روشنی میں انتہائی اختصار کے ساتھ ان نکات کی وضاحت کریں گے۔

1۔ تمام ممکنہ انسانی برائیاں ایک عہد میں جمع تھیں

انسان جب سے زمین پر اترا ہے بدی کی قوتیں اسے ورغلانے کیلئے ہمیشہ ساتھ رہی ہیں اور قیامت تک رہیں گی شیطان اور اس کی ذریت نفس اور اس کی خواہشات بدی کو پھیلانے میں شیطان کے آلہ کار جن و انس غرض طاغوت اور اس کی لاتعداد شکلیں ہیں جو انسان کو ہر آن گھیرے رہتی ہیں مگر ایک بات واضح ہے کہ برائی ہمیشہ اپنا روپ بدلتی رہتی ہے نفسِ امارہ پے در پے نئی خواہشات کو جنم دیتا ہے اور ہر خواہش برائی کی ایک نئی شکل میں ڈھل کر سامنے آتی ہے شیطان اپنے تمام ہتھکنڈے ایک ہی بار نہیں آزما تا چالیں بدل بدل کر چلتا ہے اور ہر نئی چال گمراہی کا نیا راستہ دکھاتی ہے تلبیس کے ان گنت طریقے ہیں اور ہر طریقہ برائی کی لاتعداد شکلوں کو جنم دیتا ہے۔

تاریخِ انسانی پر نظر ڈالیں تو صاف دکھائی دیتا ہے کہ شیطان نے ہر عہد ہر زمانے اور ہر قوم میں چند خاص قسم کی برائیاں پھیلائیں ایک قوم کو اگر کسی گمراہی میں مبتلا کیا تو دوسری کو اس سے محفوظ رکھا لیکن ایک بالکل نئی گمراہی میں ڈال دیا اس طرح ابلیس ہر عہد اور ہر قوم کیلئے جرم و انحراف کی نئی راہیں تراشتا رہا اور انسانیت کو ہمیشہ اپنے چنگل میں رکھنے کیلئے نت نئے حربے آزما تا رہا حد تو یہ کہ شرک اور کفر کی بھی ہزاروں شکلیں گھڑ لیں اور ہر قوم کو ایک نئے انداز سے توحید و رسالت کے انکار پر لگا دیا اور شرک و بت پرستی کی ایک نئی راہ پر گامزن کر دیا قرآنِ حکیم میں اقوامِ سابقہ کے حالات پڑھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ نوح علیہ السلام کی قوم کا شرک و کفر الگ نوعیت کا تھا اور عاد و ثمود کے شرک و بت پرستی اور انکارِ خدا کا ڈھنگ الگ تھا

قومِ شعیب کا جرمِ معاشی تھا اور قومِ لوط کی برائی سب سے جدا..... فرعون کا کفر نرالا تھا..... اور بنی اسرائیل نے تو ہر عہد میں نت نئی گمراہیوں کو جنم دیا..... ادھر عیسائیت نے مذہب، قانون اور سیکولر ازم کے ہر میدان میں جرم و انحراف کے ان گنت روپ تراشے ہیں..... خود عہدِ جدید کی دنیا سینکڑوں قومی، نسلی، جغرافیائی اور مذہبی دائروں میں بٹی ہوئی ہے..... اور ہر دائرے میں بدی کی ان گنت شکلیں نئے رنگ ڈھنگ سے پرورش پا رہی ہیں..... ہر طلوع ہوتا سورج گمراہی کا ایک نیا راستہ دکھاتا ہے..... اور ہر ڈوبتی شام برائی کے اندھیروں کی ایک انوکھی پرت ابھارتی ہے..... بدی کی قوتیں مسلسل اپنا کام کر رہی ہیں..... اور جب تک کہ ارض پر آدم کی اولاد موجود ہے..... برائی کا سفر جاری رہے گا..... اور اس کے نت نئے روپ سامنے آتے رہیں گے۔

لیکن ایک عجیب بات یہ ہے کہ تاریخِ انسانی میں ایک ایسا دور بھی آیا ہے جب زمان اور مکان کے ایک محدود دائرے میں وہ تمام ممکنہ انسانی برائیاں جمع ہو گئی تھیں جو پہلے کبھی پیدا ہوئیں یا آئندہ کبھی ظاہر ہوں گی..... اور تاریخِ انسانی کا یہی وہ دور ہے جس میں دنیا ظہورِ اسلام کے وقت گزر رہی تھی..... اور جسے قرآن نے مہدِ جاہلیت، ضلالِ مبین، فسادِ بحر و براور آتشیں گڑھے کے کنارے سے تعبیر کیا ہے..... یہ وہ دور تھا جب بدی اپنے ہر روپ میں اولادِ آدم پر مسلط تھی..... اور گمراہی کی ہر شکل انسانیت کے چہرے پر بدنما داغ بن کر جمی ہوئی تھی..... حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور تک شرک، کفر، نفاق اور الحاد کی جتنی بھی صورتیں الگ الگ ظاہر ہوئیں اور رفتہ رفتہ مٹی رہیں، وہ سب کی سب دوبارہ پھر اپنے بدترین روپ میں ابھر کر دنیا پہ چھا گئیں..... آپ باقی دنیا کو چھوڑیئے، صرف خطہٴ عرب ہی کے حالات پڑھ لیجئے..... الحاد یعنی خدا کے انکار سے لیکر مظاہر پرستی تک شرک کی تمام ممکنہ شکلیں رائج تھیں..... کفر اور نفاق کا ہر بہروپ یہاں موجود تھا..... بدی اور بد کرداری کا ہر ناسور اس خطے پر مسلط تھا..... شیطان اور اس کی پوری ذریت یہاں ناچ رہی تھی..... ظلم و بربریت اور جبر و استحصال کے سب ہتھکنڈے یہاں بروئے کار لائے جا رہے تھے..... بد امنی اور انتشار کا یہاں دور دورہ تھا..... فتنہ و فساد کا زہر یہاں

زندگی کی رگوں میں سرایت کئے ہوئے تھا..... الغرض انسانی تاریخ میں جو بھی کوئی برائی یا گمراہی پہلے کہیں ہوئی یا آئندہ کبھی ظاہر ہوگی..... وہ اپنے بدترین روپ میں عہدِ جاہلیت کے اندر موجود تھی..... میں قرآن حکیم کی روشنی میں پورے اعتماد کے ساتھ یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ بدی کی کوکھ سے جرم و انحراف کی کوئی ایسی شکل کبھی جنم نہیں لے سکتی جو اپنی ٹائپ (Type) میں عہدِ جاہلیت کے اندر موجود نہ رہی ہو..... گمراہی کی ہر قسم اور برائی کی ہر نوع ظہورِ اسلام کے وقت دنیا میں موجود تھی..... اگر ایسا نہ ہوتا..... تو دینِ حق کی آخری شکل آسمانی ہدایت کی آخری جھلک اور سلسلہ نبوت کی آخری کڑی بھی ظاہر نہ ہوتی..... خدا کا آخری پیغام نوعِ انسانی کو بھی مل سکتا تھا جب برائی کی آخری شکل دنیا میں رائج ہو چکی ہوتی۔

دینِ حق کی تکمیل اس کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی کہ نسلِ آدم کو گمراہی کے ہر راستے کا سراغ اور اس کے مقابل صراطِ مستقیم کا ہر نقشہ دکھانہ دیا جائے..... ختمِ نبوت کا تصور اس کے سوا کیونکر قائم ہوگا کہ پیغمبرِ آخر الزمان ﷺ نے قیامت تک ظاہر ہونے والی ہر ممکنہ برائی کی عملی اصلاح کا بہترین نمونہ انسانیت کو دے دیا ہے..... سوال یہ ہے کہ اگر حضور اکرم ﷺ کے بعد قیامت تک دنیا کے کسی خطے اور کسی زمانے میں کوئی ایسی برائی اور گمراہی پیدا ہو جائے..... جس کی اصلاح کا عملی نمونہ حضور اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ میں موجود نہیں..... تو پھر ختمِ نبوت کا کیا معنی..... تکمیلِ دین کا کیا مطلب..... اور قرآن کے صحیفہ ہدایت ہونے کا کیا فائدہ..... قرآن حکیم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دین مکمل کر دیا اور نوعِ انسانی پر اپنی نعمت پوری کر دی..... الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی..... ذرا سوچئے کہ اگر دین مکمل ہونے کے بعد کوئی ایسی گمراہی سامنے آئے جس کا حل اس دین میں موجود نہ ہو تو دین مکمل کیونکر ہوا..... پس یہ بات ایک اٹل حقیقت اور ناقابلِ تردید واقعہ ہے کہ عہدِ جاہلیت میں بدی اور گمراہی کی ہر ممکنہ صورت موجود تھی جس کا نظری حل قرآن نے دیا اور عملی اصلاح حضور خاتم النبیین ﷺ نے فرمائی..... اور اب قیامت تک قرآن کی یہ عملی رہنمائی اور اسوۂ رسول ﷺ کا عملی نمونہ ہر آنے والے دور کی تمام ممکنہ

برائیوں کا سدباب کرنے کیلئے نوع انسانی کے پاس موجود ہے..... اور اسی عملی رہنمائی اور عملی نمونہ کا حاصل تکمیل دین ہے..... رہنمائی کے دونوں رخ مل کر دین کہلاتے ہیں..... اور یہ رہنمائی جب برائی کی تمام ممکنہ شکلوں کا حل فراہم کر دے تو دین مکمل ہو جاتا ہے۔

ہو سکتا ہے بعض قارئین کا ذوق تجسس یہ چاہے کہ عہد جاہلیت میں برائی کی تمام ممکنہ اقسام موجود ہونے کا ثبوت عملی مثالوں کے ذریعے پیش کیا جائے..... تو اس سلسلہ میں گزارش ہے کہ میں نے قرآن حکیم کے سرسری مطالعہ سے کم از کم دو ہزار ایسی مثالیں منتخب کی ہیں جو عہد جاہلیت میں رائج گمراہی کی بڑی بڑی اقسام کی نشاندہی کرتی ہیں..... اور جو میں ان شاء اللہ ایک الگ کتاب میں تفصیل سے بیان کروں گا۔

2۔ فساد عمل سے بڑھ کر انسان کے مزاج میں اتر گیا تھا

بات صرف یہی نہیں کہ دنیا کی تمام ممکنہ انسانی برائیاں عہد جاہلیت میں اکٹھی ہو گئی تھیں..... بلکہ یہ بھی ہوا کہ ان برائیوں کا سرچشمہ عمل سے نہیں انسان کے مزاج سے پھوٹ رہا تھا..... فساد عمل میں تو تھا ہی..... لیکن اس سے بڑھ کر مزاج میں بھی تھا..... صرف کردار ہی نہیں بگڑا..... فکر اور شعور بھی بگڑ گئے تھے..... دل اور دماغ بھی بگڑ گئے تھے..... صرف عادات نہیں بگڑیں..... جذبات اور احساسات بھی بگڑ گئے تھے..... خرابی صرف ظاہر میں نہیں تھی..... باطن بھی آلودہ ہو گئے تھے..... اور یہ بات تو ہم سب جانتے ہیں کہ خرابی جب تک صرف عمل میں رہے اس کی اصلاح بہت آسان ہوتی ہے..... لیکن جب انسان کی شخصیت اور مزاج میں اتر جائے تو اس کا علاج بہت مشکل ہو جاتا ہے..... برے عمل کو آدمی کسی وقت بھی چھوڑ سکتا ہے..... لیکن برے مزاج سے چھٹکارا پانا تقریباً ناممکن ہوتا ہے..... وجہ یہ ہے کہ عمل کا فساد ایک جزوی اور ثانوی چیز ہے جبکہ مزاج کی خرابی انسان کے پورے وجود کی خرابی ہے..... انسان کی زندگی کو اگر درخت سے تشبیہ دیں تو اعمال اس کی شاخیں ہیں اور مزاج اس کی جڑ..... کوئی ایک یا چند شاخیں ٹیڑھی

ہوں تو انہیں تراش خراش کر سنوارا جاسکتا ہے..... لیکن جڑوں کا فساد دور کرنا کسی ماورائی تصرف ہی سے ممکن ہے..... عمل انسان کی شخصیت کا ایک حصہ ہے اور مزاج اس کی پوری شخصیت پر حاوی..... یوں عمل انسان کے مزاج کے تابع ہے..... اگر مزاج میں خرابی نہ ہو تو عمل کا بگاڑ کسی وقت بھی دور ہو سکتا ہے..... لیکن اگر مزاج بگڑ جائے تو پھر اصلاح کیلئے کسی معجزنمائی کی ضرورت ہوتی ہے..... اور ظہورِ اسلام کے وقت دنیا کی یہی حالت تھی۔

عہدِ جاہلیت میں لوگوں کے مزاج بگڑ چکے تھے..... اور مزاج جس طرح آسانی سے سدھرتے نہیں اسی طرح انہیں بگڑنے میں بھی وقت لگتا ہے..... عرب تو خیر تقریباً چار ہزار سال سے کسی آسمانی ہدایت کے بغیر جی رہے تھے..... اور اتنے طویل عرصے میں ان کا مزاج بگڑنا ہی تھا..... اہل کتاب یہود و نصاریٰ بھی سینکڑوں سال سے گمراہی کے صحرا میں بھٹک رہے تھے..... اور یوں رفتہ رفتہ ان کی عادتیں ہی نہیں، طبیعتیں بھی بگڑ چکی تھیں..... رہی باقی دنیا تو اس وقت کی سپر طاقتیں دو تھیں..... ایک روم جو نصرانیت کے بگاڑ میں کھوئی ہوئی تھی..... اور دوسرے فارس جو ملوکیت کے حصار میں قید تھی..... اور ملوکیت کا جبر ہمیشہ مزاجوں کو بگاڑ دیتا ہے..... ادھر چین اور ہندوستان ماضی کی بھول بھلیوں میں کھوئے ہوئے تھے..... اور ادھر مصر و یونان کی دانش خرافات میں ڈوب چکی تھی..... سینکڑوں برس سے ان قوموں کا تمدن فساد و انتشار کے عمل سے گزر رہا تھا..... اور یہ فساد ان قوموں کے مزاج میں بہت گہرا اثر چکا تھا..... اسی لئے تو قرآن میں کہا گیا ہے کہ *ظہر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس*..... یعنی آدم کی اولاد نے اس زمانے میں جو کچھ کمایا ہے وہ بس خشکی اور تری کا فساد ہے..... عمل اور مزاج دونوں کا فساد..... ظاہر بھی فساد اور باطن بھی فساد۔

اگر آپ جاننا چاہیں کہ عہدِ جاہلیت کا یہ فساد لوگوں کے مزاج اور باطن میں کس حد تک سرایت کر چکا تھا تو اس کے لئے تاریخ کے صفحات کھنگالنے کی ضرورت نہیں..... صرف قرآن حکیم کا مطالعہ ہی کافی ہے..... میں یہاں اختصار کے پیش نظر تمام تفصیلات کا احاطہ

کرنے سے قاصر ہوں۔

3۔ برائی محض شخصی نہ تھی بلکہ اجتماعی شعور کا حصہ بن گئی تھی

عہد جاہلیت میں برائی افراد کی شخصی زندگی تک محدود نہ تھی..... بلکہ سوسائٹی کے اجتماعی شعور کا حصہ بن گئی ہے..... گمراہی شروع تو چند افراد ہی سے ہوتی ہے..... لیکن رفتہ رفتہ پھیلتی اور بڑھتی چلی جاتی ہے..... پھر اگر صدیوں تک گمراہی بغیر کسی روک ٹوک کے چلتی اور آگے بڑھتی رہے..... تو پورا معاشرہ اس کی لپیٹ میں آ جاتا ہے..... اور جب سارا معاشرہ کسی برائی کو قبول کر لے..... اور اس کے خلاف اٹھنے والی کوئی آواز اتنی موثر اور طاقتور نہ ہو جو اس کا حصار توڑ سکے..... تو پھر وہ برائی سوسائٹی کے اجتماعی شعور کا حصہ بن جاتی ہے..... اور یہی وہ مرحلہ ہوتا ہے جب گمراہی سند اعتبار پالیتی ہے..... اور یوں وہ معاشرے کے نظام اقدار (System of values) میں شامل ہو جاتی ہے..... عہد جاہلیت میں بالکل یہی حال تھا..... ہر قوم نے بہت سی برائیوں کو اپنے اجتماعی شعور اور نظام اقدار میں شامل کر لیا تھا..... اور وقت کی ستم ظریفی یہ تھی کہ دنیا کی اکثر قوموں نے یہودیوں کو آئیڈیل سمجھ لیا تھا جبکہ یہودی اپنے مزاج اور کردار کے اعتبار سے دنیا کی بدترین قوم تھے..... ہزاروں سال پر محیط سلسلہ رشد و ہدایت کے تسلسل اور تقریباً سو لاکھ انبیاء کرام کی رہنمائی سے بھی یہودی کچھ فائدہ نہ اٹھا سکے۔

قرآن حکیم سے کھلتا ہے کہ یہودیوں نے گمراہی کا وہ تانا بانا تیار کیا جس نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا..... یہودی ہمیشہ سچائی کو چھپاتے اور باطل کو حق کا لبادہ اوڑھا کر پیش کرتے جس سے لوگ دھوکہ میں آ کر باطل کو قبول کر لیتے..... اور یوں دھیرے دھیرے گمراہی عین حق بن کر معاشرے کے اجتماعی ضمیر میں جاگزیں ہو جاتی..... عیسائی تو خیر تھے ہی یہود کے ہیرو..... قرآن بتاتا ہے کہ پورا عرب معاشرہ یہود کو دانا سمجھتا اور ان کی بات کو حرفِ آخر جانتا تھا..... یہاں تک کہ خود نبی آخر الزمان ﷺ کے ظہورِ قدسی کے بارے میں یہودی کی

بشارات نے لوگوں کو بے تاب کر رکھا تھا..... اور بیعت عقبہ میں اہل یشرب کا قبولِ اسلام بھی اسی بناء پر تھا..... پھر کفار مکہ اسلام کی مخالفت میں بھی یہودی ہی سے رہنمائی لے رہے تھے..... اس سے ظاہر ہے کہ یہود نہ صرف اپنے اصل وطن فلسطین میں بلکہ دنیا بھر میں جہاں جہاں بھی پھیلے ہوئے تھے ہر جگہ انہیں سماجی اعتماد حاصل تھا..... اور یوں ہر جگہ وہ گمراہی کو حق بنا کر قوموں کے اجتماعی شعور میں انڈیل رہے تھے..... قرآن حکیم میں کم از کم پانچ سو آیات ایسی ملتی ہیں جن سے اس امر کی نشاندہی ہوتی ہے کہ یہود نے کتنی بڑی بڑی اور بھیانک خرابیاں نوع انسانی کے مزاج میں اتاریں..... اور انہیں حق کا روپ دے کر عہدِ جاہلیت کے نظام اقدار کا حصہ بنا دیا۔

4۔ گمراہی کو ایک معاشرتی جوہر کی حیثیت سے تحفظ حاصل تھا

صاف ظاہر ہے کہ جب برائی کو برائی نہ سمجھا جائے..... اور وہ اجتماعی شعور کا حصہ بن جائے..... تو پھر سوسائٹی خود اس برائی کی حفاظت کرنے لگتی ہے..... اور یہی کچھ عہدِ جاہلیت میں ہو رہا تھا..... انسانی تاریخ کا یہ ایک عجیب دور تھا..... نہ اس سے پہلے کبھی ایسا دور آیا اور نہ آئندہ کبھی آئے گا..... جاہلیت کا ایسا دور جس کی اصلاح کیلئے خدا نے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا..... اور اپنی آخری کتاب قرآن حکیم نازل کی..... یہ ایسا بھیانک دور تھا جب ایک طرف تمام ممکنہ انسانی برائیاں اپنے عروج پر تھیں..... اور دوسری طرف ان برائیوں کو پورا سماجی تحفظ حاصل تھا..... بات صرف عرب کی نہیں..... پوری دنیا کا یہی حال تھا..... لوگ برائی کو برائی نہیں سمجھتے تھے کیونکہ صدیوں کے تعامل نے برائی کو معاشرتی جوہر (Social entity) کی حیثیت دے دی تھی۔

آباء و اجداد کا عمل ہمیشہ لوگوں کیلئے ایک گونہ تقدیس (Sanctity) رکھتا ہے..... اور عہدِ جاہلیت میں تو لوگوں کے پاس تنہا یہی ایک سند اعتبار تھی..... عرب معاشرہ تو خیر قائم ہی دینِ آباء پر تھا کہ ان کے پاس ہزاروں سال سے کوئی آسمانی ہدایت نہیں اتری تھی..... لیکن یہود و

نصاری جن کے پاس پیغمبرانہ ہدایت اور آسمانی کتابیں موجود تھیں وہ بھی انہیں تحریف و تغیر اور نسیان کی بھینٹ چڑھا چکے تھے..... ادھر دوسری قوموں کا حال یہ تھا کہ ان کے ہاں علم و دانش کے جو سرچشمے کبھی پھوٹے تھے خود ان کی معنویت اور اعتباریت (Credibility) بھی نسل در نسل زبانی روایت ہی پر استوار تھی..... اس طرح بالآخر اہل کتاب اور اہل دانش سبھی اقوام دینِ آباء کے سہارے چل رہی تھیں..... اور دینِ آباء اگر اپنی اصل (Origin) کے اعتبار سے دینِ حق بھی ہو..... تب بھی صدیوں کے سفر میں ہر نسل کے انحرافات اس کا حصہ بنتے چلے جاتے ہیں..... اور ہر انحراف (deviation) اپنے جلو میں کئی برائیاں لئے ہوتا ہے..... یہ سب برائیاں رفتہ رفتہ دینِ حق کی سچائیوں کو منظر سے ہٹاتی اور خود ان کی جگہ لیتی چلی جاتی ہیں۔..... اس طرح آخر کار دینِ حق مکمل طور پر دینِ آباء میں بدل جاتا ہے..... اور دینِ آباء کی گمراہیاں معاشرتی جواہر کی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں..... اور یوں پورا معاشرہ ان گمراہوں کا محافظ بن جاتا ہے..... پھر جو شخص بھی ان گمراہیوں کو چیلنج کرے، خواہ پیغمبر ہی کیوں نہ ہو، اسے پورے سماج کی دشمنی مول لینا پڑتی ہے..... اور یہی کچھ تو عرب میں ہوا..... حضور اکرم ﷺ نے جب عہدِ جاہلیت کی برائیوں کو مٹانا چاہا..... تو سارا معاشرہ آپ ﷺ کا مخالف ہو گیا..... کیا عرب کے بدو اور کیا یہود و نصاریٰ..... ہر طبقہ ہر قوم اور نسل ایک نقطے پر متحد ہو گئی..... اور وہ نقطہ یہ تھا کہ ہم اپنے آباء و اجداء کا دین کسی صورت نہیں چھوڑ سکتے..... خواہ علم و تجربہ، عقل و دانائی اور آسمانی ہدایت کے سب حوالے ہماری گمراہی ثابت کر دیں..... پھر بھی ہم دینِ آباء کا تقدس مجروح نہیں ہونے دیں گی..... یہ تھا وہ نقطہ جس پر عہدِ جاہلیت کے سب لوگوں نے ایکا کر لیا تھا..... چنانچہ قرآن حکیم نے جگہ جگہ اس بات کی نشاندہی کی ہے۔

5۔ جبر و استحصال کو غالب نظام اور روح عصر کا درجہ مل گیا تھا

ذرا تصور کیجئے اگر کوئی معاشرہ اپنی گمراہیوں کو دینِ حق کا درجہ دے دے..... اور ان کی حفاظت کے بارے میں اس قدر حساس ہو کہ نہ تو ان گمراہیوں کے خلاف کسی کو آواز بلند کرنے دے..... اور نہ ان سے گریز و گردانی کی روش پر کسی کو چلنے دے..... تو ایسے معاشرے میں جبر و

استحصال کی کتنی بھیانک شکلیں پروان چڑھیں گی..... عہدِ جاہلیت میں دنیا کی یہی حالت تھی..... اور میرا خیال ہے کہ یہ حالت صرف عہدِ جاہلیت ہی میں تھی..... کیونکہ ہمارے پاس تاریخِ عالم کا جو مسلمہ ریکارڈ موجود ہے اس کے مطابق یہ تو ہمیشہ ہوتا رہا کہ بدی کی قوت، حق سے ٹکراتی رہی..... لیکن ایسا شاید ہی کبھی ہوا ہو کہ پورا معاشرہ اس بات پر ایکا کر لے کہ معاشرے کا جو بھی کوئی فرد دینِ حق کو اپنائے گا اس پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جائیں گے۔

خود قرآنِ حکیم اس بات پر گواہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ہر پیغمبر کو اپنی قوم کی طرف سے مخالفت کا سامنا کرنا پڑا..... اور کئی انبیاء کرام نے جامِ شہادت بھی نوش کیا..... لیکن عہدِ جاہلیت سے پہلے ایسا بہت کم ہوا کہ کسی نبی پر ایمان لانے والوں کو ان کی قوم نے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا ہو..... قومِ نوح، قومِ ہود، قومِ صالح اور قومِ شعیب کے بارے میں یہ تو ملتا ہے کہ وہ اپنے پیغمبروں پر ایمان لانے والوں کو نا سمجھ اور حقیر جانتے تھے..... لیکن ان کے خلاف جبر و استحصال کے ایسے ہتھکنڈے استعمال نہیں کرتے تھے جیسے عہدِ جاہلیت کے کفار اہل ایمان کے خلاف برتتے رہے..... اصحابِ کہف اور اصحابِ اخدود وغیرہ کے چند واقعات جو ملتے ہیں ان کا تعلق بھی یا تو عہدِ جاہلیت سے ہے یا اس کے بہت قریب تر زمانے سے..... اور وہاں بھی ظلم ڈھانے والا شخص بادشاہِ وقت ہے..... اور بادشاہ تو ہمیشہ ایسے ہی رہے ہیں..... کیونکہ عہدِ قدیم میں بادشاہ خود کو آسمانی قوت کا نمائندہ ظاہر کر کے اپنے اقتدار کو دوام بخشنے کیلئے ماورائی بنیادیں ڈھونڈا کرتے تھے..... اور ایسے میں اگر کوئی سچائی کا علمبردار سامنے آ جاتا تو بادشاہ کو اپنے اقتدار کیلئے خطرہ محسوس ہونے لگتا..... اور یوں وہ فرعون یا نمرود کا روپ دھار لیتا..... بادشاہوں نے تو خیر یہی کچھ کرنا تھا..... لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ عرب کے کفار جن کا کوئی بادشاہ بھی نہ تھا، سب کے سب پیغمبر اسلام ﷺ اور ان کے ایک ایک پیروکار کے دشمن بن گئے تھے..... حضور اکرم ﷺ کے دشمن اس لئے کہ آپ ﷺ نے ان کے بتوں کو لٹکا دیا اور ان کی گمراہیوں کے خلاف آواز اٹھائی تھی..... لیکن سمیعہ، عمار اور یاسر بلال، صہیب اور نہدیہ، زبیرہ اور ام عیسیٰ، حد تو یہ زبیر بن عوام، سعید بن زید اور عثمان بن عفان جیسی ہستیوں پر صرف اس لئے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے کہ ان

لوگوں نے عہدِ جاہلیت کی گمراہی سے کنارہ کشی اختیار کر کے دینِ حق کو اپنالیا تھا..... پھر وہ ساری جنگیں جو کفار نے اہلِ حق پر مسلط کیں..... اور وہ تمام سازشیں جو یہودی، عیسائی اور منافقین اہلِ حق کے خلاف کرتے رہے۔

ان سب کا سررشتہ اسی جبر و استحصال کے نظام سے جڑا ہوا تھا جس نے عہدِ جاہلیت میں چاروں طرف اپنے نیچے گاڑ رکھے تھے..... جبر کا یہ نظام اپنی پشت پر صدیوں کی روایات اور نسلوں کا تعامل لئے ہوئے تھا..... اور صدیوں کے اسی تسلسل نے جبر و استحصال کے اس نظام کو غیر معمولی قوت اور ہمہ گیر غلبہ فراہم کیا تھا..... یہاں تک کہ اس نظامِ جبر و استبداد کی کوکھ سے کئی معاشرتی ادارے اور اقتصادی شاخیں پھوٹ چکی تھیں..... غلامی کا انسانیت سوز رواج اور ساہوکارے کا بدترین نظام اس کے شاخسانے تھے..... قبائلی عصبیت کے بندھن، عورتوں کی پست معاشرتی حیثیت اور ثنار (نسل در نسل انتقام) کے وحشیانہ طریقے اسی نظامِ جبر کا حصہ تھے..... حریتِ فکر و اظہار پہ قدغن اور سیاسی و مذہبی جکڑ بندیوں کے ان گنت حصار تھے جنہوں نے معاشرے کو اپنی گرفت میں لے رکھا تھا..... اور جو سب کے سب اسی نظامِ جبر کے ہتھیار تھے..... حضور سید عالم ﷺ کی شانِ اقدس بیان کرتے ہوئے قرآنِ حکیم نے ایک جگہ کہا ہے کہ:.....

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ
(الاعراف: ۸: آیت ۱۵۷)..... یعنی آپ ﷺ انسانوں کے بوجھ اتارنے اور انہیں بندشوں سے چھڑاتے ہیں..... اس سے مراد ہر قسم کے بوجھ اور جکڑ بندیاں ہیں جو تاریخ کے مختلف ادوار میں یکے بعد دیگرے انسانوں کی تکالیف میں اضافہ کرتی رہیں..... اور جن کا نقطہ عروج عہدِ جاہلیت پر نظامِ جبر کا یہ پہلو تھا کہ لاتعداد جھوٹے خداؤں کے پجاری اپنے ماحول میں کسی ایک بھی ایسے شخص کو برداشت کرنے کیلئے تیار نہ تھے جو ان بتوں کو چھوڑ کر سچے خدا کی آغوشِ رحمت میں پناہ ڈھونڈے..... یوں لگتا ہے جیسے عہدِ جاہلیت کی روحِ عصر یہی نظامِ جبر تھا..... یا اس نے روحِ عصر کو اپنی قید میں اس طرح جکڑ لیا تھا کہ تہذیب اور شائستگی کی سب قدریں رفتہ رفتہ دم توڑ رہی تھیں..... ایسے میں اگر حضور ﷺ نہ آتے..... تو نوعِ انسانی کی حیاتِ نو اور آزادی کا عالمگیر پیغام کہاں سے ملتا.....؟

6- آسمانی ہدایت دنیا سے گم اور انسانی تمدن فنا ہو چکے تھے

یہ تو ہر ایک مانتا ہے کہ اسلام کے دنیا میں آتے ہی جاہلیت کا زمانہ ختم ہو گیا..... لیکن جاہلیت کا یہ زمانہ کتنے عرصے پر محیط تھا..... اس کی جغرافیائی حدود کیا تھیں..... اور اسے عہدِ جاہلیت کیوں کہتے ہیں..... اس بارے میں سیرت نگار، محققین اور مفسرین طرح طرح کی آراء پیش کرتے ہیں..... ایک عالم تصور یہ ہے کہ جاہلیت کا تعلق صرف خطہ عرب سے ہے..... چنانچہ اس تصور کو اجاگر کرنے کیلئے ”عرب جاہلیہ“ کی اصطلاح بھی وضع کر لی گئی ہے..... گویا ان لوگوں کے خیال میں ظہورِ اسلام کے وقت صرف عرب کے باشندے جاہلیت کی زندگی گزار رہے تھے..... باقی دنیا سب کی سب انتہائی متمدن اور ہدایت یافتہ تھی..... اس تصور کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسلام کی ضرورت صرف عرب کیلئے تھی..... باقی دنیا کیلئے نہیں..... لہذا اسلام عربوں ہی کیلئے آیا ہے..... اسلام قرآن اور نبوت محمدی ﷺ کی آفاقت پر اس سے بڑی ضرب اور کیا ہوگی..... پھر اس سے بھی بڑھکر مضحکہ خیز بات یہ کی گئی ہے کہ:

”قبل از اسلام عربوں پر لفظ جاہلیہ کا اطلاق اس لئے نہیں کیا جاتا تھا کہ وہ علوم و فنون اور تہذیب و تمدن سے عاری تھے بلکہ یہ لفظ عربوں کے تہور اور اکھڑپن پر دلالت کرتا تھا۔ اس میں پائی جانے والی عادات و خصائل میں اعتدال اور توازن کا فقدان تھا۔“ (اسلامی معاشرہ کی تاسیس و تشکیل، ۳۶)

اس اقتباس کی رو سے تو گویا زمانہ جاہلیت کے عرب بھی علوم و فنون اور تہذیب و تمدن سے عاری نہ تھے..... صرف ان کے تہور اور اکھڑپن کی بناء پر جاہلیت کا اطلاق کیا جاتا تھا..... اب ذرا سوچئے کہ جن محققین کے نزدیک دورِ جاہلیت کے عرب بھی علوم و فنون اور تہذیب و تمدن سے عاری نہ تھے..... باقی دنیا کو وہ علوم و فنون اور تہذیب و تمدن میں کس درجہ کمال پہ فائز سمجھتے ہوں گے؟..... حالانکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ نہ تو جاہلیت کا اطلاق تنہا عربوں پر ہوتا ہے..... اور نہ اس اطلاق کی وجہ محض ان کا تہور اور اکھڑپن ہے..... قرآن حکیم نے جاہلیت کا اطلاق عربوں کے علاوہ یہود کے رویہ پر بھی کیا ہے..... سورہ مائدہ میں بنو نضر اور بنو قریظہ کے ایک باہمی تنازعہ کے پس منظر میں کہا گیا ہے: ”أَفْحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمِنْ أَحْسَنٍ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ (المائدہ ۵: آیت ۵۰)..... یعنی کیا یہ

لوگ جاہلیت کا حکم چاہتے ہیں اور اللہ سے بہتر کس کا حکم (قانون) ہے یقین والوں کیلئے۔
 واقعہ یہ تھا کہ بنو نضیر اور بنو قریظہ دونوں یہودی قبیلے تھے۔ اسلام سے قبل دونوں کے
 مابین قتل کی صورت میں خون بہا کا قانون غیر مساوی تھا..... بنو قریظہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ
 میں فیصلہ کے لئے حاضر ہوئے..... آپ ﷺ نے فیصلہ دیا کہ سب کا خون برابر ہے کسی کو
 دوسرے پر فضیلت نہیں..... یہ سن کر بنو نضیر بہت برہم ہوئے..... اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت
 نازل فرمائی اور بنو نضیر کے طرز عمل کو جاہلیت سے تعبیر فرمایا..... اس سے ایک بات اچھی طرح کھل
 کر سامنے آگئی کہ جاہلیت کا اطلاق صرف مشرکین عرب پر نہیں ہوتا..... بلکہ اہل کتاب یہود و
 نصاریٰ پر بھی ہوتا ہے..... اور جب قرآن کی رو سے اہل کتاب یہود و نصاریٰ پر جاہلیت کا اطلاق
 ہوتا ہے..... تو پھر دنیا کی اور کون سی قوم ایسی تھی جس پر جاہلیت کا اطلاق نہ ہوگا..... دوسری اہم
 بات اس سے یہ واضح ہوتی ہے کہ جاہلیت کا اطلاق قرآن حکیم نے جس حالت پر کیا ہے اس کے
 دو پہلو ہیں: ایک آسمانی ہدایت کو ضائع کر دینا اور دوسرا تہذیب و تمدن سے محروم ہونا..... قرآن
 حکیم نے جہاں بھی یہ لفظ استعمال کیا ہے وہاں ان دو میں سے ایک معنی ضرور پایا جاتا ہے۔

عرب تو خیر آسمانی ہدایت اور تہذیب و تمدن سے محروم تھے ہی..... خود اہل کتاب یہود و نصاریٰ
 بھی آسمانی ہدایت کو گم اور پیغمبروں کے دیئے ہوئے تہذیب و تمدن کو ضائع کر چکے تھے..... اور یہی باقی
 ساری دنیا کا حال تھا..... جب ظہور اسلام سے قریب ترین زمانہ میں خدا کی طرف سے آنے والی کتاب
 انجیل اپنی اصل حالت میں دنیا کے اندر موجود نہیں تھی..... تو زبور و تورات اور دیگر آسمانی صحیفے کہاں ہوں گے
 یہود و نصاریٰ اپنی کتابوں میں جو بے محابا لفظی اور معنوی تحریف کرتے رہے وہ تو ایک طرف..... خود
 یروشلم کی بار بار تباہی اور بنی اسرائیل کی در بدری نے عہد نامہ قدیم کو بالکل گم ہی کر دیا تھا..... اور اب عہد نامہ
 قدیم کے عنوان سے جو مجموعہ صحائف یہودیوں کے ہاں رائج ہے وہ بعد میں از سر نو لکھا گیا ہے..... رہی
 انجیل تو حیرت انگیز بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی کے ساتھ ہی دنیا سے اس کا نام و
 نشان بھی مٹ گیا..... اور بعد میں ان کے حواریوں نے جو واقعات اور تذکرے لکھے اور جو خود لکھنے والوں کی
 طرف منسوب ہیں..... انہی کو عہد نامہ جدید کے عنوان سے اپنالیا گیا..... یہ بے چارے عیسائیوں کی بے

بسی کی انتہا ہے..... اب رہی باقی دنیا..... تو حقیقت میں نہ کسی اور قوم نے کبھی سنجیدگی سے یہ دعویٰ ہی کیا کہ اس کی مقدس کتاب آسمان سے اتری ہے..... اور نہ کسی کے پاس فی الواقع آسمانی ہدایت موجود ہے..... ہندو دھرم کی وید اپنشد اور سکھ مت کی گرنٹھ ہو یا زرتشت کی زنداوسا..... سبھی انسانی عقل و دانش کی تخلیقات ہیں..... اور سبھی مرور وقت کے ساتھ طرح طرح کی تبدیلیوں اور تحریفوں سے گزر کر موجودہ بگڑی ہوئی شکل میں سامنے آئی ہیں..... اس طرح یہ بات آخری حد تک ثابت ہو چکی ہے کہ ظہور اسلام کے وقت دنیا میں کہیں اور کسی قوم کے پاس خدا کی بھیجی ہوئی یا بائبان مذاہب کی لکھی ہوئی کوئی مقدس کتاب اپنی اصل شکل میں موجود نہیں تھی..... اور اسی لئے قرآن نے اس زمانے کو جاہلیت کا دور کہا ہے۔

آسمانی ہدایت تو خیر کسی قوم کے پاس نزول قرآن کے وقت اپنی اصل حالت میں موجود ہو بھی نہیں سکتی تھی..... ورنہ آخری صحیفہ ہدایت کے طور پر نزول قرآن کی افادیت کم ہو جاتی..... لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ اسلام سے بہت پہلے دنیا میں کئی تہذیبیں اور تمدن وجود میں آئے..... اور انہوں نے بہت ترقی کی..... مثلاً آشوری تہذیب، کلدانی تہذیب، بابلی تہذیب، مصری تہذیب، ہندوستانی تہذیب اور چینی تہذیب وغیرہ..... لیکن ظہور اسلام سے قبل یہ ساری تہذیبیں اور تمدن صفحہ کائنات سے حرف غلط کی طرح مٹ گئے..... کچھ تہذیبیں اپنے معماروں سمیت زمین کے اندر دھنس گئیں..... اور صرف ان کے نام فضا میں گونجتے رہے..... لیکن جو تہذیبیں سطح زمین کے اوپر تھیں..... وہ بھی انسانوں کے کسی گروہ یا معاشرہ میں عملاً برپا نہ تھیں..... بلکہ ان کے نقوش و آثار بھی صرف نام کی حد تک باقی تھے..... اور وہ بھی لوگوں کے حافظے میں..... کرۂ ارض کے کسی خطے میں اور اولادِ آدم کے کسی طبقے میں کوئی تہذیب اور کوئی تمدن اپنی پورنی ہیئت، مکمل نظام اور باقاعدہ تشخص کے ساتھ موجود نہیں تھا..... یہ بات میں پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ کہتا ہوں..... چین اور ہندوستان کے بارے میں بھی..... روم اور ایران کے بارے میں بھی..... اور سب سے بڑھکر یونان کے بارے میں بھی..... ہو سکتا ہے کسی کو خیال گزرے کہ یونان تو اس وقت علم و دانش کا گہوارہ تھا..... پھر اس سے تہذیب و تمدن کی نفی کیوں؟ دیکھئے علم و فن جب تک مجرد فلسفہ اور خیال کی سطح پر رہے اسے تہذیب و تمدن نہیں کہا جاسکتا..... تہذیب و تمدن کا وجود ہی اس وقت

ابھرتا ہے جب علم و حکمت کو ایک معاشرے اور ریاست کا عملی پیکر نصیب ہوتا ہے..... انسان کے محدود ذہن کا تراشا ہوا فلسفہ تو خیر کوئی چیز ہی نہیں..... خود آسمان سے اتری ہوئی حکمت و ہدایت بھی جب تک کسی ریاست اور معاشرہ کے قالب میں نہ ڈھلے..... وہ تہذیب و تمدن نہیں کہلاتی..... اور اس کا وجود بھی ہر آن خطرے میں رہتا ہے..... قدیم آسمانی کتابوں کے گم ہونے کا ایک سبب یہ بھی تھا..... یونان میں فلسفی بے شک اسلام بلکہ عیسائیت سے بھی قبل پیدا ہو چکے تھے..... اور لوگوں میں انہیں مقبولیت بھی حاصل تھی..... مگر ان کا فلسفہ صرف کتابوں اور ذہنوں تک محدود تھا..... عملاً اس کی بنیاد پر کوئی تہذیب و تمدن پروان نہیں چڑھ سکی تھی..... بلکہ سچ تو یہ ہے کہ یونان کا فلسفہ صرف باتوں کی حد تک تو اہل یونان کے ہاں مقبول تھا..... لیکن عملاً خود یونان کا معاشرہ بھی اس فلسفے کے مطابق زندگی بسر کرنے کو تیار نہ تھا..... یہی وجہ ہے کہ تاریخ میں بابل اور مصر کی تہذیبوں کا تو ذکر ملتا ہے..... لیکن یونانی تہذیب کا نام بھی کہیں نہیں آتا..... ہر جگہ فلسفہ یونان کی اصطلاح بولی جاتی ہے..... اور فلسفہ یونان بھی درحقیقت متا جا رہا تھا..... اسے خود اہل اسلام نے دوبارہ زندگی بخشی ہے..... چھٹی تو اہل یورپ مسلمانوں کا سب سے بڑا احسان یہ مانتے ہیں کہ انہوں نے فلسفہ یونان کو مٹنے سے بچا لیا..... اور اسے اہل مغرب تک پہنچایا..... الغرض مجھے کہنے دیجئے کہ ظہور اسلام سے قبل دنیا میں آسمانی ہدایت بھی اپنی اصلی شکل میں کہیں موجود نہیں تھی..... اور انسانی تہذیب و تمدن کے سبب نقشے بھی دنیا سے معدوم ہو چکے تھے..... ایک یونان کا فلسفہ باقی تھا..... جس کا نوے فی صد حصہ آج خود اہل مغرب کے ہاتھوں بے وقعت اور بے بنیاد ثابت ہو چکا ہے..... اور ظہور اسلام کے وقت تو وہ بھی رفتہ رفتہ سکرٹا، سمٹتا اور مٹتا جا رہا تھا..... اور یہ تو وہ حالت تھی جسے قرآن نے عہد جاہلیت، ضلال، مبین اور فساد، حروب سے تعبیر کیا ہے۔

قارئین یہ تھی دنیا میرے آقا ﷺ کی ولادت سے پہلے۔۔۔ برائی، فساد، جہالت اور جبر و استحصال کی تمام شکلیں جب انتہاؤں کو چھو رہی تھیں۔۔۔ تو مکہ کی سرزمین سے صبح انقلاب نمودار ہوئی۔۔۔ اس نے کون کون سا انقلاب کیسے اور کس طرح پکا کیا۔۔۔ آئیے دیکھتے ہیں۔

آئندہ مضمون

ظہورِ قدسی

کائناتی انقلاب اور خدا کی رحمتوں کا سردی لمحہ

(پروفیسر سید عبدالرحمن بخاری)

وہ ایک ”لمحہ“ جو خدا کو بہت پیارا ہے۔۔۔ ازل سے ابد تک کا سب سے پیارا لمحہ۔۔۔ جی ہاں! قرآن یہی بتاتا ہے اور پیارا کیوں نہ ہو کہ وہ عرصہ حیات کا سب سے قیمتی اور معتبر لمحہ ہے۔۔۔ مخلوق پر خدا کے سب سے بڑے انعام کا لمحہ۔۔۔ کون سا انعام؟۔۔۔ پڑھے قرآن:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾۔۔۔ [آل عمران: ۱۶۴]

”بے شک اللہ تعالیٰ ﷺ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا، جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے“۔۔۔

اس آیت میں اور اس طرح کی دیگر آیات میں کلمہ ”اذ“ استعمال ہوا ہے۔۔۔ ”اذ“ سے مراد ہے خاص لمحہ۔۔۔ اور ازل سے ابد تک کا سب سے خاص لمحہ وہ ہے، جب خدا کے محبوب محمد مصطفیٰ ﷺ زمین پر اترے۔۔۔ یہی اس آیت سے ظاہر ہے۔۔۔ ایک بار پھر اس کو پڑھیے اور دل کے لیے یہ گنگنائیے۔۔۔ لفظوں کی مٹھاس آپ کی روح میں اتر جائے گی اور حقیقت کی رعنائی پوری طرح آشکار ہو جائے گی۔۔۔ کہ جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند۔۔۔ وہی مخلوق پہ رب

کا ”لمحہ احسان“ ہے۔۔۔ اور اسی لمحہ احسان کی تفصیل دکھانے کے لیے پورا قرآن اترا ہے۔۔۔ میں نے قرآن جتنی بار بھی پڑھا، اول سے آخر تک ہمیشہ اسی آیت کی تفسیر نظر آیا۔۔۔ اور اگر آپ کی چشم تصور بھی اس لمحے کی گہرائی میں ڈوب سکے تو یقیناً ایسا ہی نظر آئے گا۔۔۔ تو آئیے! کچھ دیر کے لیے ہم ظہور قدسی کی دل افروز ساعت کے جلوے سمیٹیں۔۔۔

حکمت الہی کے سرمدی لمحے

خدائے قدوس تو زمان و مکان سے ماورا ہے، لیکن تخلیق کا سارا عمل وقت کے لامتناہی بہاؤ کا حصہ ہے۔۔۔ ہر چیز کا وجود تین ابعاد (Dimension) رکھتا ہے اور یہ تینوں ابعاد وقت (Time) کے تابع ہیں۔۔۔ آئن سٹائن کے نظریہ اضافت (Theory of Relativity) نے امر حقیقت کی آخری حد تک ثابت کر دیا ہے کہ جب سے خدا نے تخلیق کا سلسلہ شروع کیا، وقت کا دھارا بہنے لگا اور یہ بہاؤ لامتناہی ہے۔۔۔ وقت کا جو حصہ کسی فعل یا واقعہ (Event) سے جڑا ہو، وہ ایک اکائی (Unit) ہے اور قرآن حکیم میں کلمہ ”اذ“ کا استعمال انہی اکائیوں کی نشان دہی کرتا ہے۔۔۔ وقت کی ہر اکائی ایک آن یا ساعت ہے، اسی کو ہم ایک لمحہ، پل یا گھڑی کہتے ہیں۔۔۔ وقت کا ہر لمحہ اپنے اندر رونما ہونے والے خاص واقع یا عمل کی بناء پر اہمیت اختیار کرتا ہے، ایسے بے شمار لمحات کی داستان ہمیں قرآن سناتا ہے۔۔۔ مثلاً

وہ لمحہ، جب خدا نے زمین پر اپنا خلیفہ بنانے کا فیصلہ کیا۔۔۔ [بقرہ: ۳۰]

وہ لمحہ، جب اس نے فرشتوں کو آدم کے روبرو سجدہ کرنے کا حکم دیا۔۔۔ [بقرہ: ۳۴]

وہ لمحہ، جب خدا کے حضور پہلی قربانی پیش کی گئی۔۔۔ [المائدہ: ۲۷]

وہ لمحہ، جب خدا نے کافروں کے استیصال کے لیے زمین پر پہلا عذاب اتارا۔۔۔ [ہود: ۴۰]

وہ لمحہ، جب خلیل اللہ ﷺ پر سب سے بڑی آزمائش اتری، وہ اس میں پورے سرخ رو ہوئے

اور نوع انسانی کے لیے تاب ناک و درخشندہ مثال بن کر اسے سرخ رو کر گئے۔۔۔ [بقرہ: ۱۲۳]

وہ لمحہ، جب خدا نے اپنا گھر، کعبۃ اللہ بنایا اور اسے مخلوق کے لیے پناہ گاہ ٹھہرایا۔۔۔ [بقرہ: ۱۲۵]

وہ لمحہ، جب طور پر موسیٰ علیہ السلام کے لیے نور خدا چمکا اور کلام الہی اتر ا۔۔۔ [طہ: ۱۰/بقرہ: ۵۳]

وہ لمحہ، جب خدا نے داؤد علیہ السلام پر زبور اتاری۔۔۔ [نساء: ۱۶۳]

وہ لمحہ، جب سلیمان علیہ السلام کو خشکی و تری کی ہر چیز پہ حکمران بنایا۔۔۔ [سورہ ص: ۳۶]

وہ لمحہ، جو حضرت ایوب علیہ السلام کے لیے تکلیف کا مداوا لایا۔۔۔ [سورہ ص: ۴۱]

وہ لمحہ، جب یونس علیہ السلام کو بطن ماہی سے نجات ملی۔۔۔ [الانبیاء: ۱۰۱]

وہ لمحہ، جب زکریا علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور بڑھاپے میں فرزند ملا۔۔۔ [انبیاء: ۸۹/مریم: ۳]

وہ لمحہ، جب حضرت مریم علیہا السلام کو روح القدس (الروح القدس) نے بیٹے کی بشارت دی۔۔۔ [مریم: ۱۶]

وہ لمحہ، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے آسمان سے نعمتوں کا دسترخوان اتر ا۔۔۔ [المائدہ: ۱۱۴]

اور وہ لمحہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھالیا۔۔۔ [آل عمران]

غرض ہر وہ لمحہ، جب خدا جل جلالہ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے، تو ”کُنْ“ کہتا ہے اور وہ کام ہو جاتا

ہے۔۔۔ [یس: ۸۲]

یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا، کہ تخلیق تو ایک مسلسل عمل ہے۔۔۔

وہ لمحہ جب بہارا تری زمین پر

ہاں! یہ نعمتوں بھرے لمحے تو بہت سے ہیں، مگر قرآن بتاتا ہے اور صاف صاف لفظوں میں

کھول کر بتاتا ہے کہ یہ سارے لمحے اپنی جگہ اہم سہی، پر ان میں سے کوئی بھی لمحہ ایسا نہیں، جسے

خدا جل جلالہ اپنا ”خاص لمحہ“ ٹھہرائے اور مخلوق پر اس کا احسان جتلائے۔۔۔ دیکھو! ازل سے ابد تک

سارا وقت خدا کا ہے، مگر یہ سارا وقت ایک سا ہے۔۔۔ سب لمحے برابر ہیں۔۔۔ سوائے ”ایک“

کے اور وہی ایک تو لمحہ ہے، جسے رب تعالیٰ جل جلالہ نے کہا ہے ”اپنا“۔۔۔ جو سب سے جدا ہے، سب

سے بڑا۔۔۔ وہ اکیلا لمحہ، جسے قرآن نے ڈنکے کی چوٹ پر ”خدا کا لمحہ احسان“ بتایا ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ.....﴾

وہ لمحہ، جب خدا نے مؤمنوں پر احسان کیا۔۔۔ ہاں صرف ایک ہی لمحہ ایسا ہے، وقت کے بہتے

دھارے کا سب سے حسین لمحہ۔۔۔ رحمت کی برستی برکھا کا سب سے انوکھا قطرہ۔۔۔ عرضہ تخلیق کی لازوال ساعت۔۔۔ تکمیل کائنات کی بے مثل آن۔۔۔ ظہور قدرت کی انمول گھڑی۔۔۔ ہاں! وہ سے جب بہار اتری زمین پر۔۔۔ ایسی بہار جس پہ نازاں ہے خود بہشت۔۔۔ اس سے پہلے جہان، ویران تھا۔۔۔ فضاؤں میں پھریرے اڑ رہے تھے ظلمتوں کے۔۔۔ یہ لمحہ آیا زندگی لے کر۔۔۔ وداعِ ظلمتِ شب اور طلوعِ صبحِ نو بن کر۔۔۔ چراغِ علم و ہدایت کی تابشیں ہمراہ۔۔۔ چمک اٹھا جہاں کا ذرہ ذرہ اس کی ضو سے۔۔۔ اجالا ہے اسی کا روز و شب میں۔۔۔ اسی سے بانک پن نکھرا زمین کا۔۔۔ گلوں میں رنگ، ستاروں میں روشنی اس سے۔۔۔ ہر ایک حسن کے مظہر میں دل کشی اس سے۔۔۔ یہ لمحہ جو ہر آئینہ تہذیب ہے۔۔۔ سراسر نور ہے، تقدیس ہے۔۔۔ اک علم کا منار ہے، جس سے رخِ حیات کا ہر زاویہ چمک اٹھا۔۔۔ اک خیر کا معیار، جو دنیا میں حسنِ فکر و نظر لے کے آیا ہے۔۔۔ ایک امن کا پیغام، جس سے جاں بلب انسانیت نے آشتی کا فیض پایا۔۔۔ اک نور کی برسات، جس نے دل کو روشن کر دیا، آنکھوں کو بینا کر دیا۔۔۔ اک لمحہ انقلاب، جو۔۔۔ خلق و تقدیر و ہدایت سب کا حاصل۔۔۔ جس نے ریگزاروں میں زندگی بکھیری ہے۔۔۔ یہ لمحہ، جو شعور آگئی ہے۔۔۔ زمانہ اس کے حوالے سے رخ بدلتا ہے۔۔۔ یہ لمحہ، جو محیط کن نکال ہے۔۔۔ اس کی کرنیں دو جہاں پہ چھائی ہیں۔۔۔ وہ لمحہ، مطلعِ صبحِ ازل روشن ہے جس سے۔۔۔ وہ لمحہ، چہرہ شامِ ابد تاباں ہے جس سے۔۔۔ زمانہ سارا عطا ہے اس ایک لمحے کی۔۔۔ یہ لمحہ گر نہ ہوتا۔۔۔ محفل ہستی نہ ہوتی۔۔۔ حقیقتِ ظلمتوں میں کھوئی رہتی۔۔۔ جبینوں پہ کبھی سجدے نہ کھیلتے۔۔۔ دلوں کی انجمنِ افسردہ رہتی۔۔۔ نہ ہوتا رنگ گلشن میں، نہ سیاروں میں تابانی۔۔۔ یہ لمحہ، جو عطا کے سب نرالے رنگ لایا ہے۔۔۔ اسی کے فیض سے آراستہ بزمِ جہاں ہے۔۔۔ افق سے تا افق ہے اس کی برکت کا ظہور۔۔۔ یہ لمحہ، جو ازل سے تاباں پھیلا ہوا ہے۔۔۔ کاروانِ زندگی کی آخری منزل ہے یہ۔۔۔ تصور میں یہ لمحہ جگمگائے تو بہاریں نکہتوں کے سب در کھول دیتی ہیں۔۔۔ دلوں میں رنگ و بو کا سیل بے پایاں امنڈتا ہے۔۔۔ وہ لمحہ، جس کی عظمت کا

احاطہ ہو نہیں سکتا۔۔۔ خدا ﷻ نے اس میں ہی سب دل نوازیاں بھر دیں۔۔۔ جو سچ کہوں تو ہیں
اپنی نشانیاں بھر دیں۔۔۔

پوچھتے کیا ہو، یہ لمحہ کون سا ہے؟۔۔۔ جادہ ہستی ہے جس کی تابشوں سے نور نور۔۔۔ ہاں!
یہی لمحہ ہے، جب حسن ازل کا نور چمکا۔۔۔ وہ لمحہ، سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گود میں جب
آفتاب اتر ا۔۔۔ جو بہر مؤمنان بن کر رؤف آیا، رحیم آیا۔۔۔ خطا پوش و عطا پاش و خلیق آیا، کریم
آیا۔۔۔ خدا نے پیار سے اس کو پکارا جس طرح چاہا۔۔۔ وہ منزل، وہ مدثر، وہ یس اور وہ طہ۔۔۔
ہاں وہ لمحہ، جو میرے آقا ﷺ کی پیدائش کا لمحہ ہے۔۔۔ وہ لمحہ، جو خدا ﷻ کی تکمیل خواہش کا لمحہ
ہے۔۔۔ وہ لمحہ، دین جب اتر انبی ﷺ کی زندگی بن کر۔۔۔ وہ لمحہ، جو کمال حسن کی ہے آخری
منزل۔۔۔ وہی ہے انقلاب زندگی کا جاوداں لمحہ۔۔۔

ظہور قدسی کی برکات حد شمار سے باہر ہیں

حضور اکرم ﷺ نعمت اللہ ہیں۔۔۔ آیت کریمہ:

﴿الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَةَ اللَّهِ كُفْرًا﴾۔۔۔ [ابراہیم: ۲۸]

کی تفسیر میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

نِعْمَةُ اللَّهِ مُحَمَّدٌ ﷺ۔۔۔

”اللہ کی نعمت سے مراد حضور سید عالم ﷺ کی ذات گرامی ہے۔۔۔“

پس دنیا میں حضور اقدس ﷺ کی تشریف آوری سب نعمتوں سے اعلیٰ نعمت ہے۔۔۔ یہی
تشریف آوری ہے، جس کے طفیل دنیا، قبر، حشر، برزخ، آخرت، غرض ہر وقت، ہر جگہ، ہر آن
ظاہری و باطنی نعمتوں سے ہمارے وجود کا ایک ایک ریشہ بہرہ مند ہے اور ہوگا۔۔۔

ذرا سوچو تو سہی! اللہ ﷻ کا فضل و رحمت، کون سی نعمت اس حبیب کریم ﷺ کی ولادت

سے بڑھ کر ہے، جس کے صدقے میں تمام نعمتیں، تمام رحمتیں، تمام برکتیں عطا ہوئیں۔۔۔

حضور سید عالم ﷺ کا وجود اقدس سراسر برکت ہے، رحمت ہے، ہدایت ہے۔۔۔

آپ ﷺ کے ظہور قدسی کی برکات حد شمار سے باہر ہیں۔۔۔ دنیا کو آپ ﷺ کی بدولت علم، حکمت اور دانائی کا خزانہ ملا۔۔۔ معرفت الہی کا راستہ کھلا۔۔۔ خدا جل جلالہ کا آخری پیغام قرآن حکیم اتر ا۔۔۔ نور ازل کا جلوہ چمکا۔۔۔ توحید کا نکھر تصور ملا۔۔۔ خدا جل جلالہ کی رضا کا در کھلا۔۔۔ عدل اور سچائی کا بول بالا ہوا۔۔۔ اخلاق کریمانہ کی تکمیل ہوئی۔۔۔ کائنات میں حسن اور فضیلت کا شاہکار چمکا۔۔۔ دنیا والوں کو زندگی گزارنے کا بہترین نمونہ ”اسوۂ حسنہ“ ملا۔۔۔ سلسلہ نبوت اپنی انتہا کو پہنچا۔۔۔ اور دین حق دنیا میں ہمیشہ کے لیے غالب ہو گیا۔۔۔ حضور ﷺ کی ولادت محض ایک فرد کی ولادت نہیں، یہ تو دنیا اور آخرت کی سب نعمتوں کا ظہور ہے۔۔۔ نسل آدم کے لیے ہر فضیلت، ہر انعام، ہر خوبی، ہر سعادت، ہر مرتبہ، ہر کمال اسی ظہور قدسی کا فیضان ہے۔۔۔ مصطفیٰ ﷺ کی ولادت پر خدا نے اپنی مخلوق کے لیے سب خزانوں کے منہ کھول دیے۔۔۔ آخری وحی قرآن حکیم اور اس کی شرح وحی نبوت یعنی حدیث نبوی اتری۔۔۔ قرآن و حدیث کو سمجھنے اور ان کی روشنی میں قیامت تک پیدا ہونے والے سب مسائل کو حل کرنے کے لیے اجتہاد کی دولت نصیب ہوئی۔۔۔ بندوں کی روحانی ترقی اور تزکیہ نفوس کے لیے حضور ﷺ معلم بن آئے۔۔۔ قیامت تک اولاد آدم کے نفوس و ارواح کا تزکیہ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ اور سنت مطہرہ کے ذریعہ ہوتا رہے گا۔۔۔ محبت الہی اور قرب خداوندی کے رستے آپ ﷺ کے ظہور قدسی کی بدولت چمکے۔۔۔ اور اب رہتی دنیا تک سب کے لیے چمکتے رہیں گے۔۔۔ اولیاء اور اصفیاء راہوں پر حضور ﷺ کے نشان قدس کی پیروی اور آپ ﷺ کے دامان کرم کے سائے میں چلتے رہیں گے۔۔۔ گناہ گاروں کے لیے بخشش کا وسیلہ اور شفاعت کبریٰ کا دروازہ حضور ﷺ کی ولادت طیبہ ہی سے کھلا۔۔۔ آپ ﷺ آئے تو دنیا والوں نے بشارتیں پائیں، عافیت کی، امن کی، سلامتی کی، توبہ کی، کرم کی، دعاؤں کی قبولیت کی، رحمتوں کی، برکتوں کی، ان گنت نعمتوں اور بخششوں کی۔۔۔ حضور ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں۔۔۔ آپ ﷺ آئے تو دنیا کے ہر شخص کو رحمت ملی۔۔۔ نصوص متواترہ سے یہ بات آشکارا ہے کہ ہر نعمت قلیل یا کثیر، دینی یا دنیوی اور ظاہری

یا باطنی، روز اول سے ابد تک، کسی بھی مخلوق کو ملی یا ملے گی، وہ صدقہ ہے اسی ذات گرامی کا۔۔۔ وہ
بٹی ہے اور بٹی رہے گی انہیں کے ہاتھوں سے۔۔۔ ﷺ

ظہور قدسی سے دنیا نے کیا پایا؟

سوچنے کی بات یہ ہے کہ حضور ﷺ سے پہلے نوع انسانی کے پاس کیا تھا؟۔۔۔ مصر و بابل
کی فرسودہ تہذیبیں، جو اگر اولاد آدم کے کسی کام آسکتیں تو وقت کے گرد و غبار میں گم ہو کر فنا کے
گھاٹ نہ اتر چکی ہوتیں۔۔۔ ہندوستان کا آریائی نظام، جو اگر انسانی سماج کے لیے قابل قبول ہوتا
تو آج آدھی سے زیادہ دنیا ہندو ہوتی۔۔۔ اور خود ہندوستان اسے ٹھکرا کر سیکولر ازم کی آغوش میں
پناہ نہ لیتا۔۔۔ چین کی دانش قدیم، جو اگر دانائی فراہم کر سکتی تو چین ہزاروں سال تک بھٹکتے رہنے
کے بعد بالآخر کمیونزم اور الحاد کی وادیوں میں سرگرداں نہ ہوتا۔۔۔ یونان کا فلسفہ، جو نوع انسانی کو
مقصد حیات کا شعور دے سکا نہ کائنات اور زندگی کی حقیقت سے پردہ اٹھا سکا، نہ خالق کائنات کے
وجود اور عظمتوں کا سراغ لگا سکا۔۔۔ جس کا حاصل بس ایک دیو مالائی فسانہ تھا یا جمہوریت اور شہری
ریاست کا وہ نظریہ جو آج بھی اولاد آدم کے ہر آزار اور دنیا کے ہر تازہ فتنہ کی جڑ ہے۔۔۔ رہا یورپ
تو وہ اس وقت کوئی قابل ذکر شے ہی نہ تھا۔۔۔ خود اہل یورپ کو اس بات کا اعتراف ہے اور یہ
اعتراف یورپ کے ہر پڑھے لکھے شخص کو بر ملا اور بارہا کرنا پڑا کہ ان کے پاس جو کچھ اس وقت
موجود ہے، سب محمد عربی ﷺ کا عطیہ اور فیضان ہے۔۔۔ یہ اعتراف انہیں کیوں کرنا پڑا؟۔۔۔
اس لیے کہ انسانی تاریخ اور تہذیب کا ہر چشمہ حضور محسن کائنات ﷺ کی سیرت طیبہ سے پھوٹا
ہے۔۔۔ یہ ایک ایسی اٹل حقیقت ہے جس کی تردید آج کی معلوم دنیا میں موجود کسی بھی فرد اور قوت
سے ممکن نہیں۔۔۔ ہر وہ شخص جو بدن پر سر اور سر میں دماغ رکھتا ہے، جب تاریخ کا بے لاگ تجزیہ
کرے تو سوائے اس کے اور کسی نتیجے پر پہنچ ہی نہیں سکتا کہ نوع انسانی کو علم و دانش، تہذیب و تمدن
اور نظام زندگی جو کچھ ملا، سب بارگہ سید الکونین ﷺ سے ملا۔۔۔

اہل مغرب حضور ﷺ کی نبوت پر ایمان سے تو محروم ہیں لیکن آپ ﷺ کے فیضان

نبوت ہی سے زندہ ہیں اور اس لیے اعتراف عظمت پر مجبور۔۔۔ ان کی بے بسی کا عالم یہ ہے کہ جن پیغمبروں پر وہ ایمان رکھتے ہیں، ان کے وجود اور تاریخی حیثیت کو ثابت کرنے سے بھی قاصر ہیں۔۔۔ ان کے پاس اپنے انبیاء کی شخصیت اور سیرت کے بارے میں بھی صرف وہی معلومات قابل اعتماد اور مستند ہیں جو پیغمبر اسلام ﷺ کے ذریعہ انہیں حاصل ہوئیں۔۔۔ ورنہ خود مغرب کے بعض محققین یہ چیلنج کر چکے ہیں کہ حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ (علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام) کوئی تاریخی شخصیات نہیں، بلکہ فرضی وجود ہیں۔۔۔ اور یہیں سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حضور نبی رحمت ﷺ سے پہلے دیگر انبیاء کرام علیہم السلام نے اولاد آدم کو جو کچھ دیا وہ کہاں ہے؟۔۔۔ جو لوگ اپنے انبیاء کے وجود اور شخصیت کے بارے میں کچھ نہ جانتے ہوں وہ ان کی تعلیمات کے بارے میں کیا جانتے ہوں گے؟۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار اپنی تعداد، ترقی اور طاقت کے لحاظ سے آج دنیا کی سب سے غالب اکثریت ہیں، مگر بائیں ہمہ سب کے سب سیکولر ازم یعنی لادینی نظام کا پرچار کرتے ہیں۔۔۔ وجہ یہ ہے کہ ان کے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دیا ہوا کچھ بھی موجود نہیں۔۔۔ حتیٰ کہ ان کی لائی ہوئی اصل کتاب بھی محفوظ نہیں رکھ سکے۔۔۔ آج دنیا میں جو بائبل موجود ہے، وہ بعد میں ان کے حواریوں نے خود لکھی ہے اور اس کا ہر ایڈیشن لکھنے والے کے نام منسوب ہے۔۔۔ یہی حال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی کتاب تورات کا ہے۔۔۔ اصل تورات بھی آج دنیا میں کہیں موجود نہیں۔۔۔ تو ذرا سوچئے کہ بھلا جو قومیں اپنے انبیاء کی لائی ہوئی آسمانی کتابیں محفوظ نہیں رکھ سکیں، ان کے پاس انبیاء کا دیا ہوا اور کیا موجود ہوگا؟۔۔۔ کچھ بھی نہیں۔۔۔ تو پھر کیوں نہ ہم کچھ اور بھی زیادہ پر اعتماد لہجے میں اور زیادہ بلند آہنگ سے یہ اعلان کریں کہ آج دنیا کے پاس صرف وہی کچھ موجود ہے جو حضور سید عالم ﷺ نے اسے دیا ہے۔۔۔

اور سچ تو یہ ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے دنیا کو سب کچھ دے دیا ہے۔۔۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک سارے انبیاء جو کچھ فرداً فرداً لے کر آئے تھے وہ سب

حضور سید عالم ﷺ کی سیرت اور آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین میں یک جا ہے۔۔۔ اس طرح نوع انسانی کو آسمانی ہدایت کا سارا خزانہ اور انبیاء کرام علیہم السلام کی پوری سیرت ہمیشہ کے لیے محفوظ اور مکمل شکل میں آں حضرت ﷺ کے ذریعہ عطا ہوئی۔۔۔ آپ ﷺ سے پہلے انسانیت گمراہی کے اندھیروں میں ڈوبی ہوئی تھی۔۔۔ آپ ﷺ آئے تو ہدایت کا اجالا پھوٹا اور کائنات روشنیوں میں نہا گئی۔۔۔ آپ ﷺ سے پہلے دنیا میں ہر جہالت نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے دنیا کو علم دیا اور ایسا علم دیا جس نے دنیا کی کایا پلٹ دی۔۔۔ آپ ﷺ آئے تو انسانیت تہی دست تھی، آپ ﷺ نے اس کا دامن خزانوں سے بھر دیا۔۔۔ حکمت اور دانائی کے خزانوں سے۔۔۔ اخلاق اور اقدار کے خزانوں سے۔۔۔ امن و عافیت کے خزانوں سے۔۔۔ نیکی اور مسرت کے خزانوں سے۔۔۔ نوع انسانی طرح طرح کی بندشوں میں جکڑی ہوئی تھی، آپ ﷺ نے اس کی زنجیریں توڑیں اور بوجھ اتارے۔۔۔ آدم کی اولاد گروہوں میں بٹی ہوئی تھی، آپ ﷺ نے اسے محبت کی لڑی میں پرو دیا۔۔۔ انسانیت شعور و آگہی سے محروم تھی، آپ ﷺ نے فہم و ادراک کے درکھولے، جذبہ و احساس کی توانائی بخشی اور انسان کو اس کی منزل دے دی۔۔۔ غرض دنیا حضور ﷺ سے پہلے کیا تھی؟۔۔۔ بس ایک ویرانہ۔۔۔ خدا جل جلالہ نے اپنے محبوب ﷺ کی جائے پیدائش عرب کو صحرا بنایا ہے تاکہ وہ حضور ﷺ سے پہلے پوری دنیا کی ویرانی کا ایک نمونہ اور علامت نظر آئے۔۔۔ پھر جب حضور ﷺ آئے تو کائنات میں ہر سو گلزار مہکنے لگے:

زہر آلود فضا میں تھیں ، نمو سے عاری

آپ ﷺ آئے تو بہار آگئی ویرانوں میں

آئیے! اس بہار کی کچھ جھلکیاں دیکھیں:

تکمیل دین

1

نبی رحمت ﷺ کا ظہور تاریخ عالم کا سب سے عظیم واقعہ ہے، جس نے دنیا والوں کو ہدایت

ربانی کا آخری تحفہ دیا اور ہمیشہ کے لیے صراطِ مستقیم پر ڈال دیا۔۔۔ پہلے انبیاء کرام علیہم السلام اپنے ساتھ جو ہدایت ربانی لے کر آئے، وہ آنے والی نسلوں نے یکے بعد دیگرے ضائع کر دی۔۔۔ آدم سے عیسیٰ تک کسی ایک پیغمبر کی تعلیم بھی محفوظ نہ رہ سکی۔۔۔ لیکن پھر خدا جل جلالہ نے اپنے آخری پیغمبر کو بھیجا اور اس شان کے ساتھ بھیجا کہ ختم نبوت کو تکمیل دین سے ہم کنار کر دیا اور آپ ﷺ آئے تو نوع انسانی کو خدا کا آخری پیغام نصیب ہوا اور اس آخری پیغام نے ہدایت کی سب راہیں کھول دیں۔۔۔ اب انسانیت کے لیے ترقی کا ہر امکان، کامیابی کی ہر تدبیر اور نجات کا ہر راستہ نبوت محمدی ﷺ سے وابستہ ہو گیا اور کیوں نہ ہو کہ آدم سے عیسیٰ تک جو دین آتا رہا، اب وہ حضور ﷺ کی ذات پر آ کر مکمل ہو گیا ہے اور نہ صرف مکمل بلکہ عملاً دنیا میں قائم اور ہمیشہ کے لیے مستحکم ہو چکا ہے۔۔۔ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور اکرم ﷺ نے اولادِ آدم کے نام اپنا آفاقی منشور جاری فرمایا اور اس کے ساتھ ہی خدا جل جلالہ نے تکمیل دین کی آیت قرآن میں اتا ردی:

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَ رَضِيْتُ لَكُمْ
الْاِسْلَامَ دِينًا۔۔۔ [المائدہ: ۳]

”آج میں نے تمہارے لیے دین کو مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور

دین اسلام کو تمہارے لیے پسند کیا۔۔۔“

یہاں اکمال دین سے مراد حقیقت دین کی تکمیل بھی ہے اور غلبہ و استحکام دین کی تدبیر بھی۔۔۔ اسی آیت کریمہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اب اہل کفر کی طرف سے تمہارے لیے کوئی خطرہ نہیں۔۔۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی پیغمبرانہ جدوجہد کے نتیجے میں اسلام نہ صرف عرب معاشرہ میں غالب آ گیا ہے، بلکہ عالمی سطح پر ہمیشہ کے لیے ایک برتر فکری نظام کی حیثیت سے محفوظ ہو گیا ہے۔۔۔ اب دنیا کی کوئی طاقت اسلام کو مٹا سکتی ہے نہ اس میں کوئی تبدیلی پیدا کر سکتی ہے۔۔۔

پیغمبر اسلام ﷺ کی غیر معمولی بصیرت اور طویل جدوجہد نے دین کو نظری اور عملی، ہر دو اعتبار سے محفوظ اور مکمل کر دیا ہے۔۔۔ اب یہ دین تاریخ انسانی کی ایک زندہ حقیقت ہے، جسے کوئی

جھٹلا نہیں سکتا اور چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود اس کا ایک ایک جزو آج بھی اپنی اصل حالت میں محفوظ ہے، جسے اب رہتی دنیا تک کوئی مٹا نہیں سکتا۔۔۔

2 آفاقی انقلاب

حضور سید عالم ﷺ نے تینیس برس کے مختصر عرصہ میں جو انقلاب برپا کیا اس کی اور کوئی مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔۔۔ یہ ایک ہمہ گیر آفاقی اور دائمی انقلاب تھا، جس نے دیکھتے ہی دیکھتے پوری دنیا کو اپنی آغوش میں لے لیا اور تاریخ کے بند دروازے کھول دیے۔۔۔ اس انقلاب نے سو سال سے بھی کم مدت میں نہ صرف دنیا کی دو بڑی طاقتوں، ایران و روم کو زیر کر لیا بلکہ ایشیا اور افریقہ سے لے کر یورپ کے قلب تک اپنی فتح کے پرچم لہرا دیے۔۔۔ یوں تینیس برس کی پیغمبرانہ جدوجہد سے برپا ہونے والا انقلاب نہ صرف تاریخ انسانی میں دائمی طور پر ثبت ہو گیا بلکہ اس نے خود اپنی ایک مستقل تاریخ پیدا کی۔۔۔ اس انقلاب نے دین حق کو ایک ایسی تاریخی حقیقت بنا دیا، جسے کوئی جھٹلا سکے، نہ مٹا سکے۔۔۔ آں حضرت ﷺ سے پہلے دین صرف ایک نظری حقیقت تھا، اس لیے ہر پیغمبر کے چلے جانے پر کچھ ہی عرصہ میں دین کی حقیقت لوگوں سے اوجھل ہو جاتی تھی مگر آں حضرت ﷺ نے دین کو ایک نظری حقیقت کے مرحلہ سے آگے بڑھا کر عملی انقلاب کی صورت ایک زندہ تاریخی واقعہ بنا دیا۔۔۔

ہر زمانے اور ہر قوم کا ایک خاص مزاج اور اپنا ایک فکری سانچہ ہوتا ہے، جسے عام طور پر روح عصر کہا جاتا ہے۔۔۔ قرآن نے اس کے لیے ”شاکلہ“ کا لفظ برتا ہے۔۔۔ [سورہ اسراء: ۸۴] ہر دور کے لوگ اپنے زمانے کی خاص تمدنی روح اور فکری سانچے میں رہ کر جیتے ہیں۔۔۔ ان کی سوچ، رویے اور کردار، ہر شے پر روح عصر کی چھاپ ہوتی ہے۔۔۔ حضور سید عالم ﷺ کی بعثت کے وقت دنیا جس تمدنی سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی، اسے ایک لفظ میں شرک سے تعبیر کیا جاتا ہے۔۔۔ عربوں کی زندگی کا نقشہ فرد سے لے کر معاشرہ تک ہر جگہ شرک ہی پہ استوار تھا۔۔۔ وہ اسی منظر میں سوچتے اور اسی حوالے سے جیتے تھے۔۔۔ حضور سید عالم ﷺ نے تینیس برس کی

طویل اور صبر آزما جدوجہد کے ذریعہ اس فکری سانچے کو توڑ دیا۔۔۔ کائنات کی اس سب سے عظیم شخصیت نے اپنی توجہ، سوچ اور عمل کی سب قوتیں اس نقطے پر مرکوز کر دیں۔۔۔ محنت، اخلاص اور قربانی کے ایسے لازوال نقوش صفحہ حیات پر رقم کیے جنہوں نے بالآخر نوع انسانی کو اپنی گرفت میں لے لیا اور ذہن و دل بدل کر رکھ دیے۔۔۔

فتح مکہ کے وقت کعبۃ اللہ میں رکھے ہوئے سارے بت توڑ کر آپ ﷺ نے ہمیشہ کے لیے شرک و بت پرستی کا خاتمہ کر دیا اور یوں انسانی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔۔۔ پوری دنیا کا طرز فکر بدل گیا۔۔۔ تہذیب و تمدن کا نیا سانچہ وجود میں آیا۔۔۔ اخلاق و کردار کے نئے معیار اترے۔۔۔ جذبہ و احساس کی نئی مہکار پھوٹی۔۔۔ اخوت و محبت کے اجلے موسم آئے۔۔۔ ایثار و ہمدردی کی پاکیزہ ہوائیں چلیں۔۔۔ دنیا میں ہر سو انقلاب آیا اور زمانے کا چلن بدلا۔۔۔ سوچ بدلی، رویے بدلے، رشتے بدلے اور رابطے بدلے۔۔۔ قانون بدلے اور ضابطے بدلے، غرض:

بدلی عمل کی شکل، ارادے بدل دیے

اس نے تو کائنات کے جادے بدل دیے

3 امن عالم کا سویرا

حضور رحمت عالم ﷺ دنیا کے لیے امن و آشتی کی نوید بن کر تشریف لائے۔۔۔ انسانیت ہزاروں سال سے کرب و اضطراب کے تپتے ریگزاروں میں بھٹک رہی تھی، آپ ﷺ آئے تو رحمت کی گھٹا برسی اور دنیا امن و مان کا گہوارہ بن گئی۔۔۔ میرے آقا ﷺ کے حسن تربیت کا اعجاز تھا کہ صحرائے عرب کے ظالم، جنگ جو اور فتنہ گر لوگ ساری دنیا میں امن و انصاف کے علم بردار بن کر پھیل گئے اور فضائے ہستی پر سکون و عافیت کی ردائے نورانی چھا گئی:

تیرے کرم نے ڈال دی طرح خلوص و بندگی

تیرے غضب نے بند کی رسم و رہ ستم گری

حضور اکرم ﷺ نے اپنی تعلیمات اور عملی تجربات میں انسان کی فطری ضرورتوں کو پوری

شدت اور اہتمام کے ساتھ پیش نظر رکھا۔۔۔ اور قیام امن و انصاف کے لیے ایسے طریقے اختیار کیے جو انسان کی شخصی ضرورتوں کی تکمیل کے ساتھ ساتھ اس کے شعور اجتماعیت کو پروان چڑھائیں۔۔۔ اور فرد کی اکائی کو قائم رکھتے ہوئے اسے معاشرہ کا جزو لاینفک بنا دیں تاکہ سماجی اقدار کو فروغ ملے اور دنیا میں امن و عافیت اور سکون و اطمینان کی دولت عام ہو۔۔۔

قرآن حکیم میں اس امر کا واضح گواہی اعلان کر دیا گیا ہے کہ حضرت سید عالم ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری، کتاب اللہ کے نزول اور اسلام کو آفاقی دین بنانے کا اصل منشاء یہی ہے کہ انسانیت کے لیے امن و سلامتی کی راہیں کھول دی جائیں اور دنیا کو راحت و سکون کا گہوارہ بنا دیا جائے۔۔۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَ كِتَابٌ مُبِينٌ (يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَ يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ)۔۔۔ [المائدہ: ۱۵، ۱۶]

”بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور (ذات رسول ﷺ) اور روشن کتاب آئی ہے تاکہ ان کے ذریعے سے خدا تعالیٰ کی رضا چاہنے والوں پر امن و سلامتی کی راہیں واضح ہو جائیں اور وہ تاریکیوں سے نکل کر اجالوں میں آجائیں“۔۔۔

پس رحمت عالم ﷺ نے دنیائے انسانیت کو جو دین مرحمت فرمایا اور جس کے مطابق نظام معاشرہ کو استوار کرنے کا عملی نمونہ پیش فرمایا، وہ سراسر امن و آشتی کا دین ہے۔۔۔ اس کی تمام تعلیمات اسی محور پہ گھومتی ہیں۔۔۔ حتیٰ کہ اس دین کا نام ”اسلام“ ہی امن و سلامتی کا مظہر ہے۔۔۔ اور یہی اس دین فطرت کا مرکزی پیغام ہے۔۔۔

پھر لفظ ”ایمان“ خود امن سے ماخوذ ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان قبول کرنے کا ثمرہ امن و آشتی ہے۔۔۔ جو شخص دین فطرت کا حلقہ بگوش ہو گیا، وہ امن و آشتی کے الوہی سائے میں آ گیا۔۔۔ یوں کہیے کہ حضور نبی امن و آشتی ﷺ کی بعثت دنیا کے لیے امن و آشتی کا اجالا لے کر آئی۔۔۔

4 مزاج زندگی بدلا

رسول کریم ﷺ نے دنیا کو حسن اخلاق کی نعمت دی۔۔۔ آپ ﷺ عظمت کردار کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہیں اور ہر لحاظ سے آپ ﷺ کی ذات ستودہ صفات پوری کائنات کے لیے معیار اخلاق ہے۔۔۔ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے دنیا اخلاق کا نام تو جانتی تھی اور چند اخلاقی فضائل سے بھی واقف تھی، مگر کسی کو یہ معلوم نہ تھا کہ اخلاق کا حقیقی معیار کیا ہے؟۔۔۔ حسن اخلاق کی اعلیٰ منزل کون سی ہے؟۔۔۔ اس کا آئیڈیل نمونہ کہاں ہے؟۔۔۔ یوں اخلاق کا تصور مبہم بھی تھا اور مضحک بھی۔۔۔ آپ ﷺ دنیا میں تشریف لائے اور اپنے عمل سے دکھایا کہ حسن اخلاق کسے کہتے ہیں اور اس کا آئیڈیل معیار کیا ہے۔۔۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأَتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ۔۔۔

”مجھے دنیا میں بھیجا ہی اس لیے گیا ہے کہ اخلاق کریمانہ کی تکمیل کر دوں“۔۔۔

حضور اکرم ﷺ نے دنیا کو جو کچھ دیا وہ صرف قوانین اور ضوابط کا مجموعہ نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر ایک خاص ذہن اور مزاج ہے۔۔۔ آپ ﷺ نے اپنے پیروکاروں کی شخصیت اور کردار کو الوہی سانچے میں ڈھال دیا۔۔۔ انہیں ایک خاص فکری مزاج اور ذہنی رجحان (Attitude of Mind) عطا کیا جو ان کے تمام رویوں اور معاملات میں رچ بس گیا۔۔۔

حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے عربوں کا مزاج تند و تیز، جھگڑالو اور فتنہ انگیز تھا۔۔۔ وہ بات بات پر لڑتے اور اپنی غارت گری پر فخر کرتے۔۔۔ حضور ﷺ رحمۃ للعالمین بن کر تشریف لائے، آپ ﷺ نے عربوں کے جذبات کا رخ موڑا اور انہیں امن و آشتی کا علم بردار بنایا۔۔۔ ان کے اندر تخلیقی اوصاف پیدا کیے اور بھلائی کی راہ پر لگا دیا۔۔۔ ایک شخص کا نام ”زید الخیل“ یعنی زید شہ سوار تھا، آپ ﷺ نے اس کا نام بدل کر ”زید الخیر“ رکھ دیا اور اسے سراپا خیر بنا دیا۔۔۔ یہی حال ہر مومن کا تھا، سب کو حضور ﷺ نے خیر کا جو یا بنا دیا۔۔۔

5 جونہ تھے خود راہ پر، اوروں کے ہادی بن گئے

حضور اکرم ﷺ نے عرب کے لوگوں کو زندگی کی پستیوں سے اٹھا کر آسمان کی بلندیوں پر پہنچا دیا۔۔۔ وہ اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بت پوجتے تھے، انہیں خالق کائنات کا نمائندہ اور زمین پر اس کا خلیفہ بنا دیا۔۔۔ وہ قبائلی عصبیت کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے، انہیں عالم گیر انسانی اخوت کا داعی بنا دیا۔۔۔ وہ رسوم و رواج کی تنگ نالیوں میں جیتے تھے، انہیں آفاقی تمدن کی لامحدود وسعتوں سے ہم کنار کیا۔۔۔ وہ کسی قاعدہ و قانون سے آگاہ نہ تھے، انہیں الہامی شریعت سے فیض یاب کیا۔۔۔ ان کی نظر بے آب و گیاہ خطے کی بنجر وادیوں میں مقید تھی، انہیں فارس و روم کی سونا اگلتی زمینوں پر تسلط بخشا۔۔۔ وہ اجتماعی زندگی کے سلیقے سے محروم تھے، انہیں پاکیزہ معاشرت کی اعلیٰ اقدار کا امین بنا دیا۔۔۔ وہ جو اونٹوں کو پانی پلانے کی باری پر جھگڑتے تھے اور سالوں تک جھگڑتے رہتے، انہیں خدائے واحد کے نام پر جہاد کی عظمت سے روشناس کیا۔۔۔ وہ جو انسان کو کیڑے مکوڑے کی طرح بے وقعت اور حقیر جانتے تھے، انہیں عظمت بنی آدم اور تکریم انسانیت کا پیامی بنا دیا۔۔۔ وہ جو عورتوں کو جنس بازار سمجھتے تھے، انہیں صنف نازک کی حرمت کا رکھوالا بنا دیا۔۔۔ وہ جو شتر بے مہار کی طرح ہر سو لپکتے اور بے قید جیتے تھے، انہیں اطاعت، فرماں برداری اور ضبط نفس کا خوگر بنا دیا۔۔۔ وہ جو خود غرضی، مفاد پرستی اور نفسانیت کی دلِ دل میں ڈوبے ہوئے تھے، انہیں خدمت، محبت اور ایثار کا پیکر بنا دیا۔۔۔ وہ جو ظلم، بربریت اور فتنہ و فساد کی علامت تھے، انہیں امن، انصاف اور شائستگی کی تصویر بنا دیا۔۔۔ وہ جو خود راہ ہدایت سے بھٹکے ہوئے تھے، انہیں پوری کائنات کے لیے ہادی و رہنما بنا دیا۔۔۔ اکبر الہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے:

در فشانى نے تری قطروں کو دریا کر دیا
دل کو روشن کر دیا، آنکھوں کو بینا کر دیا
جونہ تھے خود راہ پر، اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

جشن میلاد النبی ﷺ

اقوال و معمولات ائمہ کی روشنی میں

امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی صاحب سب الہدیٰ

(اخذ و ترجمہ۔ پروفیسر ڈاکٹر خالد ملک)

حافظ ابو الخیر سخاوی رحمہ اللہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں۔

”پہلی تین صدیوں میں میلاد شریف کا (باقاعدہ) منانا کسی سلف صالح سے منقول نہیں بلکہ میلاد شریف کا عمل بعد میں شروع ہوا بعد ازاں تمام اہل اسلام جملہ اکناف عالم میں اور بڑے چھوٹے شہروں میں ماہ ربیع الاول میں میلاد شریف کا اہتمام کرتے چلے آئے ہیں۔ اس روز اہل اسلام عمدہ اور طرح طرح کے کھانے تیار کرتے ہیں اور ماہ ربیع الاول کی راتوں میں متنوع صدقات کرتے ہیں، شادمانی و مسرت کا اظہار کرتے ہیں، خیرات و صدقات میں کثرت کرتے ہیں اور مولود شریف پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ اس طرح میلاد شریف کی برکات فضل عمیم کے ساتھ اہل اسلام پر ظاہر ہوتی ہیں۔“

حافظ ابو الخیر ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میلاد شریف منانے کے خواص میں سے ہے کہ یہ سال بھر کے لئے امان ہے اور مقصد و مرام کے حصول کے لئے بشارت ہے۔ شہنشاہان دنیا میں سب سے پہلے اربل کے بادشاہ ابوسعید کو بری بن زین الدین علی بن بکتگین نے میلاد شریف منانے کا اہتمام کیا، ابوسعید بزرگ اور سخی حکمرانوں میں سے تھا۔ حافظ ابن کثیر اپنی تاریخ میں رقمطراز ہیں۔

”ابوسعید ربیع الاول شریف میں میلاد مناتا تھا اور اس سلسلے میں ایک بہت بڑی محفل

سجاتا تھا وہ بذات خود ایک باوقار، بہادر دانش مند اور عادل و منصف حکمران تھا اللہ اس پر رحمت کرے اور اس کا ٹھکانہ اچھا کرے۔ شیخ ابن وحیہ نے میلاد النبی ﷺ کے موضوع پر ایک رسالہ ”التتویر فی مولد البشیر النذیر“ لکھ کر بادشاہ کو پیش کیا تو اس نے اسے ایک ہزار دینار انعام دیا۔“

سبط ابن الجوزی مراۃ الزمان میں لکھتے ہیں۔

”ایک شخص نے جسے ایک مرتبہ ابو سعید المنظف کی محفل میلاد کے دسترخوان پر حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا بیان کیا کہ اس دسترخوان پر پانچ ہزار بھنے ہوئے بکرے، دس ہزار روست مرغیاں، ایک لاکھ نان، ایک لاکھ کھانے سے بھرے ہوئے مٹی کے پیالے اور تیس ہزار مٹھائی کی طشتریاں تھیں اس محفل میلاد میں بڑے بڑے علماء اور صوفیاء حاضر ہوتے تھے اور بادشاہ انہیں خلعتیں اور انعام و اکرام پیش کرتا وہ ہر سال محفل میلاد پر تیس لاکھ دینار خرچ کرتا تھا اور اس نے محفل میلاد میں آنے والے مہمانوں کی ضیافت کے لئے ایک بہت بڑا گھر تعمیر کر رکھا تھا اور وہ اس گھر پر لوگوں کے آرام و آسائش کے لئے ہر سال ایک لاکھ دینار خرچ کرتا تھا اور ہر سال دو لاکھ دینار کے بدلے فرنگیوں کے ہاں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے والے مسلمانوں کو آزاد کرواتا تھا اور ہر سال حریم شریفین اور وہاں پانی کے انتظام پر تیس ہزار دینار خرچ کرتا تھا اس کی یہ سخاوت مخفی صدقات کے علاوہ تھی۔“

ابو سعید مظفر کی زوجہ ربیعہ خاتون بنت ایوب جو صلاح الدین ایوبی کی بہن تھی بیان کرتی ہیں کہ ابو سعید کی قمیص موٹے کھر درے کپڑے کی ہوتی تھی جس کی قیمت پانچ درہم سے بھی کم تھی، ایک بار میں نے اس قمیص کے بارے میں ناراضگی کا اظہار کیا تو فرمانے لگے اگر میں پانچ درہم کا لباس پہنوں اور بقیہ دولت صدقہ کر دوں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ میں خود تو قیمتی لباس پہنوں اور ضرورت مند فقیر و مسکین کو چھوڑ دوں۔

ابن جوزی فرماتے ہیں کہ ابو سعید مظفر کا اس طرح محفل میلاد سجانا شیطان کی ناک خاک آلود کرنے اور اہل اسلام کے ایمان مضبوط کرنے کا ذریعہ تھا۔

علامہ ابن ظفر فرماتے ہیں عاشقان رسول ﷺ میلاد کی خوشی میں طعام و ولائم کا اہتمام کرتے رہے ہیں چنانچہ ابوالحسن المعروف بہ ابن لقفل قاہرہ میں میلاد شریف کے موقع پر عالیشان دعوت کا اہتمام کرتے تھے اور ان سے قبل جمال الدین عجمی ہمدانی بھی میلاد شریف کے دن شرب و طعام کا بندوبست کرتے تھے۔ مصر میں یوسف الحجار بھی اپنی استعداد کے مطابق میلاد شریف مناتے تھے۔ انہوں نے نبی کریم کو خواب میں دیکھا اور آپ نے انہیں میلاد شریف جاری رکھنے کی تلقین فرمائی۔

علامہ ابن ظفر کہتے ہیں کہ میں نے یوسف الحجار کو اپنے گھر میں جہاں وہ میلاد کا اہتمام کرتے تھے کہتے سنا کہ میں بیس سال قبل نبی کریم ﷺ کی خواب میں زیارت سے مشرف ہوا میں نے دیکھا کہ میرا ایک دوست ابوبکر الحجار اور میں نبی کریم کے سامنے حاضر ہیں ابوبکر نے اپنی داڑھی پکڑی اور اسے دو برابر حصوں میں تقسیم کیا اور نبی کریم سے کوئی بات کی جو میں نہ سمجھ سکا آنحضرت نے اسے جواب دیتے ہوئے فرمایا اگر میلاد نہ ہوتا تو یہ داڑھی آگ میں ہوتی پھر آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا میں تجھے ضرور ماروں گا اور آپ کے ہاتھ میں ایک چھڑی بھی تھی میں نے عرض کیا کس بات پر یا رسول اللہ ﷺ؟ فرمایا میلاد شریف کے انعقاد کو باطل ٹھہرانے پر۔ یوسف حجاز فرماتے ہیں چنانچہ بیس سال سے میں آج تک میلاد شریف منا رہا ہوں۔ یوسف حجار اپنے دوست ابوبکر حجار کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ مجھے خواب میں نبی کریم کی زیارت نصیب ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ اپنے دوست سے کہو کہ میلاد شریف کو باطل نہ ٹھہرائے جو میلاد شریف کا کھانا کھائے اور جو نہ کھائے تجھے کوئی گناہ نہ ہوگا اور ہم نے اپنے شیخ ابو عبد اللہ بن محمد نعمان کو فرماتے سنا کہ ان کے شیخ ابو موسیٰ زرہ ہونی نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم کو خواب میں دیکھا اور میلاد شریف منانے کے بارے میں فقہاء کے اختلافات کے بارے میں عرض کیا تو آپ نے فرمایا جو ہماری خوشیوں میں شریک ہوگا ہم اس کی خوشیوں میں شریک ہوں گے۔

ابن طباق اپنے فتاویٰ میں رقمطراز ہیں اگر کوئی شخص میلاد کی رات خیرات کرے،

لوگوں کو جمع کر کے جائز اور حلال کھانا کھلائے، جائز سماع کا بند و بست کرے نعت خواں اور قوال کو خلعت و لباس پہنائے جبکہ یہ سب کچھ نبی کریم کے اس دنیا میں تشریف لانے کی خوشی کی وجہ سے ہو تو یہ سب کچھ جائز ہے اور ایسا کرنے والے کو اس کی اچھی نیت کا ثواب ملے گا اور اس روز دعوت طعام میں اغنیاء کو چھوڑ کر صرف فقراء کو مخصوص نہ کیا جائے ہاں اگر حاجت مندوں اور فقراء و مساکین کی دل جوئی مقصود ہے تو پھر زیادہ ثواب ہوگا البتہ ایسی محافل میں اگر منشیات و خمریات کا استعمال ہو اور بے ریش قوال دنیوی شہوات کو برا نگینہ کرنے والے قصائد سنائیں تو یہ گناہوں کی محفل ہے (نعوذ باللہ من ذالک)

شیخ جمال الدین مخلص کتانی فرماتے ہیں۔ میلاد رسول ﷺ کا دن بڑی عظمتوں اور خصائل کا دن ہے اس دن کو مقدس، عظیم اور مکرم بنایا گیا۔ آپ کا وجود مسعود ہر اس شخص کے لئے نجات کا سبب ہے جو آپ کی اتباع کرے اور جو آپ کی ولادت باسعادت پر خوشی کا اظہار کرے اس کے لئے جہنم کے عذاب سے تخفیف کا باعث ہے اور جو بھی آپ کی لائی ہوئی ہدایت پر عمل کرے اس پر اس دن کی برکات جلوہ گر ہوتی ہیں۔ لہذا میلاد شریف کا دن جمعہ کے دن کے مشابہ ہے۔ کیونکہ جمعہ کے دن جہنم کی آگ کو بھڑکایا نہیں جاتا، اس دن خوشی کا اظہار کرنا حسب استطاعت خرچ کرنا اور محفل میلاد کی دعوت قبول کرنا مناسب اور لائق ثواب ہے۔

علامہ ظہیر الدین جعفر ترمذی منستی فرماتے ہیں محافل میلاد کے انعقاد کا سلسلہ پہلی صدی ہجری میں شروع نہیں ہوا اگرچہ ہمارے اسلاف صالحین عشق رسول سے اس قدر شارتھے کہ ہم سب کا عشق و محبت ان بزرگان دین میں سے کسی ایک شخص کے عشق نبی کو نہیں پہنچ سکتا۔ میلاد کا انعقاد بدعت حسنہ ہے اگر اس کا اہتمام کرنے والا صالحین کو جمع کرے، محفل درود و سلام اور فقراء مساکین کے طعام کا بند و بست کرے تو اسے ثواب ملے گا البتہ بازاری لوگوں کا جمع ہونا، رقص و سماع برپا کرنا اور قوالوں کو حسن آواز اور بے ریشگی کی وجہ سے خلعتیں پہنانا قابل مذمت ہے اور اس عمل میں کوئی بھلائی نہیں جو سلف صالحین نے نہیں کیا آنحضور کا ارشاد ہے۔

لا يصلح اخر هذه الامة الا ما اصلح اولها.

”اس امت کے آخر کو صرف وہی عمل بہتر بنا سکتا ہے جس نے اول کو بہتر بنایا۔“

شیخ نصیر الدین لکھتے ہیں محفل میلاد کا انعقاد مسنون نہیں ہے لیکن اگر اس روز نبی کریم کے وجود میں تشریف لانے کی خوشی پر خیرات کی جائے، مسرت و شادمانی کا اظہار کیا جائے اور سماع کا اہتمام کیا جائے جس میں بے ریش نعت گو جمع نہ ہوں اور نہ ہی ایسے قصائد پڑھے جائیں جو نار شہوت کو بھڑکائیں اور دنیوی خواہشات پر آمادہ کریں اور قد و خد، چشم و ابرو اور لب و رخسار کے قصے نہ ہوں بلکہ ایسے قصائد پڑھے جائیں جو آخرت کی تشویق اور دنیا میں زہد کا باعث ہوں پھر یہ اجتماع و محفل قابل تحسین ہے اور محفل کا انعقاد کرنے والے کے لئے باعث ثواب ہے۔ البتہ اس قسم کی محافل کے انعقاد کے لئے بلا ضرورت و حاجت چندے اکٹھے کرنا مکروہ ہے۔ اگر صرف صالحین کا اجتماع ہو جو اللہ کا ذکر کریں، صلوٰۃ و سلام پڑھیں اور طعام تناول کریں تو بارگاہ ایزدی میں قرب و ثواب کا باعث ہے۔

امام ابو شامہ اپنی کتاب ”الباعث علی انکار البدع الحوادث“ میں بحوالہ ربیع امام شافعی سے نقل فرماتے ہیں۔ محدثات امور کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ محدث فعل ہے جو کتاب و سنت آثار صحابہ یا اجماع کے خلاف ہو اور یہ گمراہ کن بدعت ہے۔ دوسرا محدث فعل وہ ہے جس کی بنیاد خیر اور نیکی پر ہو اور اس میں کتاب و سنت آثار صحابہ اور اجماع کی مخالفت نہ ہو اور یہ فعل مذموم نہیں نیکی پر ہو اور اس میں کتاب و سنت آثار صحابہ اور اجماع کی مخالفت نہ ہو اور یہ فعل مذموم نہیں ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قیام رمضان کے بارے میں فرمایا تھا نعمة البدعة هذه یہ ایک اچھی بدعت ہے یعنی اگرچہ یہ ایک نیا کام (محدث امر) ہے جس کی پہلے مثال نہیں مگر اس میں کوئی ایسی چیز نہیں جس سے شریعت کی مخالفت ہو۔

لہذا بدعت حسنہ پر عمل کرنے، اسے مستحب سمجھنے اور اس پر ثواب کی امید کرنے کے جواز پر اگر اس شخص کے لئے اتفاق ہے جس کی نیت اچھی ہو اور بدعت حسنہ سے مراد ہر وہ نیا کام ہے جو قواعد شریعت کے مطابق ہو اور شریعت کے کسی حکم کے مخالف نہ ہو اور نہ ہی اس پر عمل کرنے

سے شرعی قباحت لازم آتی ہو۔ مثلاً مساجد میں لاؤڈ سپیکر لگانا، مدارس قائم کرنا، مسافروں کیلئے سرائیں تعمیر کرنا اور اسی طرح کے دیگر رفاہی کام انجام دینا جن سے پہلی صدی ہجری کے سلف صالحین آشنا نہ تھے کیونکہ اس قسم کے رفاہی کام، نیکی اور تقویٰ کے کاموں پر معاونت و مساعدت کے قبیل سے ہیں اور یہ شریعت کے بالکل مطابق ہیں۔ ہمارے آج کے دور میں انہی امور حسنہ میں سب سے احسن امر وہ ہے جسے ہر سال میلاد شریف کے دن اربل شہر میں انجام دیا جاتا ہے۔

اس دن صدقہ و خیرات اور نبی کریم ﷺ کے اس دنیا میں جلوہ افروز ہونے پر اظہار مسرت کیا جاتا ہے اور اس میں فقراء و مساکین کے ساتھ نیکی کرنے کے علاوہ نبی کریم ﷺ کی محبت و تعظیم کا اظہار ہے اور اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری بھی ہے کہ اس نے رسول اللہ کو مبعوث فرما کر اپنے بندوں پر عظیم احسان فرمایا۔

”موصول میں سب سے پہلے میلاد شریف منانے کا اہتمام مشہور بزرگ ملا عمر بن محمد نے کیا اور پھر دروازے کے لوگوں نے اس کا خیر میں ان کی پیروی کی۔“

امام جرزی فرماتے ہیں۔ میلاد شریف کا منانا بدعت حسنہ ہے اور بدعات صرف اس وقت مکروہ ہوتی ہیں جب وہ سنت کے مخالف ہوں اور جب کسی کام میں سنت کی خلاف ورزی نہ ہو وہ مکروہ نہیں اور میلاد شریف کے دن اظہار شادمانی و مسرت پر حسب نیت انسان کو ثواب حاصل ہوتا ہے۔

ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں میلاد شریف کا انعقاد بدعت ہے لیکن یہ بدعت حسنہ ہے۔ البتہ میلاد کے اہتمام کے لئے لوگوں سے سوال کرنا اور چندے مانگنا جائز نہیں ہے۔ تاہم اگر مانگنے والے کو یقین ہو کہ مسئول کا دل چندہ دے کر خوش ہوگا تو پھر کوئی حرج نہیں اور مخیر حضرات سے اعانت لینا جائز ہے اور میرے خیال میں اس میں کچھ کراہت نہیں ہے۔

حافظ عسقلانی تحریر فرماتے ہیں میلاد شریف کا انعقاد بدعت ہے جو پہلی تین صدیوں میں اسلاف صالحین میں سے کسی سے منقول نہیں۔ تاہم میلاد شریف کا انعقاد محاسن اعمال میں سے ہے اور ان کی ضد سے پرہیز پر مشتمل ہے اور جو شخص میلاد شریف کے اہتمام میں محاسن پر عمل

کرے اور ان کی ضد سے پرہیز کرے تو یہ بدعت حسنہ ہے۔ میلاد شریف کے انعقاد کے جواز کے سلسلے میں مجھے صحیحین میں ایک ثبوت اور دلیل کا انکشاف ہوا ہے کہ رسول ﷺ جب مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو آپ نے یہود کو عاشور کے دن روزہ دار پایا اور اس بارے میں ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کیا اور حضرت موسیٰ کو نجات دی اور ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے روزہ رکھتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا میں تم سے زیادہ حضرت موسیٰ کے قریب ہوں چنانچہ آپ نے عاشورہ کا روزہ رکھا اور اس دن روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔

اس حدیث سے استفادہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام یا مصائب کو دور کرنے پر کسی مقررہ دن میں اظہار تشکر کرے تو یہ جائز ہے اور ہر سال کے اس خاص دن میں شکر گزاری کا تکرار بھی جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اظہار تشکر، عبادات و سجود، صیام و صدقات اور تلاوت قرآن مجید سے کرے اور رحمۃ للعالمین کے اس دنیا میں تشریف لانے کی نعمت سے بڑھ کر اور کون سی نعمت ہے؟ لہذا جس دن نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ بعینہ اسی دن میلاد شریف کے اہتمام کی کوشش کی جائے تاکہ عاشورہ کے دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے کے ساتھ موافقت ہو جائے۔

جہاں تک میلاد شریف کے دن اعمال صالحہ کا تعلق ہے تو اس روز ہر وہ فعل و عمل، انجام دیا جائے۔ جس سے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں شکر و سپاس کا اظہار ہو۔ مثلاً تلاوت قرآن مجید، فقراء مساکین کو کھانا کھلانا، صدقات و خیرات کرنا، محافل نعت منعقد کرنا اور زہد و تقویٰ پر مشتمل قصائد سنانا، جو دلوں کو آخرت اور اعمال حسنہ کی طرف مائل کریں۔ لہو و لعب سے پرہیز کیا جائے اور ایسا سماع جو حرام، مکروہ، یا خلاف اولیٰ ہو۔ اس سے منع کیا جائے اور ہر وہ مباح کام جس سے اظہار مسرت و شادمانی ہو اس کے کرنے میں کوئی حرج نہیں شیخ القرابوا الخیر ابن الجریزی لکھتے ہیں۔

ابولہب کو موت کے بعد خواب میں دیکھا گیا۔ خواب میں دیکھنے والے نے اس سے حال پوچھا تو کہنے لگا، کہ جہنم کی آگ میں ہوں، البتہ ہر سوموار کی رات عذاب میں تخفیف کی جاتی ہے اور میری ان دو انگلیوں کے سروں سے کچھ پانی نکلتا ہے جسے میں چوستا ہوں اور اس تخفیف کی

وجہ یہ ہے کہ جب ثویبہؓ نے مجھے محمدؐ (ﷺ) کی ولادت کی خوشخبری سنائی تو میں نے اپنی انہی دو انگلیوں کے اشارے سے اسے آزاد کر دیا۔

جب یہ کافر ابولہب جس کی قرآن میں مذمت نازل ہوئی۔ ولادت و باسعادت پر خوشی منانے کے باعث سوموار کی رات عذاب جہنم سے تخفیف پاتا ہے تو اس توحید پرست مسلمان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے کہ جسے آپ ﷺ کا امتی ہونے کا شرف حاصل ہو۔
(ماخوذ من سب الہدی والرشاد)

نور محمدی کا وجود بشری میں ظہور

(برصغیر میں اردو کی پہلی کتاب ”سیرت حبیب الہ“ سے اکتساب)

(مفتی محمد عنایت احمد کا کوروی)

بارہویں تاریخ ربیع الاول کی اسی سال میں جس میں قصہ اصحاب فیل واقع ہوا تھا بروز
دوشنبہ بوقت صبح صادق جناب محمد مصطفیٰ ﷺ پیدا ہوئے اور سارا عالم آپ کے نور سے روشن ہوا
اور بہت سے عجائب و خوارق اس رات ظہور میں آئے۔ از منجملہ (معجزہ) یہ کہ فاطمہ بنت عبد اللہ
والدہ عثمان بن ابی العاص نے بیان کیا کہ شب ولادت باسعادت میں پاس آمنہ والدہ ماجدہ
آنحضرت ﷺ کے تھی میں نے دیکھا ستارے آسمان سے لٹک آئے تھے اور زمین حرم سے ایسا
قریب ہو گئے تھے کہ گمان ہوتا تھا زمین پر گر پڑیں گے اور از منجملہ یہ کہ سارے بت روئے زمین
کے اس وقت سرنگوں ہو گئے اور یہ بات سوائے اہل اسلام کے زردشتیوں کی تاریخ میں بھی لکھی
ہے۔ زردشتی مجوسی ہیں کہ زردشت کو پیغمبر جانتے ہیں اور از منجملہ یہ کہ آگ فارس کی گبران
(آتش پرست بادشاہ) نے باہتمام تمام ہزار برس سے روشن کر رکھی تھی بجھ گئی اور از منجملہ یہ کہ
نوشیرواں بادشاہ فارس کا ایوان زلزلے میں آیا اور چودہ کنگرے اس کے گر پڑے۔

نکتہ : ستاروں کے متصل ہونے میں زمین سے اشارہ اس بات کی طرف تھا کہ سب
انوار زمین کی طرف بسبب آپ کی ولادت کے متوجہ ہوئے اور زمین روشنی سے مالا مال ہو جائے
گی اور بتوں کا سرنگوں ہونا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ بسبب اس مولود مسعود کے بت پرستی
موقوف ہو جائے گی اور آگ کا بجھ جانا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ آتش پرستی بسبب آپ
کے باطل ہو جائے گی اور نوشیرواں کے محل میں زلزلہ آنا اور چودہ کنگروں کا گزنا اشارہ اس بات کی

طرف ہے کہ سلطنت خاندان نوشیرواں کی کہ اس زمین میں اتنی بڑی سلطنت زمین پر کوئی نہ تھی جاتی رہے گی اور چودہ بادشاہ اس کے خاندان میں ہوں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور سب ملک نوشیروانیوں کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں اہل اسلام کے تصرف میں آیا اور یزدگر اس خاندان کا بادشاہ حضرت عثمان کے وقت میں ہلاک ہوا۔ پھر ان میں کوئی بادشاہ نہ ہوا۔

نکتہ لطیفہ: پیدانہ ہونا آپ کا بروز جمعہ یا بمہماہ رمضان یا اور کسی دن میں جو مہترک مشہور ہیں اس میں یہ نکتہ ہے کہ بات نہ کہی جاوے کہ آپ کو برکت دن اور مہینے سے حاصل ہوئی بلکہ ایسے دن اور مہینے میں پیدا ہوئے کہ اس کو برکت آپ کے سبب ہوئی۔

ذکر میلاد شریف: ماہ ربیع الاول روز دوشنبہ کو آپ کے سبب سے شرف عظیم حاصل ہوا۔ حریم شریفین اور اکثر بلاد اسلام میں عادت ہے کہ ماہ ربیع الاول میں محفل میلاد شریف کرتے ہیں اور مسلمانوں کو مجتمع کر کے ذکر مولود شریف کرتے ہیں اور کثرت درود کی کرتے ہیں اور بطور دعوت کے کھانا یا شیرینی تقسیم کرتے ہیں سوا یہ امر موجب برکات عظیمہ ہے اور سبب ہے از دیار محبت کا ساتھ جناب رسول اللہ ﷺ کے۔ بارہویں ربیع الاول کو مدینہ منورہ میں یہ محفل متبرک مسجد شریف میں ہوتی ہے اور مکہ معظمہ میں مکان ولادت آنحضرت ﷺ پر بھی۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا مشاہدہ انوار

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے فیوض الحرمین میں لکھا ہے کہ میں حاضر ہوا اس مجلس میں جو مکہ معظمہ میں مکان مولد شریف میں تھی بارہویں ربیع الاول اور ذکر ولادت شریف اور خوارق عادات وقت ولادت کا پڑھا جاتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ اک بارگی کچھ انوار اس مجلس سے بلند ہوئے میں نے ان انوار میں تامل کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ انوار تھے ملائکہ کے جو ایسی محافل متبرکہ میں حاضر ہوا کرتے ہیں اور بھی انوار تھے رحمت الہی کے انتہی۔ (فیوض الحرمین: ۸۰-۸۱)

لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ بمقتضائے محبت آنحضرت ﷺ محفل شریف کیا کریں اور اس میں شریک ہوا کریں مگر شرط یہ ہے کہ یہ نیت خالص کیا کریں ریا اور نمائش کو دخل نہ دیں اور

بھی احوال صحیح اور معجزات کا حسب روایات متعبرہ بیان ہوا کہ اکثر لوگ جو محفل میں فقط شعر خوانی پر اکتفا کرتے ہیں یا روایات واہیہ نامعتبر سنا تے ہیں خوب نہیں۔ اور بھی علماء نے لکھا ہے کہ اس محفل میں ذکروفات شریف کا نہ چاہئے اس لئے کہ یہ محفل واسطے خوشی میلاد شریف کے منعقد ہوتی ہے۔ ذکر غم جائزہ اس محفل میں نازیبا ہے حریم شریفین میں ہرگز عادت ذکر قصہ وفات کی نہیں ہے۔ (۱)

(۱) دوسرے مقام پر حضرت شاہ ولی اللہ اپنے والد گرامی حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

میں ہمیشہ ہر سال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے میلاد کے موقعہ پر کھانے کا اہتمام کرتا تھا لیکن ایک سال میں کھانے کا انتظام نہ کر سکا۔ ہاں کچھ بھنے ہوئے چنے لے کر میلاد کی خوشی میں لوگوں میں تقسیم کر دیئے رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بڑی خوشی کی حالت میں تشریف فرما ہیں اور آپ ﷺ کے سامنے وہی چنے رکھے ہوئے ہیں۔ (الدر الثمین، ۴۰)

(ماخوذ از توارخ حبیب الہ از مفتی محمد عنایت احمد کاکوروی)

میلا دالنبی ﷺ۔۔۔ مطلع صبح نور

(ضیاء الامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ)

”خیابان ہستی اجڑا پڑا تھا، خزاں کی چیرہ دستیوں سے گلوں کی نکہت افشانیوں اور عنادل کی نغمہ ریزیوں کی یاد تک بھی گلدستہ طاق نسیاں بن چکی تھیں۔ روشیں ویران تھیں اور آ بجوئیں خشک۔۔۔ جہاں کبھی سبزہ نودمیدہ جنت نگاہ ہوا کرتا تھا، وہاں خاک اڑ رہی تھی۔ یاس و قنوط کی ایک ہمہ گیر کیفیت طاری تھی کہ اچانک فاران کی چوٹیوں سے ایک گھنگھور گھٹا اٹھی، جس کا ہر قطرہ بہا آ فریں اور جس کا ہر چھینٹا فردوس بداماں تھا۔ یہ گھٹا برسی اور خوب دل کھول کر برسی، یہاں تک کہ گلزار عالم میں پھر آثار حیات نمودار ہونے لگے۔ انسانیت کے پڑمردہ چہرے پر پھر شباب و قوت کی سرمستیاں ظہور پذیر ہونے لگیں۔ خودداری و عزت نفس، شجاعت و ایثار کے افسردہ درختوں کی عریاں شاخوں کو از سر نو خلعت برگ و بار عطا ہوئی۔ قمریوں نے پھر عفت قلب و نظر کا نغمہ چھیڑا۔ توہمات و عقائد باطلہ کے قفس کی تیلیاں ایک ایک کر کے ٹوٹیں اور ہمائے بشریت کو توحید کی مقدس و معطر رفعتوں سے پھر دعوت پرواز آنے لگی۔

دنیا والوں نے اس شوخ و شنگ اور خیرات و برکات سے بھرپور گھٹا کو محمد (ﷺ) کے دنوازا نام سے پکارا۔ عالم بالا کے مکینوں نے اسے احمد کہا لیکن حقیقت کی دلفریبیوں سے نقاب اس وقت اٹھا جب اس کے خالق و پروردگار نے اسے اپنی کائنات سے یوں روشناس کیا ”وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ“

☆ ربیع الاول کا مہینہ اور دو شنبہ کا دن تھا اور صبح صادق کی ضیاء بار سہانی گھڑی تھی۔ رات کی بھیانک سیاسی چھٹ رہی تھی اور دن کا اجالا پھیلنے لگا تھا۔ جب مکہ کے سردار عبدالمطلب کی

جواں سال بیوہ بہو کے سادہ سے مکان میں ازلی سعادتوں اور ابدی مسرتوں کا نور چمکا۔ ایسا وجود مسعود تولد ہوا جس کے من موہنے مکھڑے نے صرف اپنی غمزدہ ماں کو ہی سچی خوشیوں سے مسرور نہیں کیا بلکہ ہر درد کے مارے کے لبوں پر مسکراہٹیں کھیلنے لگیں۔ اس نورانی پیکر کے جلوہ فرمانے سے صرف حضرت عبداللہ کا کلبہ احزاں جگمگانے نہیں لگا بلکہ جہاں کہیں بھی مایوسیوں اور حرماں نصیبیوں نے اپنے پنچے گاڑ رکھے تھے، وہاں امید کی کرنیں روشنی پھیلانے لگیں اور ٹوٹے دلوں کو بہلانے لگیں۔ صرف جزیرہ عرب کا بخت خفتہ ہی بیدار نہیں ہوا بلکہ انسانیت جو صدیوں سے ہوا و ہوس کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی اور ظلم و ستم کے آہنی شکنجوں میں کسی ہوئی، کراہ رہی تھی، اس کو ہر قسم کی ذہنی، معاشی اور سیاسی غلامی سے رہائی کا مژدہ جاں فزا ملا۔ فقط مکہ و حجاز کے ہر مکین کے لئے میخانہ معرفت کے دروازے کھول دیئے گئے اور سارے نوع انسانی کو دعوت دی گئی کہ جس کا جی چاہے آگے آئے اور اس مئے طہور سے جتنے جام نوش جاں کرنے کی ہمت رکھتا ہے، اٹھائے اور اپنے لبوں سے لگالے۔ طیور خوش نواز مزہ سیخ ہوئے کہ خزاں کی چیرہ دستیوں سے تباہ حال گلشن انسانیت کو سردی بہاروں سے آشنا کرنے والا آ گیا۔ سر بگریباں غنچے خوشی سے پھولے نہیں سمار ہے تھے کہ انہیں جگانے والا آیا اور جگا کر انہیں شگفتہ پھول بنانے والا آیا۔ افسردہ کلیاں مسکرانے لگی تھیں کہ ان کے دامن کو رنگ و نکہت سے فردوس بدامان کرنے والا آیا۔ علم و آگاہی کے سمندروں میں حکمت کے جو آبدار موتی آغوش صدف میں صدیوں سے بے مصرف پڑے تھے، ان میں شوق نمود انگڑائیاں لینے لگا۔

☆ ”ماہ ربیع الاول کس بہار سردی کا پیغام لے کر آیا ہے۔ یہ ہلال نو کس بدر منیر کے طلوع ہونے کا مژدہ سنارہا ہے۔ رات بھر ستارے کیا سرگوشیاں کرتے رہے ہیں، شاخ گل پر بیٹھے عنادل کس کے میلاد کی خوشی میں نغمہ سرا ہیں۔ یہ سحر کوئی عام سحر تو نہیں۔ اس سحر کی جبین پر تو یمن و برکت کا نور برس رہا ہے، آسمانوں کی بلندیوں میں، قدسیوں کی محفل میں ”اللہ ہو“ کی گونج کا انداز بالکل نرالا ہے۔ عرش الہی کا بانگین اس کے انوار کی شوخیاں اور تجلیات کی تابانیاں، کس راز کو افشاں کرنے

پر مجبور ہیں۔ نفس و آفاق کی دنیا میں کیف و سرور اور ذوق و شوق کا یہ روح پرور سماں کیوں ہے؟
 کائنات کا ذرہ ذرہ زبان حال سے اعلان کر رہا ہے کہ کوئی آنے والا ہے اور وہ
 اپنے ساتھ کچھ لانے والا ہے۔ ماہ ربیع الاول کی ایک صبح سعید تھی۔ اللہ تعالیٰ کا بندہ، محبوبیت کی
 خلعت زیبائے، ختم نبوت کا تاج سر پر سجائے، رحمت للعالمین کا منشور ہاتھ میں لئے، زینت
 بخش بزم ہستی ہوا۔ وہ اپنے دامن میں ہدایت و سعادت، رحمت و برکت کے بے پایاں خزانے
 سمیٹ کر لے آیا تا کہ خلق خدا میں انہیں بڑی فیاضی سے تقسیم کرے بلکہ بڑی دریادلی سے
 انہیں لٹائے تا کہ جو قطرے اس کی نظر کرم سے مشرف ہوں وہ مہر و ماہ بنیں اور جو ذرے اس
 کیف پا کو چوم لیں، لعل و گہر بن جائیں۔

آج وہ آیا جس کے نور سے آدم کی جبیں مطلع انوار بنی۔

آج وہ آیا جس کی بعثت کے لئے حضرت خلیل نے اپنے رب کریم سے بڑی دلسوزی
 سے التجائیں کیں۔

آج وہ آیا جس کا امتی بننے کی دعا کلیم اللہ نے کی

آج وہ آیا جس کی آمد کا مژدہ حضرت مسیح نے سنایا

جشن عید میلاد النبی ﷺ

کیسے منایا جائے؟

(مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی)

اللہ تعالیٰ کی کائنات پر بے شمار نعمتیں اور رحمتیں ہیں جن کو شمار کرنا ہمارے لئے ناممکن ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ”ان تعد وانعمة الله لا تحصوها“ اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو انہیں شمار نہ کر سکو گے“ (النحل ۱۸/۱۶)

زندگی، جسم و روح، اعضاء کی ساخت، سراپا، حسن، تناسب، توازن، نظام جسم و روح، عقل و شعور، علم و آگہی، ارادہ و اختیار، زمین، اس کی ساخت، اس کی کشش ثقل، اس میں ہمارے اور دوسری مخلوق کے لئے وسائل، نشوونما، ہوا، پانی، روشنی، گرمی، سردی، موسمی تغیرات، میوے، پھل، طرح طرح کے رزق، دودھ، گھی، مکھن، گوشت، سبزیاں، دالیں، سونا، چاندی، پیتل، تانبا، لوہا، سٹیل، سکہ، موتی، قیمتی پتھر، معدنیات، پٹرول، گیس، درخت، گھاس، ندی، نالے دریا، سمندر، آبخار، چشمے، پہاڑ، میدان، صحراء، وادیاں، ہوائیں، فضا میں، بادل، بارش، جانور، لباس، خوراک، دوائیں، غذائیں، چرند، پرند، درند، چاند، سورج، ستارے، سیارے، کہکشائیں، آسمان، بروج، زندگی مستعار گزر جائے گی اللہ کی نعمتیں ختم نہ ہونگی۔ عقلیں دنگ اور ذہن حیرت زدہ ہیں۔ اس لئے ہمیں اس طرف وقت اور عمر عزیز صرف کرنے کی ضرورت نہیں، نہ اللہ پاک نے اس کی ہمیں تکلیف دی ہے۔ ہاں ہمیں ان نعمتوں کا ذکر کرنے ان کی طرف متوجہ رہنے اور ان کے حوالہ سے اللہ کی بارگاہ میں احساس شکر کا حکم دیا ہے۔ تاکہ ہم اس مالک کی قدر کریں، اس کا شکر کریں، ان نعمتوں سے باخبر ہو کر ان کو پہچانیں، ان سے پورا پورا فائدہ حاصل کریں، ان سے صرف نظر نہ کریں، ان کو معمولی نہ سمجھیں، ان کی حقیقت کو سمجھیں۔ اسی سے خالق کی

معرفت حاصل ہوگی، اسی سے اس کی قدر معلوم ہوگی اور نتیجتاً کسی قدر ہم ناتوان اس کا شکر کرنے کے قابل ہو سکیں گے، ہمارے قلوب و اذہان اسی کی دہلیز رحمت پر سجدہ کناں رہیں گے۔ اپنے مالک سے تعلق بندگی مضبوط و پائیدار ہوگا اور دنیا و آخرت کی کامیابیاں ہمارا مقدر بنیں گی۔ ان شاء اللہ العزیز

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يُقَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ
جَعَلَكُمْ مُلُوكًا، وَأَتَاكُمْ مَا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ.

اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا ”اے میری قوم اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو کہ تم میں پیغمبر پیدا کئے اور تمہیں بادشاہ بنایا اور تمہیں وہ کچھ دیا جو آج سارے جہاں میں کسی کو نہ دیا“ (المائدہ ۵. ۲۰)

يَعْرِفُونَ نِعْمَتَ اللَّهِ ثُمَّ يُنْكِرُونَهَا وَأَكْثَرُهُمُ الْكَافِرُونَ. اللہ کی نعمت کو پہچانتے ہیں،
پھر اس کا انکار کرتے ہیں اور ان میں اکثر کافر ہیں“ (۸۳. ۱۶ النحل)

. أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبُورِ. جَهَنَّمَ يَصَلُّونَهَا وَبَسَّ
الْقَرَارُ. کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کفر سے بدل دی (کہ بجائے شکر کرنے اور
ایمان لانے کے انکار و ناشکری کی) اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر لا اتارا وہ جو دوزخ ہے اس کے اندر جائیں
گے اور کیا ہی بری ہے ٹھہرنے کی جگہ“ (۲۸/۱۳-۱۲۹ ابراہیم)

رئیس المفسرین سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بَدَلُوا نِعْمَةَ اللَّهِ كُفْرًا کی تفسیر میں فرمایا
ہم واللہ کفار قریش و محمد صلی اللہ علیہ وسلم نعمۃ اللہ، (صحیح بخاری ص ۵۶۶ ج ۲)
”وہ جنہوں نے اللہ کی نعمت کفر و ناشکری سے بدلی قریشی کافر ہیں۔ اور محمد صلی اللہ علیہ
وسلم، اللہ کی نعمت ہیں“

علامہ آلوسی فرماتے ہیں ”المراد بہم اهل مكة، فان الله سبحانه اسكنهم
حرمه وجعلهم قوام بيته واکرمهم بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم فکفروا نعمۃ اللہ
تعالیٰ بدل ما الزمهم من الشکر العظیم.“ (۲۱۸/۱۳. روح المعانی).

”ان لوگوں سے مراد اہل مکہ ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے حرم میں سکونت دی اور ان کو اپنے گھر کا خادم بنایا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کو عزت دی تو انہوں نے اللہ کی نعمت کی ناشکری کی، بدلے میں اس شکر عظیم کے جو ان پر اللہ نے واجب فرمایا تھا“

امام رازی فرماتے ہیں ”انہ تعالیٰ انعم علیہم بالرسول والقرآن فاختار والكفر علی الايمان.“ ”اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے ذریعے ان پر احسان و انعام فرمایا، مگر انہوں نے ایمان پر کفر کو اختیار کیا“ (تفسیر کبیر ص ۱۲۳/۱۹) اسکنہم اللہ تعالیٰ حرمہ الامن وجعل معیشہم فی السعة ربعت فیہم محمدا صلی اللہ علیہ وسلم ولم یعرفوا قدر هذه النعمة،

”اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے امن والے حرم میں بسایا، ان کی معیشت کو فروغ دیا۔ اور ان میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا مگر وہ اس نعمت کی قدر نہ پہچان سکے“

(امام رازی تفسیر کبیر ص ۱۲۳ ج ۱۹ طبع ایران) (ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی الجامع

الاحکام القرآن ص ۲۳ ج ۹)

امام رازی لکھتے ہیں ”

☆ یہود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے اور نزول قرآن سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دشمنوں پر فتح کی دعائیں مانگتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ افْتَحْ عَلَيْنَا وَاَنْصِرْنَا بِالنَّبِيِّ الْاُمِّيِّ. اے اللہ! نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے فتح و نصرت عطا فرما۔

☆ اپنے مخالفین سے کہتے نبی آخر الزمان آنے والے ہیں وہ تمہارے مقابلہ میں ہماری مدد فرمائیں گے۔

☆ عربوں سے حضور علیہ السلام کی پیدائش کے بارے میں پوچھتے رہتے اور آپ کی شان بیان کرتے۔

☆ بنی قریظہ، بنی نضیر، اوس و خزرج کے مقابلہ میں سرکار کے وسیلہ سے فتح مانگتے۔

☆ یہودی علماء جب تورات میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت پڑھتے اور یہ کہ وہ عرب میں مبعوث ہونگے مشرکین عرب سے ان صفات کا پوچھتے رہتے تاکہ معلوم ہو پیدا ہو چکے ہیں۔ (تفسیر کبیر ص ۱۸۰ ج ۳ طبع ایران)

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت کی اپنی مخلوق پر بے انتہاء رحمتیں، نعمتیں اور کرم نوازیاں ہیں۔ ازل سے ہیں اور ابد تک رہیں گی۔ ان کا شمار ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بڑی بڑی نعمتوں کا اپنی تمام آسمانی کتابوں میں بالعموم اور قرآن کریم میں بالخصوص اہتمام سے ذکر فرمایا ہے۔ اور اپنے بندوں کو بھی ذکر کرنے، ان کا احساس کرنے، ان کا لحاظ کر کے ان کا شکر یہ ادا کیا کرنے کا حکم دیا ہے۔ ان نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت نبوت و رسالت کا فیض ہے۔ لہذا اس کا سب سے زیادہ ذکر کرنے کا حکم ہے۔ پہلی قوموں کو قرآن کریم میں بار بار اس فریضہ پر عمل کرنے کی تلقین و ترغیب دی گئی ہے۔ یٰبَنِی إِسْرَائِیلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِی الَّتِیْ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ“ اے اولاد یعقوب علیہ السلام میری اس نعمت کا ذکر کرو! جو میں نے تم پر کی۔ (۲-۴۰) فَاذْكُرُوا الْاِیَّاهُ اللّٰهُ لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُوْنَ. تم اللہ کی نعمتیں یاد کرو! کہ کہیں تمہارا بھلا ہو“ (۶۹-۷۷ الاعراف ۹)

نبی کی بعثت کو اللہ نے اپنا احسان قرار دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

لَقَدْ مِّنَ اللّٰهِ عَلٰی الْمُؤْمِنِیْنَ اذْبَعَتْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ

اٰیٰتِہٖ و یرٰکِہِمْ و یرٰکِہِمْ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَةَ وَاِنْ کَانَ مِنْ قَبْلِ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ .“

”بیشک اللہ نے بڑا احسان کیا مسلمانوں پر کہ ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو

ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور وہ

ضرور اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔“ (آل عمران ۳: ۱۶۴)

احسان تو سب پر فرمایا۔ مگر اس کا عرفان و شعور اور اس کی قدر و منزلت پہچان کر اسے

تسلیم کرنا اور اس سے دنیا و آخرت کی بھلائیاں حاصل کرنا۔ صلاح و فلاح پانا اہل ایمان ہی کا

مقدر ہے۔ اس لئے ان پر خدا کا بہت بڑا احسان ہے۔ وہ جس قدر اللہ کا شکر کریں کم ہے۔ اس احسان عظیم کے جتنے تذکرے کریں، ہر وقت بیان کریں، رات دن نشر و اشاعت کریں، کم ہے۔ اسی احساس در ماندگی کے ساتھ انہیں ہر وقت اللہ کی اس نعمت عظیمہ کا فکر کرتے رہنا ہی سعادت مندی ہے اور اس سے محرومی ہر خیر و برکت سے محرومی ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے۔ وَ اِمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ - ”اور اپنے رب کی نعمت کا خوب خوب چرچا کرو“ (الضحیٰ ۹۳: ۱۱)

کہ نعمت کا خوب چرچا کرنا بھی اس کی شکر گزاری ہے اور ذکر نہ کرنا احسان فراموشی و ناقدری ہے۔ اس نعمت عظیمہ کا چرچا شرعی حدود میں رہتے ہوئے جس طرح چاہو کرو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ (۳: ۱۶۳)۔ (یقیناً اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا جب ان میں: انہی میں سے رسول معظم مبعوث فرمایا) پھر سورۃ یونس میں فرمایا

قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ۔ (یونس، ۱۰: ۱۶۳)

پس تم فرماؤ اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت پر ہی چاہئے کہ خوشیاں منایا کریں۔ وہ ان کے سب دھن و دولت سے بہتر ہے۔

انجیل میں فرمایا ”خدا کے رسول کے وقت میں یہ رات ہر سال جشن کی ہوگی۔ جو اب ہر سو برس آتا ہے۔“

(جشن کی رات برناباس کی انجیل صفحہ ۱۲۶۔ اسلامک پبلی کیشنز لاہور تاسید شدہ مولانا مودودی۔)

علمائے دیوبند

وہابیہ عرب کی زبان سے بارہا سنا گیا ہے کہ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ کو سخت منع کرتے ہیں اور اہل حرمین پر سخت تنقید اس نداء اور خطاب پر کرتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے مقدس بزرگان (دیوبند علماء) اس صورت اور جملہ صورت درود شریف کو اگرچہ بصیغہ نداء کیوں نہ ہو مستحب و مستحسن جانتے اور اپنے متعلقین کو اس کا امر کرتے ہیں۔“ (حسین احمد مدنی

دیوبندی۔ الشہاب الثاقب، طبع دیوبند صفحہ ۶۵)۔

حاشا ان يقول احد من المسلمين فضلا ان نقول نحن ان ذكر ولادته الشريفة عليه الصلوة والسلام بل ذكر غبار نعاله وبول صخاره صلوات اللہ علیہ مستقبح من البدعات السیة الحرمة۔“

حاشا کہ کوئی مسلمان چہ جائیکہ ہم یہ کہیں کہ آپ صلوات اللہ علیہ کی میلاد مبارکہ کا ذکر بلکہ آپ کے جوتوں اور آپ کے گدھے کے پیشاب کا ذکر کرنا برا ہے اور بری حرام بدعتوں میں سے ہے۔“
(خلیل احمد انبیٹھوی، الھند ص ۳۰-۳۱)

مولوی اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں ”ایسا کون مسلمان ہوگا جو حضور صلوات اللہ علیہ کے وجود مسعود پر خوش نہ ہو یا شکر نہ کرے۔“ (میلاد النبی ص ۱۰۴ مطبوعہ مصنفہ تھانوی صاحب)
مزید فرماتے ہیں ”ایسی ذات بابرکات کے وجود پر جس قدر بھی خوشی اور فرح ہو کم ہے.... جس نعمت پر حق تعالیٰ اس شد و مد کے ساتھ خوش ہونے کا حکم فرمادیں وہ کس طرح خوش ہونے کے قابل نہ ہوگی۔“ ص ۱۲۱-۱۲۲ ایضاً۔

مزید۔ ”ولادت حضور پر نور کے دن نہ صرف زمین کے موجودات بلکہ ملائکہ عرش و فرش اور باشندگان عالم بالا سب کے سب مسرور و شادمان تھے۔“ (میلاد النبی تھانوی صاحب۔ صفحہ ۲۶۲)
حضور صلوات اللہ علیہ کا وجود خود بہار۔ پھر ولادت شریف کا ماہ بھی ربیع کا جس کے معنی بہار کے ہیں اور وہ موسم بھی بہار کا تھا اور حضور خود نور جو سب انوار سے فائق ہے۔“..... اس ماہ میں حضور صلوات اللہ علیہ کی ولادت ہوئی پس اب حیثیت خاص سے اس کو رمضان پر بھی فضیلت ہے۔“ (ایضاً)

امام ابن کثیر لکھتے ہیں ان ابلیس رن اربع رنات حین لعن و حین اہبط و حین ولد رسول اللہ و حین انزلت الفاتحہ۔ ”بے شک ابلیس (شیطان) چار بار رویا ہے اول جب لعنتی بنا۔ دوسرے جب زمین پر اتارا گیا۔ تیسری بار رسول اللہ صلوات اللہ علیہ کے میلاد پر چوتھی بار سورۃ فاتحہ کے نزول پر۔“ (البدایہ والنہایہ لابن کثیر ۲/۷-۲۶۶ طبع بیروت)

خلاصہ ان مباحث کا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت کوئی عام بات نہیں۔ بلکہ پہلی آسمانی کتابوں اور انبیائے کرام کی بیسیوں پیشگوئیوں کا حاصل ہے۔ دعاؤں کی قبولیت ہے، تمنائوں کی تکمیل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی برتر نعمت و رحمت و فضل ہے، اس کے چرچے کرنے اور اس پر خوشیاں منانے کا قرآن میں حکم دیا گیا ہے مسیح علیہ السلام کے فرمودات قرآن و انجیل میں موجود ہیں۔ ”مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد۔“ میں خوشخبری سنانے والا ہوں اس عظیم رسول کی جو میرے بعد آ رہا ہے جس کا نام نامی احمد ہے۔“ (۶۱/۶۱ الصّٰف)

میں اس کے پاؤں کے جوتے کے تسمے کھولنے کے بھی قابل نہیں۔“ (برناباس کی انجیل ص ۷۷) مبارک ہو وہ دن جب تو دنیا میں آئے۔“ (برناباس کی انجیل)

اور بی بی آمنہ علیہا السلام کو نظر آنے والا وہ نورانی منظر جس کی روشنی میں شام کے محل نظر آ گئے۔ (مشکوٰۃ ص ۵۱۳)

پس اے عزیزو! رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت سے بڑھ کر خوشی منانے کا کوئی دوسرا موقع نہیں اور کوئی خوشی اس طرح منانے کا حکم نہیں دیا گیا۔ آپ خوشیاں منائیں۔ چراغاں کریں، جھنڈیاں لگائیں۔ گھر، مکان و گلیاں اور بازار، مساجد و مقابر کو سجاائیں، کھانے کھلائیں مسلمانوں کو، غیر مسلم کو، حیوانوں و پرندوں کو محتاجوں کو لباس پہنائیں، روپیہ پیسہ دیں، غریبوں کی دل کھول کر مدد کریں۔ خوشی کا ایسا مظاہرہ جس کی نظیر نہ ہو۔ درج بالا آیات قرآنی و احادیث اور بائبل کے حوالہ جات اسی امر پر بین ثبوت ہیں۔ چنانچہ خوشی کی خاطر خواہ آپ خانہ کعبہ، مسجد حرام، مسجد اقصیٰ، مسجد نبوی، گنبد خضریٰ کے ماڈل بنائیں یا آبشاریں، پہاڑ بنائیں یا چراغاں کریں، یہ سب اللہ کا حکم ہے کہ اس نے فرمایا ہے کہ فبذلک فلیفرحوا۔ اسی پر خوشیاں منائیں۔ ہو خیر مما یجمعون۔ یہ جشن منانا اس پر مال خرچ کرنا، خوشیاں منانا بہتر ہے ہر اس چیز سے جو جمع کرتے ہیں۔“ (۵۸/۱۰)

جس کو اللہ و رسول پر اعتماد ہے۔ قرآن، حدیث، بائبل اور ائمہ امت پر اعتماد ہے وہ ہر جائز طریقہ سے خوشیاں منائے صدقہ و خیرات کرے۔ مال خرچ کرے، وقت صرف کرے، دلچسپی لے۔ اور جسے شیاطین پر اعتماد ہے وہ الگ تھلگ رہے۔ بلکہ شیطان کی طرح ماتم کرے۔

میلا والنبی ﷺ

جشن اور احتساب کا دن

(علی اکبر قادری الازہری)

ماہ میلادِ رسول ﷺ..... ربیع الاول..... محبتوں، مسرتوں اور سعادتوں کی متاعِ گراں بہا لے کر اہل ایمان و یقین کے مضطرب جذبوں کو سیراب کر کے ہمیں حیاتِ جاودانی عطا کرتا ہے۔ مشاق روحیں بے چین جذبوں کے ساتھ اس مطلعِ صبحِ ازل کی منتظر ہیں۔ اہلِ عشق و محبت اشکوں سے وضو کر کے حریمِ دیدہ و دل سجا رہے ہیں۔ اس ماہِ مقدس کا ہر دن ہر لمحہ اور ہر گھڑی کشتِ ایمان کیلئے بہارِ جاوداں کی پیامی ہے۔ کائناتِ بہت و بود کو تاریخ کے ان مقدس لمحات پر ناز ہے جو اسی ربیعِ الاول کی ایک صبحِ سعادت کے دامن میں سمٹ آئے تھے۔ ظہورِ قدسی کی وہ نورانی ساعتیں جن میں عرب کا چاند وادیِ مکہ میں چمکا اور پورے جہاں کو تابدار روشن کر گیا، کارخانہٴ قدرت کا سرمایہٴ افتخار ہیں۔

وہ صبحِ درخشاں جب فضائے عالم مسرتوں کے دلاویز نغموں سے گونج اٹھی آج تک مطلعِ عالم میں بہاروں کو بانگین لٹا رہی ہے۔ اس صبحِ انقلاب کی اثر آفرینی کا کیا کہنا جس نے تاریخِ کارخ موڑ دیا۔ وہ تاریخ جس کا ورق ورق در ماندگی اور انسان دشمنی کی گواہی دے رہا تھا، وہ تاریخ جس کا دامن ظلم و بربریت سے تار تار تھا، وہ تاریخ جس میں قیصر و کسریٰ کا استبداد لوگوں کا مقدر بن چکا تھا۔ ظہورِ قدسی کے ان مبارک لمحات نے تہذیبِ انسانی کو وقار سے نوازا، ثقافت کے چہرے کو تقدس کے زیور سے آراستہ کیا، علم کو عرفان کی منزل تک پہنچایا، عمل کو صالحیت و مقصدیت

کا حصار عطا کیا، زندگی کی ویران راہوں پر سرورِ بندگی کے شجر ہائے شردار اگائے، نفرتوں اور عداوتوں کے لامتناہی صحرا میں اخوت، محبت، مروت اور خلوص کے حیات بخش گلستاں آباد کئے، بے مقصدیت کی شاہراہ پر سسکتی، بھکتی اور بھٹکتی انسانیت کو عرفان و آگہی کی دولت سے نواز کر خالق تک رسائی کی حقیقی منزل سے ہمکنار کیا۔

اس صبحِ نور کے پاکیزہ اجالے کا کیا کہنا جس نے شمس و قمر کو روشنی اور ستاروں کو ضوفشانی عطا کی۔ بلاشبہ یہی وہ لمحات تھے جن کے انتظار میں گردشِ شام و سحر نے ماہ و سال کی لاکھوں کروٹیں بدلی تھیں۔ قدرت نے انسان کے شعور کو تمام ارتقائی منازل سے گزار کر بلوغت کے اس مقام پر پہنچا دیا تھا جب وہ ہدایت و رہنمائی کیلئے کسی جامع صفات ہستی کیلئے بے تاب ہو گیا تھا۔

یومِ میلادِ النبی ﷺ۔۔۔۔۔ دراصل پوری انسانیت کا یومِ نجات ہے۔ کفر سے نجات،

شرک سے نجات، جہالت سے نجات اور جنگل کے قانون کی حکمرانی سے نجات۔ میلادِ النبی ﷺ اس لائٹننگ سے نجات اور غلامی سے چھٹکارے کی نوید ہے جس میں یتیموں، بے کسوں اور مفلسوں کو بھی زندگی گزارنے کے وہی حقوق ملے جو معاشرے کے دیگر صاحبِ ثروت لوگوں کیساتھ ہی مختص تھے۔ میلادِ النبی ﷺ اس عظمت و شرفِ انسانی کی پاسبان ہے جس نے بلال و یاسر جیسے سیاہ فام غلاموں کو عرب کے سرداروں پر سبقت دلائی۔ میلادِ النبی ﷺ ظلمتِ دہر میں روشنی کا وہ مینارہ ہے جس سے قیامت تک بھٹکنے والے قافلوں کو منزل کا سراغ ملتا رہے گا۔

میلادِ النبی ﷺ انسانیت کیلئے خالق کے اس نظام کا اجراء ہے جس کی حکمرانی تمام نسلی، جغرافیائی، لسانی اور طبقاتی بتوں کو پامال کر کے سب کو برابری کے حقوق عطا کرتی ہے بلکہ مجھے کہنے دیجئے کہ میلادِ النبی ﷺ خالق کائنات کا وہ آخری ”ورلڈ آرڈر“ ہے جس کے بعد کسی نئے یا پرانے ورلڈ آرڈر کی ضرورت نہیں۔ اس لئے امتِ مسلمہ اور اے اس عظیم و جلیل پیغمبر ﷺ کے نام لیوا غلامو! آؤ سب اپنے آقا کے جشنِ میلاد میں شریک ہو جائیں۔ گھر گھر، گلی گلی، قریہ قریہ، شہر شہر اور ملک ملک درود و سلام کے نعماتِ سرمدی کی دھوم مچادیں۔ دہر میں اسمِ محمد ﷺ سے جتنا اجالا

کرو گے، قوتِ عشق سے اپنی پستیوں کو بلندیوں میں بدلتے جاؤ گے۔ تاجدارِ کائنات ﷺ سے محبت و وفا تم سے یہ تقاضا کرتی ہے کہ ان کی آمد کے جشن میں اپنی ممکنہ توانائیاں صرف کر دو لیکن کیا یہ ایک دو روزہ جشن میلاد میں جوش و خروش تمہارے ایمان و عمل کا معیار ہوگا؟ ہر سال ۲ ربیع الاول کو محفلِ میلاد کا اہتمام، جلسے جلوس اور لنگر کا اہتمام کر کے کیا محبتِ رسول ﷺ کے امتحان میں ہم کامیاب ہو جائیں گے؟ یہی نکتہ قابلِ غور ہے اور یہی مقام محتاجِ توجہ۔

اس لئے آئیے! ایک لمحے کیلئے ہم سب اپنے من میں جھانک کر دیکھیں اور اپنی ذات سے کائنات تک نظر دوڑائیں۔ حرص و ہوس، کبر و نخوت اور خونخواری کے بڑے بڑے بت بھی نظر آئیں گے اور ظلم و ستم اور قتل و غارتگری کے عالمی سلسلے بھی۔ کائنات کو امن عطا کرنے والے نبی رحمت ﷺ کی امت خود بے امنی کا شکار ہے۔ دنیا کو محبت کا درس سکھانے والی قوم کے افراد باہمی نفرتوں کا شکار ہیں، ستاروں کو نشانِ راہ دکھانے والے خود بے جہت جھنڈ بن چکے ہیں، فطرت کی طاقتوں کو مسخر کرنے کا عہد لے کر آنے والی قوم خود بکھرے ہوئے ریوڑ کی طرح قدم قدم پر خونخوار بھیڑیوں کی زد میں ہے۔ فلسطین، کشمیر، بوسنیا اور چیچنیا سے اس امت کی چیخیں بلند ہو رہی ہیں لیکن ہمارے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ بیت المقدس ہو یا بابر کی مسجد ہمارے سامنے دینی شعائر مٹائے جا رہے ہیں لیکن ہم بے حس و حرکت ہیں۔ ہمارے گھروں، محلوں اور شہروں میں کفر و الحاد اور شیطنت، فحاشی، ہیرانی کی صورت میں ننگا ناچ رہی ہے لیکن ہم نے اس سے بھی سمجھوتہ کر لیا ہے۔ یاد رکھو یہ ثقافتی یلغار کفر کا بہت بڑا خطرناک حملہ ہے جس کا مقابلہ بموں اور میزائلوں سے نہیں صرف اور صرف جذبہ ایمان سے ہو سکتا ہے اور یہ جذبہ دہلیزِ مصطفیٰ ﷺ کی خیرات ہے۔ ہاں غور سے سنو تو سازِ فطرت سے تمہیں ہر سو یہ سنائی دے گا۔

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

(جولائی ۹۶ء)

عید میلاد النبی ﷺ

(نواب مشتاق احمد خان)

وہ دانائے سبل ختم رسل مولائے کل جس نے

غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادی سینا

آج اس قدسی نور کے ظہور کا دن ہے جس کی ضایا شیاں رہتی دنیا تک باطل کی

تاریکیوں اور تیرگیوں کو کافور کرتی رہیں گی۔ یوں تو اس سے پہلے بھی انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام

تشریف لائے پیغام حق کا درس دیا..... لیکن جو درس نبی امی ﷺ نے دیا اس نے جو بیان حق

کو تمام اگلے پچھلے پیغامات سے بے نیاز کر دیا۔ اللہ کے اس آخری پیغام نے ہر نوع کی عصبیتوں کا

قلع قمع کر دیا اور دنیا کو ایسے محیر العقول ذہنی انقلاب سے روشناس کیا جس کی بدولت عرب کے صحرا

نورِ دقعر مذلت سے نکل کر اوجِ ثریا تک پہنچ گئے۔

عرب جس پہ قرونوں سے تھا جہل چھایا

پلٹ دی بس اک آن میں اس کی کایا

حضور ﷺ نے روحانی امراض میں مبتلا، مادی آلام کی شکار، روایت پرستی کی ستائی مظلوم

انسانیت کی مسیحائی فرمائی۔ غلاموں کو شہریاری کا رتبہ عطا فرمادی۔ حضور ﷺ کے غلاموں کا کیا درجہ ہے۔

مجھے اس کا احساس اپنے حالیہ سفرِ دمشق میں ہوا جہاں میں نے دیکھا کہ عاشقِ رسول اور حضور ﷺ کے

موزن حضرت بلال حبشیؓ کی پائینتی مملکت عثمانیہ ترکیہ کے جلیل القدر بادشاہ دفن ہیں۔ بقول شاعر

فاروقؓ " یہ کہتے ہیں وہ آقا ہیں ہمارے

دیکھے تو کوئی اوجِ بلال حبشیؓ کا

حضور نے قیاموں اور بیسوں کی سرپرستی فرمائی۔ عورت کو معاشرہ میں وہ درجہ عطا کیا جس کی آجکل کے نام نہاد آزادی نسواں کے دور میں بھی نظیر نہیں ملتی۔ ایسے محسن انسانیت کی یاد اور اس پر درود و سلام پیش کرنے میں جو لمحات بھی گزریں وہ ہمارے لئے باعث برکت و سعادت ہیں۔ جس والہانہ شیفتگی اور عقیدت مندی کے ساتھ خوشی اور غمی کے ہر موقعہ پر ملک میں سرکارِ دو عالم ﷺ کی بارگاہ میں درود و سلام پیش کرنے کی محفلیں منعقد ہوتی ہیں وہ بے حد باعث مسرت و امتنان ہے۔

حضرت ختمی مرتبت ﷺ سے عقیدت اور محبت کا جہاں تک تعلق ہے مسلمان دنیا کی ہر قوم اور مذہب والے سے زیادہ حساس واقع ہوا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس نے اپنے عقائد کے احترام کی خاطر اور سرکارِ دو عالم ﷺ کے ناموس کی حفاظت کے لئے سر دھڑکی بازی لگادی۔ بڑی سے بڑی طاقت سے ٹکر لی۔ خود مٹ گیا مگر اپنے عقائد اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناموس پر حرف نہیں آنے دیا۔ ابھی چند برس ہوئے اسی شہر لاہور کے ایک نوجوان نے اسی جذبہ کے تحت عواقب اور نتائج سے بے پروا ہو کر ناموس رسول ﷺ کے لئے اپنی جان کی بازی لگادی۔ آج وہ میانی صاحب کے قبرستان میں غازی علم دین شہید کے نام سے محو خواب ہے اور ہزاروں مسلمان روز اس عاشق رسول ﷺ کے مزار پر فاتحہ خوانی کرتے ہیں۔ اسی طرح اس جذبہ سے سرشار ہو کر بدتر سے بدتر مسلمان جسکی عمر فسق و فجور میں گزری ہو اپنے عقائد کے احترام کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دے سکتا ہے۔ اسی ضمن میں ۱۹۴۸ء میں راولپنڈی کا چشم دید واقعہ بیان کرتا ہوں۔

جنوری ۱۹۴۸ء میں پاکستان کی پہلی عید میلاد تھی۔ خون کے دریاؤں کو پار کر کے اور عزیزوں اور دوستوں کی نعشوں کی چھوٹی بڑی پہاڑیوں کو غبور کر کے مہاجرین کو سرزمین پاکستان میں وارد ہوئے کچھ زیادہ مدت نہیں ہوئی تھی۔ ایک نظریہ حیات کے لئے اتنی بڑی قربانی دینے کے بعد جذبہ میں فراوانی اور ایمان میں تازگی تھی۔ اس لئے پہلی عید میلاد کے موقع پر بڑا جوش اور جذبہ تھا۔ فوجوں کے جلوس شہر کے بازاروں میں گزر رہے تھے جلوس کو دیکھنے کے لئے میں بھی ایک جگہ کھڑا ہو گیا۔ میرے پاس ہی ایک سفید پوش بزرگ پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے کھڑے تھے۔ جیسے

ہی فوج کا ایک دستہ اللہ اکبر کے نعرے بلند کرتا ہو درود و سلام پڑھتا ہو پاس سے گزرا ان کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ یہ سماں دیکھ کر ایک شوخ نوجوان جو پاس ہی کھڑا تھا۔ ان سے مخاطب ہو کر بولا باباجی یہ تو خوشی کا موقعہ ہے آپ روتے کیوں ہیں؟ سفید پوش بزرگ نے اٹتے ہوئے آنسوؤں کے سیلاب میں بہتے ہوئے جواب دیا۔ ”عزیز من! یہ رنج کے آنسو نہیں خوشی اور مسرت کے آنسو ہیں ورنہ وحدہ لا شریک کی قسم! رنج کے آنسو بہانے کے لئے میرے پاس کافی وجوہ موجود ہیں یہ ناچیز گنہگار جو آپ کے سامنے کھڑا ہے بھک منگا نہیں۔ وہ چاندنی چوک دہلی کا ایک خوشحال سوداگر تھا۔ اب اس کے پاس ان چھتھڑوں کے سوا کچھ نہیں جو اس کے جسم کی ستر پوشی کر رہے ہیں اس کی دوکان کونڈر آتش کر دیا گیا اس کے مکان اور ساری متاع حیات کو ملیا میٹ کر دیا گیا اس کی گھر والی کو ظالموں نے اس کے سامنے قیمہ قیمہ کر ڈالا اس کی جوان بیٹی کو اس کی آنکھوں کے سامنے پکڑ کر لے گئے اور وہ بے بس کھڑا دیکھتا رہا۔ اس کے دودھ پیتے بچے کا وہ حشر کیا جس کے بیان کرنے کی بھی اس کی زبان میں طاقت نہیں۔ اس کے بھائی بندوں کو بلا لحاظ عمر و جنس تہ تیغ کر دیا گیا۔

”عزیز من! میں ضرور تمند ہوں، مظلوم ہوں، اللہ کی اس وسیع دنیا میں تنہا اور بے یار و مدد گار ہوں لیکن باوجود اس کے میں خوش ہوں اور خوشی کے آنسو بہا رہا ہوں اس لئے کہ سب کچھ کھونے کے بعد بھی میں اپنی آنکھوں سے یہ روح پرور منظر دیکھ رہا ہوں۔ اپنے کانوں سے میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ پر درود و سلام سن رہا ہوں۔ عسا کرِ اسلامیہ کے گھوڑوں کے ٹاپوں کی ایمان افروز آواز سن رہا ہوں۔ الحمد للہ کہ سب کچھ کھونے کے بعد بھی میں راضی برضا ہوں اور میرا ایمان سلامت ہے اور میں اپنے آپ کو خسارہ میں نہیں پاتا۔

سوال کرنے والا یہ سن کر بے اختیار ہو کر اس فرشتہ سیرت انسان اور صاحب ایمان بزرگ سے لپٹ گیا۔ اس پاس جتنے لوگ تھے اور جس نے بھی یہ ساری گفتگو سنی اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ اللہ اللہ! کیسا ایمان افروز اور دل ہلا دینے والا منظر تھا رسول کریم ﷺ سے والہانہ محبت رکھنے والے لوگ ابھی عنقا نہیں۔ یہی جذبہ عقیدت اور پختگی ایمان ہمارے حال اور مستقبل کا

ضامن ہے مایوس اور پست ہمت ہونے کی ضرورت نہیں۔ اگر نرم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی ضرورت اس امر کی ہے کہ عامۃ الناس کو اس راستہ کی نشاندہی کی جائے جو اس دور میں خراب ماحول اور غلط تعلیم کی وجہ سے ہماری نظروں سے اوجھل ہو رہا ہے۔ یہ امر باعث افسوس ہے کہ اتنے شدید مذہبی جذبات اور رسول اکرم ﷺ کی ذات اقدس سے ایسی والہانہ عقیدت رکھنے کے باوجود ہماری عملی زندگی جس میں انسان کے کردار، اعتقادات اور ایمان کا صحیح امتحان ہوتا ہے ہر قدم پر ان اعتقادات کا بطلان کرتی ہے اور اس ضابطہ حیات کی نفی کرتی ہے جس کی محسن اعظم ﷺ نے ہمیں تعلیم دی تھی۔ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں ہدیہ درود و سلام پیش کرنا ہمارے لئے برکت ہی برکت ہے اور میں وہ دن دیکھنے کے لئے زندہ ہوں جب ہر گھر، ہر محلہ میں رسول پاک ﷺ کا ذکر ہو۔ یہ ذکر مکان و مکین دونوں کے لئے موجب برکت ہے۔

جہاں ذکر میلا ذخیر البشر ﷺ ہو

خدا کی قسم وہ مکاں محترم ہے

شہ دیں گا ہر تذکرہ ہے گرامی

شہ دیں گی ہر داستاں محترم ہے

لیکن ایمان کی بات ہے کہ یہ تقریب منانا ہمیں صحیح معنوں میں اس وقت زیب دے گا جب ہم اپنے ممدوح ﷺ کے بتائے ہوئے راستہ پر گامزن ہوں۔ میں یہ عرض کروں گا اور طالب معافی ہوں گا اگر یہ بات کڑوی معلوم ہو کہ جس مقدس ہستی کا ذکر ہم دھوم دھام سے اور عقیدت مندی سے کریں جس کی حیات طیبہ کے بیان سے اپنی بے مانگی اور شرمندگی کے پورے احساس کے ساتھ ہماری آنکھوں سے آنسو بہہ نکلیں۔ اسی کے پیغام سے تغافل برتیں۔ صحیح عشق وہ ہے کہ محبوب سے ہر اعتبار سے نسبت پیدا کی جائے۔ یہ کیسا عاشق ہے کہ اس کے پیغام کو نہ سمجھا جائے اور نہ سمجھایا جائے؟ یہ کیسی محبت ہے کہ اس کے بتائے ہوئے طریقہ کو اپنانے میں ہچکچاہٹ محسوس ہو اور ہر ممکن حیلہ بہانہ کی آڑ لے کر اس کے نقش قدم پر چلنے سے گریز کریں۔

یومِ میلاد۔۔۔۔۔ یومِ انقلاب

(علی اکبر قادری الازہری)

ربیع الاول۔۔۔۔۔ اسلامی سن ہجری کا مبارک مہینہ۔۔۔۔۔ ہر سال اپنے دامن میں کیف و سرور اور محبت و مروت کے ان مٹ سمندر لیے جلوہ گر ہوتا ہے اور نگر نگر تذکار رسالت ﷺ کے تازہ جہاں آباد کر کے رخصت ہو جاتا ہے۔ جشنِ میلاد النبی ﷺ کی یہ دھوم ایک طرف محبوب کبریا تاجدارِ کائنات ﷺ کے ساتھ ہمارے تعلقِ محبت کا اظہار ہے اور دوسری طرف اس رشتہٴ غلامی کے ساتھ عائد ہونے والی ذمہ داریوں کو نبھانے کا تجدیدِ عہد بھی ہے۔ جشنِ میلاد النبی ﷺ پر اظہارِ مسرت سنتِ الہی بھی ہے اور حکمِ الہی بھی۔

تخلیقِ انسانیت سے بہت پہلے۔۔۔۔۔ ارواحِ انبیاء کے مقدس اجتماع کا انعقاد جہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلا جشنِ میلاد النبی ﷺ تھا وہاں ”میثاق النبین“ میں کارفرما حکمتِ ربی حضور ﷺ کے مشن کی تکمیل کیلئے تن من دھن لٹانے کی متقاضی بھی تھی۔ چنانچہ ازل سے ابد تک۔۔۔۔۔ قافلہٴ انسانیت کی کامیابی کا انحصار وہی ایمان اور نصرتِ رسول ﷺ ٹھہرا جس کا عہد اللہ تعالیٰ نے اس تقریبِ سعید میں لیا تھا۔۔۔۔۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو نبوت و رسالت کی نعمت اسی پہلی تقریبِ میلاد میں عطا ہوئی اور اس پختہ عہد کے بعد ہوئی جس میں رسالتِ محمدی ﷺ پر ایمان اور تصدیق شرطِ اول تھی۔ اس لئے ہمارا عقیدہ ہے کہ سیدنا آدم سے لے سیدنا عیسیٰ تک جتنے انبیاء و رسل دنیا کے جس کونے میں جس وقت بھی تشریف لائے وہ نبوت و رسالتِ محمدی ﷺ کے فیض کا پرتو بن کر آئے اور قیامت تک جو بھی رضائے الہی کی منزل کو پائے گا وہ بھی اسی فیضِ نبوی ﷺ کا خوشہ چمین ہوگا۔ حق تو یہ ہے کہ جس کو ملا جب بھی ملا جو کچھ ملا وہ درحقیقت ﷺ کی خیرات تھی۔

ربیع الاول شریف کا دامن اس لیے نعمت ہائے ربانی سے مالا مال ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے اس محبوب و مکرم رسول ﷺ کا ظہور ہوا جن کے طفیل دنیا کی سب نعمتوں کو وجود ملا۔ یہی وجہ ہے کہ اہل ایمان ہر دور میں ان ایام کو زندگی کے قیمتی لمحات سمجھ کر ذکر رسول ﷺ میں گزارتے رہے ہیں۔ یوں تو مسلمان کا ہر سانس اور زندگی کا ہر لمحہ ذکر رسول ﷺ میں بسر ہونا چاہیے لیکن آپ کی ولادت کی گھڑیاں تو تاریخ بشریت کا وہ قیمتی سرمایہ ہیں جنہیں یادگار بنانے کی ہر کاوش تحدیثِ نعمت کے زمرے میں شامل ہو کر اللہ کے ہاں محبوب و مقبول ٹھہرتی ہے۔

ہمارا دور جس اضطراب اور بے یقینی کی گرفت میں ہے اس کا علاج انسانی علم کی بلند یوں اور مادی وسائل کی فراوانی میں نہیں بلکہ اس نسخہ کیمیاء میں موجود ہے جو اللہ تعالیٰ نے آخری اور مکمل پیغام کے طور پر اپنے آخری رسول ﷺ کے قلبِ اطہر پر اتارا۔ ربیع الاول ہر سال ہمیں اسی پیغام کی عالمگیریت اور اسی نسخہ کیمیاء کی اہمیت کی یاد بھی دلاتا ہے۔ یہی نسخہ ہماری کامیابی، کامرانی اور ہمہ جہت عالمی کردار کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ وہ کردار جس کی صداقت کا ڈنکا ساری دنیا میں پورے ۱۲ سو سال بجاتا رہا۔

ہمیں میلاد النبی ﷺ کا جشن مناتے ہوئے یہ کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ یومِ میلاد النبی ﷺ دراصل یومِ نجات بھی تھا۔ شرک سے نجات، جہالت سے نجات، ظلم سے نجات، غلامی کی زنجیروں سے نجات، شیطان اور طاغوت کے ہتھکنڈوں سے نجات اور جھوٹے خداؤں کی اذیت ناک خدائی سے نجات۔ یومِ میلاد النبی ﷺ دراصل اس انقلاب کی صبحِ نو تھی جس نے انسانیت کے دامن سے درندگی کے بد نما دھبوں کو دھویا اور اسے رحمت و رافت کے سدا بہار پھولوں سے بھر دیا۔ اس انقلاب نے عرب کے صحرا نوردوں کو خضرِ راہ بنا دیا۔ اونٹ اور بھیڑ بکریوں کے چرواہوں کو قیامت تک قافلہ علم و حکمت کی پیشوائی کا منصب عطا کیا۔ یہی انقلاب تھا۔۔۔۔ جس نے نوعِ انسانی کو حقیقی آبرو بخشی۔ جانوروں سے بدتر زندگی بسر کرنے والے غلاموں کو وہ جرأت اور حوصلہ دیا کہ وہ اپنے آقاؤں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہر جائز بات کرنے اور ان کے

محافل میلاد النبی ﷺ

اتباع سنت اور محبت رسول کا محرک

(علامہ ڈاکٹر محمد اقبال)

زمانہ ہمیشہ بدلتا رہتا ہے۔ انسانوں کی طبائع، ان کے افکار اور ان کے نقطہ ہائے نگاہ بھی زمانے کے ساتھ ہی بدلتے رہتے ہیں۔ لہذا تہواروں کے منانے کے طریقے اور مراسم بھی متغیر ہوتے رہتے ہیں اور ان سے استفادہ کے طریق بھی بدلتے رہتے ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم بھی اپنے مقدس دنوں کے مراسم پر غور کریں اور جو تبدیلیاں افکار کے تغیرات سے ہونی لازم ہیں ان کو مد نظر رکھیں۔

منجملہ ان مقدس ایام کے جو مسلمانوں کے لئے مخصوص کئے گئے ہیں ایک میلاد النبی کا دن بھی ہے، میرے نزدیک انسانوں کی دماغی اور قلبی تربیت کے لئے نہایت ضروری ہے کہ ان کے عقیدے کی رو سے زندگی کا جو نمونہ بہترین ہو وہ ہر وقت ان کے سامنے رہے چنانچہ مسلمانوں کے لئے اسی وجہ سے ضروری ہے کہ وہ اسوہ رسول ﷺ کو مد نظر رکھیں تاکہ جذبہ تقلید اور جذبہ عمل قائم رہے۔ ان جذبات کو قائم رکھنے کے تین طریقے ہیں:

پہلا طریق تو درود و صلوة ہے جو مسلمانوں کی زندگی کا جزو لاینفک ہو چکا ہے وہ ہر وقت درود پڑھنے کے موقعے نکالتے ہیں، عربوں کے متعلق میں نے سنا ہے کہ اگر کہیں بازار میں دو آدمی لڑ پڑتے ہیں اور تیسرا با آواز بلند اللہم صل علی سیدنا محمد وبارک وسلم پڑھ دیتا ہے تو لڑائی فوراً رک جاتی ہے اور متخاصمین ایک دوسرے پر ہاتھ اٹھانے سے فوراً باز آ جاتے ہیں۔ یہ درود کا اثر ہے اور لازم ہے کہ جس پر درود پڑھا جائے اس کی یاد قلوب کے اندر اپنا اثر پیدا کرے۔

پہلا طریق انفرادی دوسرا اجتماعی۔ یعنی مسلمان کثیر تعداد میں جمع ہوں اور ایک شخص جو حضور آقائے دو جہاں ﷺ کے سوانح حیات سے پوری طرح باخبر ہو آپ کے سوانح زندگی بیان کرے تاکہ ان کی تقلید کا ذوق شوق مسلمانوں کے قلوب میں پیدا ہو۔

تیسرا طریق اگرچہ مشکل ہے لیکن بہر حال اس کا بیان کرنا ضروری ہے۔ وہ طریقہ ہے کہ یاد رسول ﷺ اس کثرت سے اور ایسے انداز میں کی جائے کہ انسان کا قلب نبوت کے مختلف پہلوؤں کا خود مظہر ہو جائے یعنی آج سے تیرہ سو سال پہلے جو کیفیت حضور سرور دو عالم ﷺ کے وجود مقدس سے ہوید اٹھی وہ آج تمہارے قلوب کے اندر پیدا ہو جائے۔ حضرت مولانا روم فرماتے ہیں:

آدمی دید است باقی پوست است

دید آں باشد کہ دید دوست است

یہ جو ہر انسانی کا انتہائی کمال ہے کہ اسے دوست کے سوا اور کسی چیز کی دید سے مطلب نہ رہے۔ یہ طریقہ بہت مشکل ہے۔ کتابوں کو پڑھنے یا میری تقریر سننے سے نہیں آئے گا۔ اس کے لئے کچھ مدت نیکوں اور بزرگوں کی صحبت میں بیٹھ کر روحانی انوار حاصل کرنا ضروری ہے۔ اگر یہ میسر نہ ہو تو پھر ہمارے لئے یہی طریقہ غنیمت ہے جس پر ہم آج عمل پیرا ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ اس طریق پر عمل کرنے کے لئے کیا کیا جائے؟ پچاس سال سے شور برپا ہے کہ مسلمانوں کو تعلیم حاصل کرنی چاہئے۔ لیکن جہاں تک میں نے غور کیا ہے تعلیم سے زیادہ اس قوم کی تربیت ضروری ہے اور ملی اعتبار سے یہ تربیت علماء کے ہاتھ میں ہے۔ اسلام ایک خالص تعلیمی تحریک ہے۔ صدر اسلام میں اسکول نہ تھے، کالج نہ تھے، یونیورسٹیاں نہ تھیں، لیکن تعلیم و تربیت اس کی ہر چیز میں ہے۔ خطبہ جمعہ، خطبہ عید، حج، وعظ غرض تعلیم و تربیت عوام کے بے شمار مواقع اسلام نے بہم پہنچائے ہیں۔ لیکن افسوس کہ علماء کی تعلیم کا کوئی صحیح نظام قائم نہ رہا اور اگر کوئی رہا بھی تو اس کا طریق عمل ایسا رہا کہ دین کی حقیقی روح نکل گئی۔ جھگڑے پیدا ہو گئے اور علماء کے درمیان جہتیں پیغمبر اسلام علیہ السلام کی جانشینی کا فرض ادا کرنا تھا، سر پھٹول ہونے لگی۔ مصر، عرب،

ایران، افغانستان ابھی تہذیب و تمدن میں ہم سے پیچھے ہیں لیکن وہاں علماء ایک دوسرے کا سر نہیں پھوڑتے۔ وجہ یہ ہے کہ بیشتر اسلامی ممالک نے اخلاق کے اس معیار اعلیٰ کو پایا ہے جس کی تکمیل کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوئے تھے اور ہم ابھی اس معیار سے بہت دور ہیں۔

دنیا میں نبوت کا سب سے بڑا کام تکمیل اخلاق ہے چنانچہ حضور نے فرمایا: **بُعِثْتُ لِاتْمَمِ مَكَارِمِ الْأَخْلَاقِ** یعنی میں نہایت اعلیٰ اخلاق کے اتمام کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ اس لئے علماء کا فرض ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق ہمارے سامنے پیش کیا کریں تاکہ ہماری زندگی حضور ﷺ کے اسوہ حسنہ کی تقلید سے خوشگوار ہو جائے اور اتباع سنت زندگی کی چھوٹی چھوٹی چیزوں تک جاری و ساری ہو جائے۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے خر بوزہ لایا گیا تو آپ نے کھانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ مجھے معلوم نہیں رسول اللہ ﷺ نے اس کو کس طرح کھایا ہے مبادا میں ترک سنت کا مرتکب ہو جاؤں۔

کامل بسطام در تقلید فرد

اجتناب از خوردن خر بوزہ کرد

افسوس کہ ہم میں بعض چھوٹی چھوٹی باتیں بھی موجود نہیں جن سے ہماری زندگی خوشگوار ہو اور ہم اخلاق کی فضا میں زندگی بسر کر کے ایک دوسرے کے لئے باعث رحمت ہو جائیں۔ اگلے زمانے کے مسلمانوں میں اتباع سنت سے ایک اخلاقی ذوق اور ملکہ پیدا ہو جاتا تھا اور وہ ہر چیز کے متعلق خود ہی اندازہ کر لیا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا رویہ اس چیز کے متعلق کیا ہوگا۔

حضرت مولانا رومؒ بازار میں جا رہے تھے۔ آپ کو بچوں سے بہت محبت تھی، کچھ بچے کھیل رہے تھے، ان سب نے مولانا کو سلام کیا اور مولانا ایک ایک کا سلام الگ الگ قبول کرنے کے لئے دیر تک کھڑے رہے، ایک بچہ کہیں دور کھیل رہا تھا، اس نے وہیر سے پکار کر کہا حضرت! ابھی جائے گا نہیں، میرا سلام لیتے جائیے۔ تو مولانا نے بچہ کی خاطر دیر تک توقف فرمایا اور اس کا سلام لے کر گئے۔ کسی نے پوچھا: حضرت! آپ نے بچہ کے لئے اس قدر توقف کیا۔ آپ نے

فرمایا کہ اگر رسول اللہ ﷺ کو اس قسم کا واقعہ پیش آتا تو حضور بھی یونہی کرتے۔

گویا ان بزرگوں میں تقلید رسول ﷺ اور اتباع سنت سے ایک خاص اخلاقی ذوق پیدا ہو گیا تھا۔ اس طرح کے بے شمار واقعات ہیں۔ علماء کو چاہئے کہ ان کو ہمارے سامنے پیش کریں۔ قرآن و حدیث کے غوامض بتانا بھی ضروری ہے لیکن عوام کے دماغ ابھی مطالب عالیہ کے متحمل نہیں۔ انہیں فی الحال صرف اخلاق نبوی ﷺ کی تعلیم دینی چاہئے۔

میلاد النبی ﷺ

چمنستان سعادت میں بہاروں کا پیغام

(علامہ شبلی نعمانی)

”چمنستان دہر میں بارہا روح پرور بہاریں آچکی ہیں؟ چرخ نادرہ کار نے کبھی کبھی بزم عالم اس سروساماں سے سجائی کہ نگاہیں خیرہ ہو کر رہ گئیں لیکن آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار میں پیر کہن سال دہر نے کروڑوں برس صرف کر دیئے۔ سیارگان فلک اسی دن کے شوق میں ازل سے چشم براہ تھے، چرخ کہن مدت ہائے دراز سے اسی صبح جان نواز کیلئے لیل ونہار کی کروٹیں بدل رہا تھا۔ کارکنان قضا و قدر کی بزم آرائیاں، عناصر کی جدت طرازیوں، بادہ و خورشید کی فروغ انگیزیاں، ابرو باد کی تروستیاں، عالم قدس کے انفاس پاک، توحید ابراہیم، جمال یوسف، معجز طرازی موسیٰ، جان نوازی مسیح سب اسی لئے تھے کہ یہ متاع ہائے گراں اور شاہنشاہ کونین ﷺ کے دربار میں کام آئیں گے۔

آج کی صبح وہی صبح جان نواز، وہی ساعت ہمایوں، وہی دور فرخ فال ہے۔ ارباب سیر اپنے محدود پیرایہ بیان میں لکھتے ہیں کہ آج کی رات ایوان کسریٰ کے 14 کنگرے گر گئے، آتش کدہ فارس بجھ لیا، دریائے سادہ خشک ہو گیا لیکن سچ یہ ہے کہ ایوان کسریٰ نہیں بلکہ شان عجم، شوکت روم، اوج چین کے قصر ہائے فلک بوس گر پڑے۔ آتش فارس نہیں بلکہ جیم شر، آتش کدہ کفر، آذر کدہ گمراہی سرد ہو کر رہ گئے۔ صنم خانوں میں خاک اڑنے لگی، بتکدے خاک میں مل گئے، شیرازہ مجونیت بکھر گیا، نصرانیت کے اوراق خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑ گئے۔

توحید کا غلغلہ اٹھا، چمنستان سعادت میں بہار آگئی۔ آفتاب ہدایت کی شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں، اخلاقِ انسانی کا آئینہ پر تو قدس سے چمک اٹھا۔

یعنی یتیم عبداللہ، جگر گوشہ آمنہ، شاہ حرم، حکمران عرب، فرمانروائے عالم، شہنشاہ کونین۔

شمس نہ مسند ہفت اختران

ختم رسل خاتم پیغمبران

احمد مرسل کہ خرد خاک اوست

ہر دو جہان بستہ فتراک اوست

امی و گویا بہ زبان فصیح

از الف آدم و میم مسیح

رسم ترنج است کہ در روزگار

پیش دہد میوہ پس آرد بہار

عالم قدس سے عالم امکان میں تشریف لائے، عزت و اجلال ہوا۔

(ماخوذ سیرت النبیؐ)

عید میلاد النبی ﷺ

فصل مجسم کی تشریف آوری کا دن

(مولانا ظفر علی خان)

”جس طرح شب تاریک کی ظلمت مہر عالم افروز کی آمد کا مژدہ اپنے اندر پنہاں رکھتی ہے، اسی طرح طغیان و عصیاں کی فراوانی اور فواحش و معاصی کی کثرت دریائے رحمت الہی کے جوش میں آنے اور کسی ایسے نفس قدسی کے دنیا میں جلوہ گر ہونے کی بشارت دیتی ہے جو ایک اشارہ چشم و ابرو سے عظیم الشان سلطنتوں کے تختے الٹ دیتا ہے۔ جس کی زبان حقیقت ترجمان سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ کفر و طاغوت کی رگ گردن کے لئے تیر و نشتر کا حکم رکھتا ہے اور جو چشم زدن میں کارگاہ حیات کا نقشہ بدل دیتا ہے۔“

ان ہادیان سر منزل معرفت کی بعثت کا سلسلہ ابتدائے آفرینش کے ساتھ جاری ہوا۔ خاکدان گیتی کا ہر گوشہ اور ہر چہ ان شمس ہدایت کے نور سے سیر ہوا تا آنکہ ۵۷۱ء میں جب ابنائے آدم تذلل و سفل کی انتہائی گہرائیوں میں گر چکے تھے، جب خدا کے بندوں کی گردنیں اصنام و اوثان کے سامنے سجدہ ریزی کرنے کے لئے وقف ہو گئی تھیں، جب حریت نفس اور آزادی کا ضمیر کا خاتمہ ہو چکا تھا، جب اللہ کے بندے فسق و فجور میں مبتلا ہو کر خدا کے احکام سے غافل ہو گئے تھے، جب انسانیت کبریٰ پر بہیمیت و نفسانیت پورے طور پر غالب آ گئی تھی اور جب اس خطہ عرب پر جہالت و ضلالت کی تاریکی پورے طور سے مسلط ہو چکی تھی، دنیا کا وہ سب سے بڑا ہادی ﷺ اور سب سے برگزیدہ انسان ﷺ مبعوث ہوا، جس کی جبین تابناک سے

نور حقیقت کی شعاعیں نکل رہی تھیں۔ جس کے جاہ و جلال کو دیکھ کر قیصر و کسریٰ کے تخت لرز گئے۔ جس کے فیضان کی اشعہ لامعہ نے ظلمت آباد ارضی کو بقلعہ نور بنا دیا۔ جس کے سر منزل شہود پر قدم رکھتے ہی اس عباد و استعمار کی زنجیریں کٹ گئیں۔ تمیز رنگ و نسل مٹ گئی، انسانیت کا کھویا ہوا وقار قائم ہوا۔ مخلوق خداوندوں کی خداوندی کا خاتمہ ہو گیا اور جس نے چار سوئے گیتی میں یہ اعلان کر دیا کہ شاہی و خسروی وجہ افتخار و امتیاز نہیں، بلکہ خدا کے نزدیک اسی کا رتبہ سب سے بلند ہے جو تقویٰ میں سب سے بڑا ہو۔ عام اس سے کہ وہ افریقہ کے کسی پتے ہوئے صحرا کا حبشی ہو یا یورپ کے کسی برفانی خطہ کا سفید فام انسان۔ یہود اسے دیکھ کر بے ساختہ پکار اٹھے کہ ابراہیم و موسیٰ کی دعائیں مثل ہو کر اس کی شکل میں جلوہ گر ہوئی ہیں۔ نصاریٰ نے کہا کہ حضرت عیسیٰ کی بشارت مجسم ہو کر سا بکان مسالک شرک و ضلالت کو سر منزل ہدایت و سعادت کی طرف راہنمائی کرنے کے لئے جلوہ گر ہو گئی، اس دنیا جو صراط مستقیم کو چھوڑ کر پریشان ہو رہے تھے، اس کی طرف دوڑے۔ بندوں کو وہ عہد یاد آ گیا جو انہوں نے معبود حقیقی سے باندھا تھا اور دنیا کے دروہام اس نور مثل کی روشنی سے جگمگا اٹھے۔

آج کا دن اسی فضل مجسم ﷺ کے دنیا میں آنے کا دن ہے، جس کی شان رحمۃ للعالمین نے سپید و سیاہ اور اصغر و احمر کو اپنی آغوش میں پناہ دی۔ جس کی رافت و عطوفت کا ابر گہر تمام دنیا پر برسا اور جس کے نور ہدایت سے دنیا کا ہر چھوٹا اور بڑا رہتی دنیا تک فیض یاب ہوتا رہے گا۔

الذی رببت الیہ الشمس و انشق القمر
کان امیاً و لکن عندہ ام الكتاب
والذی فی کفہ الکفار لما البصروا
کلم الحصباء قالوا انہا شینا عجاب

حضور پاک ﷺ نے فاران کی چوٹی پر کھڑے ہو کر ایک پیغام دیا۔ جن روحوں نے اس پیغام پر لبیک کہا، انہیں خلافت الہیہ عطا ہوئی۔ قیصر و اکاسرہ کے تاج ان کے قدموں

پر نثار ہوئے اور جب تک آفتاب عالمتاب مشرق سے طلوع ہو کر مغرب میں غروب ہوتا رہے گا، دنیا اس یتیم مکہ کے اس اعجاز کو نہ بھولے گی کہ اس نے شتر بانوں کو جہان نبانی کے گر سکھائے کہ وہ دیکھتے ہی دیکھتے ربع مسکون پر چھا گئے اور مشرق و مغرب میں ان کے جھنڈے لہرانے لگے۔ خود امی ہونے کے باوجود اپنے متبعین کو علم و معرفت کے وہ رموز بتائے کہ وہ محفل علوم کے صدر کہلائے اور تمام دنیا نے ان کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا۔ تمیز آقا و بندہ اس طرح مٹائی اور مساوات کا ایسا بلند معیار قائم کیا جس کا مافوق متصور ہی نہیں۔ غلامی کی جڑیں اس طرح کاٹیں کہ جب تک حضور اکرم ﷺ کے حلقہ بگوش حضور اکرم ﷺ کی تعلیم پر عمل پیرا رہے، شجر غلامی دنیا میں سرسبز نہ ہو سکا۔“

☆ آج طول و عرض گیتی میں حضور رحمۃ اللعالمین ﷺ کے میلاد کی مجالس قائم ہوں گی۔ حضور کے حلقہ بگوش جو دنیا کی غلامی سے نجات دلانے کے ضامن و کفیل تھے اور جو آج خود نا آشنائے آزادی ہیں اور جن کے دلوں پر آج خوف غیر اللہ مسلط ہے جا بجا جمع ہو کر مجالس میلاد منعقد کریں گے۔ لیکن انہیں سوچنا چاہئے کہ جب تک وہ حضور کی تعلیم پر عمل پیرا نہیں ہوتے، جب تک وہ حضور کے اسوہ حسنہ کو اپنا شعار نہیں بناتے، جب تک وہ اپنے دلوں کو طاغوتی طاقتوں کی گرفت سے نہیں چھڑاتے اور جب تک وہ ان مفاسد کے استیصال کے لئے اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر نہیں اٹھ کھڑے ہوتے، جنہوں نے خدا کی سر زمین کو جہنم زار بنا دیا ہے، جب تک وہ شعائر دین کے احترام کو اپنا شعار نہیں بناتے، جب تک وہ اعتصام بحبل اللہ کا بھولا ہوا سبق دوبارہ از بر نہیں کرتے اور جب تک وہ اپنے آپ کو حضور ﷺ کے سچے حلقہ بگوش اور جان نثار غلام ثابت نہیں کرتے، اس وقت تک عید میلاد پر ان کا خوشیاں منانا، جھوم جھوم کر مجالس و محافل میں نعتیہ اشعار گانا بے معنی ہے۔ اگر ان کے دل میں اپنے آقا و مولا کا حقیقی احترام ہے، اگر انہیں اپنے ہادی برحق سے قلبی تعلق ہے اور اگر انہیں ان ذمہ داریوں کا احساس ہے جو خدائے واحد کے پرستار اور اسلام کے علمبردار ہونے کی حیثیت میں رب کعبہ کی طرف سے ان پر

عائد ہوتی ہیں تو انہیں عہد کر لینا چاہئے کہ وہ خدا اور رسول کی رضا جوئی پر کسی انسان کی رضا جوئی کو ترجیح نہ دیں گے۔ ان کا جو قدم اٹھے گا خدمت اسلام کے لئے اٹھے گا اور جس طرح ان کے آقا و مولانا نے خالق کا پیغام مخلوق تک پہنچانے میں شدا ند و مصائب سے منہ نہ موڑا۔ اسی طرح وہ بھی اسلام کو سر بلند کرنے، تعلیمات اسلامی کو جہل آباد ارضی میں پھیلانے، خدا کے بندوں کی گردنیں فراغ نہ عصر کے آستانوں سے ہٹا کر معبود حقیقی کے سامنے جھکانے اور انسان کو اس کے فطری اور پیدائشی حقوق کے دلانے میں وہ مخاطر و مہالک کو ہرگز خاطر میں نہ لائیں گے اور اپنے ضمیر کی آواز کو کسی قیمت پر نہ بچیں گے۔

عید میلاد کی خوشیاں ان سعید روحوں کے لئے ہیں جو یہ عہد رب کعبہ کے ساتھ باندھیں اور اپنے حقیقت ناشناس بھائیوں سے اسی قسم کا عہد لیں ورنہ یوں تو عید میلاد وہ لوگ بھی منائیں گے جو اپنے دنیوی آقاؤں کی خوشنودی اور رضا جوئی پر شعائر اللہ کی حرمت تک کو قربان کر دینے میں مضائقہ نہیں سمجھتے اور جن کے نزدیک مسلمان کی تعریف یہ ہے کہ وہ ہر قسم کی ترقی کا سنگ راہ بنا رہے، وطنیت کے احساس سے اس کا دل خالی ہو اور اسباب تعبد کو تقویت پہنچانا اس کا مقصد حیات ہو۔

میلا دالنبی ﷺ

تاریخ کے تاریک چہرے کی روشنی

(صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی)

۱۲ ربیع الاول کو صرف ظہور قدسی نہیں ہوا بلکہ عالم نو طلوع ہوا۔ اس تاریخ کو حضور ﷺ نے جہان خاکی میں قدم رکھا اور تاریخ عالم نے نئے سفر کا آغاز کیا۔ اس روز ایک ماں نے سعادت مند بیٹے ہی کو جنم نہیں دیا بلکہ مادر گیتی نے ایک انقلاب کو جنم دیا۔ اس دن محض آمنہؓ کا گھر منور نہیں ہوا بلکہ تیرہ وتار خاکدان ہستی روشن ہوا، جس کے قدم رنجہ فرمانے سے زندگی پر شباب آگیا اور صدیوں سے دیکھے جانے والے خواب کو تعبیر مل گئی۔ اس کئی تاب رو سے شش جہت کائنات کو روشنی ملی اور اس کے حلقہ نور میں حیات منتشر کو آسودگی نصیب ہوئی۔

آپ کی تشریف آوری سے دنیا کو شرف انسانی کا حقیقی اندازہ ہوا، ورنہ اس سے پہلے حضرت انسان کو دوسری ہر چیز کی عظمت و سطوت کا احساس تھا لیکن وہ اپنی حرمت اور اپنے مقام سے بے خبر تھا۔ اسی بے خبری کے نتیجے میں وہ سورج، چاند اور ستاروں کی چمک سے مرعوب ہو کر انہیں معبود بنائے ہوئے تھا۔ پہاڑوں کی بلندی اور غاروں کی گہرائی سے متاثر ہو کر انہیں خدا کا درجہ دیئے ہوئے تھا۔ راجوں، مہاراجوں، نوابوں، سرداروں، شاہوں اور رہبانوں کی جلالت و حشمت سے مسحور ہو کر انہیں خدا کا اوتار مانے ہوئے تھا۔ انسان اتنا دبا ہوا تھا کہ ہر ابھرتی چیز کے سامنے جھک جاتا تھا۔ اتنا ڈرا ہوا تھا کہ ہر ڈراؤنی شے کی بندگی پر آمادہ ہو جاتا تھا۔ اتنا سہا ہوا تھا کہ ہر ایک کا زور اس پر چلتا تھا۔ اتنا سستا ہوا تھا کہ اسے اپنی وسعت کا ادراک ہی نہ ہو سکا۔ اتنا مبہوت تھا کہ جن بھوت اس کے سجدوں کے حقدار قرار پائے۔ اتنا گھٹا ہوا تھا کہ اس بیکراں

کائنات میں سانس لیتے ڈرتا تھا اور اتنا جکڑا ہوا تھا کہ ہر نئی زنجیر کو اپنے لئے تقدیر سمجھتا تھا۔ حضور ﷺ نے آ کر اسے بتایا کہ تیری حرمت کعبے سے افضل ہے، تیری ذات راز الہی ہے، تیری تخلیق صرف ”کن“ سے نہیں خاص دست قدرت سے ہوئی ہے۔ تو امانت الہی کا حامل ہے، تجھے ارادہ و اختیار کا وصف عطا کیا گیا ہے۔ اپنے ذرہ ہستی میں صحرا ہے اور قطرہ وجود میں قلم ہے۔ حضور ﷺ کی اس تعلیم اور خود آگہی کے اس درس کا یہ نتیجہ نکلا کہ جو انسان پہلے مٹی کے مادھو (بت) کے سامنے سٹھا ہوا ہوتا تھا، آج اس کی ہیبت سے پہاڑ سمٹ کر رائی بنے ہوئے ہیں جو انسان مورتیوں، بھوت پریتوں اور واہموں کے خوف سے نیم جان تھا، اب صحرا و دریا اس کی ٹھوکر سے دو نیم ہوئے جا رہے ہیں، جو انسان دیوی دیوتا کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑا رہتا تھا، آج وہ ’یزداں بکمند اور‘ کا نعرہ مستانہ لگاتا نظر آتا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ کائنات کا اعتبار ہو کہ انسانیت کا وقار، یہ سب کچھ صاحب لولاک ﷺ کے دم قدم سے ہے۔

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم نہ ہو
چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے نہ ہو خم بھی نہ ہو
بزم توحید بھی دنیا میں نہ ہو، تم بھی نہ ہو
خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

آپ کی ولادت باسعادت اور بعثت باکرامت سے پہلے، یہی معمورہ ہستی جہان خراب کا منظر پیش کر رہا تھا۔ یونان اپنی عظیم الشان تہذیب کے کھنڈر پر یکہ و تنہا کھڑا آنسو بہا رہا تھا اور اہل یونان اس کھنڈر تلے دبے ہوئے کراہ رہے تھے۔ یونانی حکماء نے اپنے فلسفہ کے زور پر ہر مسئلہ حل کرنا چاہا۔ اس دور کا یونان فلسفیوں سے بھرا پڑا تھا۔ یہ ارسطیدس، یہ اقلیدس، یہ بطلموس، یہ سقراط اور بقراط، یہ ارسطو اور افلاطون۔۔۔ جس طرف نگاہ اٹھتی، فلسفیوں کی قطار بندھی نظر آتی مگر

بات پھر وہی ہے جو حکیم الامت اقبالؒ نے کہی ہے۔

اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ہوا
آج تک فیصلہ نفع و ضرر کر نہ سکا

یونان کی چمکتی دکتی اکیڈمیوں نے اندھیرا اور گہرا کر دیا۔ یہ دنیا منور ہوئی تو غار حرا کے

گوشے سے طلوع ہونے والے آفتاب سے ہوئی۔

رومۃ الکبریٰ کے قیصر اور فارس کے کسریٰ بھی انسانیت کی پیٹھ پر بوجھ ہی رہے۔ اگر

کسی نے آ کر انسان کو سبکدوش کیا تو آغوش آمنہؑ کے پروردہ نے کیا۔ یہ فغفور و خاقان انسانیت

کے لئے نادان ثابت ہوئے۔ دنیا کو امان ملی تو پیغمبر ﷺ کے گوشہ و امان میں نصیب ہوئی۔ شاہی

قبا و عبا، انسانی آبادی کیلئے و بانگلی۔ وہ کالی کمالی تھی، جو گرفتار ان بلا کے لئے نسخہ شفا بنی۔ بادشاہوں

کی وسیع سلطنتیں اپنے باشندوں کے لئے سخت اور تنگ شکنجے تھے جب کہ یتیم مکہ کی چھوٹی سی کوٹھڑی

دنیا بھر کے مظلوموں کے لئے اپنے اندر افلاکی وسعتیں رکھتی تھی۔ حبش سے آنے والے، روم سے

آنے والے، فارس سے آنے والے اور نجد سے آنے والے آتے گئے اور سماتے گئے۔ ارقم کے

چھوٹے سے گھر میں بحر و بر سمٹ گئے۔

1991ء کی بات ہے برطانیہ کے شہر ہیلی فیکس میں میلاد النبی ﷺ کے سلسلے میں

ایک جلوس کے اختتام پر ایک بہت بڑا اجتماع منعقد ہوا، رجال دین اور ارباب دانش نے اپنے

اپنے انداز میں حضور ﷺ کی سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کی۔ اس موقع پر ایک حبشی

نژاد کالے مسلمان نے انگریزی میں ایک آزاد نعتیہ نظم پیش کی۔ وہ نعت کیا تھی، ذوق و وجدان کی

ایک پوری کائنات تھی، اس نعت کے محض الفاظ و حروف ہی مرصع نہیں تھے بلکہ بذات خود انقلاب

فکر و خیال کا مرقع تھی اور متن تو روح پرور تھا ہی مفہوم بھی دلکش اور دل نشین تھا، انگریزوں کی اچھی

خاصی تعداد بھی اس اجتماع میں موجود تھی، اس نظم کا مفہوم کچھ یوں تھا۔

”زمین و آسمان کے خالق نے انسان کو پیدا کیا۔۔۔ اس کا مقدر بھی لکھ دیا۔۔۔ دولت مند

کو آسودگی ملی اور غریب کو فاقہ مستی۔۔۔ ایک میں تھا۔۔۔ کہ خالق نے مجھے سیاہ رنگت دے دی۔۔۔
 دنیا کے کسی خطے نے مجھے گوارا نہ کیا۔۔۔ گورے نے مجھے بیڑیاں ڈال دیں۔۔۔ اور نفرت سے کہا، تم
 کالے ہو۔۔۔ تم غلام ابن غلام ہو۔۔۔ میرے مویشی چراؤ۔۔۔ میری زمینوں پر ہل چلاؤ۔۔۔ کہ تم
 محکوم اور غلام ہو۔۔۔ میں نسل در نسل پستار ہا۔۔۔ پھر اچانک عرب کے صحرا سے۔۔۔ خطہ بے آب و
 گیاہ سے۔۔۔ ایک پیکر رحمت اٹھا۔۔۔ اس نے ہاتھ پھیلا کر مجھے بلایا اور کہا۔۔۔ میری جانب
 بڑھو۔۔۔ میں تمہاری زنجیریں توڑنے والا ہوں۔۔۔ تمہیں مبارک ہو کہ آج کے بعد۔۔۔ کسی
 گورے کو تم پر کوئی فضیلت نہ ہوگی وہ کون تھا؟۔۔۔ جس نے مجھے آغوش رحمت میں لے لیا۔۔۔
 محمد۔۔۔ بلال حبشیؓ کا آقا۔۔۔ محمد ﷺ

اس نظم کا مفہوم ذہن میں رکھ کر اس وقت کی دنیا کا نقشہ آنکھوں کے سامنے لائیے تو
 ساری بات سمجھ میں آجائے گی۔

آج ساری دنیا میں سیاسی و معاشی آزادی کا چرچا ہے اصل مسئلہ تو۔۔۔ انسان کی
 آزادی۔۔۔ کا ہے جو ہنوز حل طلب ہے، گذشتہ پندرہ صدیوں کے دوران بڑے بڑے انقلابات
 رونما ہوئے روسو کا ”سوشل کنٹریکٹ“ بھی آیا، انقلاب فرانس بھی برپا ہوا، امریکہ بھی دریافت
 ہوا، ”واس کینٹیل“ بھی لکھی گئی، روس میں نیا نظام آ کر ٹوٹ پھوٹ بھی گیا ولندیزی فرانسیسی اور
 برطانوی استعمار پسپا بھی ہوا، دنیا نے دو عظیم جنگوں سے گزر کر نیا جنم بھی پایا، حقوق انسانی کا چارٹر
 بھی مرتب ہوا اور اقوام متحدہ بھی تشکیل پائی، ان سارے انقلابات کے نتیجے میں کیا حضرت انسان
 کی کایا کلپ بھی ہوئی؟ ہمارا جواب ہے کہ نہیں، مشرق و مغرب کے فاصلے آج بھی برقرار ہیں بلکہ
 بڑھ رہے ہیں، گوروں نے سیاہ فاموں کو اپنے ہم پلہ آج بھی تسلیم نہیں کیا ”عوام کی حکومت عوام
 کے لئے اور عوام کے ذریعے کا نعرہ دنیا کے کسی بھی خطے میں اپنے حقیقی مفہوم کے ساتھ پیکر عمل میں
 نہیں ڈھل سکا، اشرافیہ آج بھی بالادست اور کروڑوں انسان ان کے دست نگر ہیں۔

آج ہر آن پھیلتی ہوئی کائنات میں پھر سے تنگی کا احساس ہونے لگا ہے۔ سائنس کی

بے کرانی میں دم گھٹنے لگا ہے۔ سیٹلائٹ، مرتخ و مشتری کو گرفتار کرنے کے مشن پر ہیں مگر بد قسمت انسان ہوائے نفس کا اسیر ہو رہا ہے۔ نیوورلڈ آرڈر کے پردے میں قبائے انسانی چاک ہوتی نظر آرہی ہے۔ ”انٹرنیشنل ویلیوز“ کے چکر میں انسان اپنی رہی سہی قدر کھورہا ہے۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی نے بڑی خوبصورت بات کی ہے۔

ٹھوکر میں کھاتے پھرو گے، ان کے در پر پڑ رہو

قافلہ تو اے رضا اول گیا، آخر گیا

واقعہ یہ ہے کہ آج کا ”بوعلی“ غبارناقہ میں گم ہو کر رہ گیا ہے۔ کوئی ”مجنوں“ ڈھونڈا جائے جو ”محمل لیلیٰ“ کو پاسکے۔ یہ مجنوں یورپ کی دانش گاہوں میں نہیں ملیں گے۔ غباررہ حجاز کو آنکھوں کا سرمہ بنا کر دیکھا جائے تو شاید کہیں مجنوں نظر آجائیں۔ وہ کون سا نظام ہے جو دنیا نے آزما کر نہیں دیکھا اور وہ کون سا طرز حیات ہے جو اہل دنیا نے اپنا کر نہیں دیکھا مگر حاصل کیا ہے؟ انسانیت کی بے قدری، ایک دوسرے سے بیگانگی، تری، خشکی اور محض برہمی۔ انسانی دنیا اگر فی الواقع خلوص دل سے چاہتی ہے کہ وہ مزید ٹھوکروں سے بچ جائے تو اس کا واحد حل یہی ہے کہ وہ اپنا بستر اس گلی میں لگا دے، جس کو چے کا ہر گدا، شکوہ قیصری رکھتا ہے۔ اس گلی کے پھیرے لگانے والے اپنے سر میں سکندر کا سودا سمائے رکھتے ہیں۔ یہ بند اور اندھی گلی نہیں، اس کا ایک سرادیا اور دوسرا عقبی ہے۔ دربار شہی میں وہ عزت نہیں ملتی، جس قدر اس گلی میں عزت نفس کا احساس نصیب ہوتا ہے کیونکہ حضور انسانیت کی آبرو بڑھانے تشریف لائے تھے۔ جو آبرو حضرت انسان کو ملی، وہ بھی ان کے کرم سے ملی اور جو آبرو آج بھی ملے گی، ان کے دم سے ملے گی۔ غالب نے تو کہا تھا:

”جس کو ہو جان و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں“

یہ تو غالب کے عشرہ طراز معشوق کا شیوہ تھا مگر محبوب خدا کا عالم تو یہ ہے کہ

”جس کو ہو جان و دل عزیز۔۔۔ اس گلی سے جائے کیوں“

”میں“ اور ”سے“ کے فرق کو اہل نظر خوب جانتے ہیں۔

جشن آمد رسول ﷺ کیوں اور کیسے منائیں؟

(علی اکبر قادری الازہری)

مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر کا ابتدائی دور تھا۔ دربار رسالت مآب ﷺ کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی چھت کے نیچے لگا کرتا تھا۔ خوش قسمت جاں نثار صحابہؓ مٹی گارے کے فرش پر بیٹھ کر اپنے پیارے آقا کی میٹھی میٹھی باتیں سنتے اور ہمہ وقت قلب و نظر کو محبوب خدا ﷺ کے جلوؤں میں محو رکھنے کی لازوال سعادت سمیٹتے رہتے۔

حضور ﷺ کی موجودگی نے پورے ماحول کو کس قدر پر کیف بنا دیا؟ اس کا انداز لگانے کیلئے تو ہمارے پاس پیمانہ نہیں البتہ یہ مسلم ہے کہ اس کچی مسجد اور سادہ ماحول پر جنت کی بہاریں اور عرش الہی رشک کناں تھے۔ مسجد کے احاطے میں قبلہ کی سمت عین صف کے درمیان کھجور کا درخت تھا۔ آنحضرت ﷺ خطبہ ارشاد فرماتے تو اس کے ساتھ پشت مبارک لگا کر بعض اوقات سہارا لے لیتے۔ کچھ دنوں بعد جب لکڑی کا منبر تیار ہو گیا اور خطبہ جمعہ دینے کیلئے حضور ﷺ اس پر جلوہ افروز ہونے لگے تو صحابہؓ نے حیرت انگیز منظر دیکھا۔ یہ منظر تاریخ بشریت کا نہ صرف اہم واقعہ ہے بلکہ دنیائے محبت و عشق کی ایک انوکھی داستان بھی ہے جس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ روایت اور سند کے اعتبار سے بھی بہت ثقہ اور ناقابل تردید ہے کیونکہ بخاری سمیت احادیث کی دیگر مستند کتب نے تو اتر کے ساتھ اسے بیان کیا ہے۔ ہوا یوں نیا منبر بننے پر جب حضور ﷺ نے اس تنے کے ساتھ کھڑے ہو کر خطبہ دینے کی بجائے منبر پر بیٹھ کر خطبہ دینا شروع کیا تو اس خشک تنے سے صدمہ ہجر گوارا نہ ہو سکا اور اس نے ایک صاحب عقل و خرد انسان کی طرح زار و قطار رونا شروع کر

دیا۔ رحمۃ للعالمین ﷺ منبر سے اتر آئے۔ اسے بغل میں لیا، اس پر اپنا دست شفقت پھیرا اور وہ تنا بچوں کی طرح سسکیاں لیتا ہوا خاموش ہو گیا۔ بعد ازاں حضور ﷺ نے اس کی خواہش پر اسے دار البقاء سے نوازا اور زمین میں دفن کر دیا۔

ہاں۔۔۔۔۔ یہ ہیں ہمارے وہ مدنی تاجدار ﷺ جن کا جشن ولادت ہم ہر سال عقیدت و محبت اور جوش و جذبہ سے مناتے ہیں۔ اس لیے کہ ہم ان کے نام لیوا امتی ہیں اور ان کی غلامی اور اتباع کا دم بھرتے ہیں۔ ان کے لائے ہوئے دین کی عظمتوں کو دل سے تسلیم کرتے ہیں اور ان کے در اقدس سے ملنے والی ایمان و عمل کی روشنی کو نورِ سرمدی سمجھتے ہیں۔ اس تعلقِ غلامی کا ادنیٰ تقاضا یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے اس احسانِ عظیم پر سراپا تشکر و امتنان بن جائیں، یہ خوشی میلاد النبی ﷺ کے ایک دن کیلئے نہیں زندگی کی ہر سانس بھی ان کے نام کر دیں تو بھی حقِ غلامی ادا نہیں ہو سکتا!

حضراتِ محترم! آپ نے کھجور کے خشک تنے کے متعلق تو سن ہی لیا ہے اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ نباتات و جمادات میں احساس و ادراک کی صفت نہیں ہوتی لیکن حضور ﷺ سے تعلق کتنی بڑی حیران کن طاقت (Force) ہے کہ اس نے خشک تنے کو ہوش و خرد اور احساس و ادراک ہی نہیں محبت و عشق کے جذبے سے بھی نوازا دیا اور ایک طرف ہم ہیں کہ تمام تر قلبی ذہنی اور حسی صلاحیتیں رکھتے ہوئے بھی بے حس، بے کیف اور محروم ہیں۔ کیا ہم ان پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہو گئے ہیں جو قربتِ مصطفیٰ سے فیض پا کر حیات جاوید کے مستحق ٹھہرے، مگر ہم تو حضور ﷺ کے ماننے والے آپ پر ایمان کے دعویدار اور آپ کی اطاعت و اتباع کا دم بھرنے والے ہیں۔ آج کیوں ہم اپنے رب تعالیٰ سے اپنے رسول ﷺ سے اور اپنی عاقبت سے بے خبر ہیں۔ ہمارے سینوں کے اندر دل دھڑکتے ضرور ہیں لیکن ان دھڑکنوں میں فانی دنیا کی محبتیں رچ بس گئی ہیں۔ دل کی تختیاں غفلت اور شامتِ اعمال سے سیاہ ہو چکی ہیں۔ یہی سیاہی ہماری بے چینی اور اضطراب کا سبب ہے۔ نہ ہمیں اپنے گھر میں سکون، نہ ہمارے معاشرے امن کے امین، نہ ملکی اور قومی سطح پر استحکام اور نہ اقوامِ عالم میں ہمارا کوئی وقار۔ جو نبی شجر، ہجر، چرند، پرند سب کے لئے رحمت

بن کر آئے ان کی مسندِ علم و عظم پر بیٹھنے والوں سے آج انسان بھی خائف ہیں۔ یہ قتل و غارت گری، مار دھاڑ اور خون خرابے اسی رسولِ رحمت ﷺ کے ماننے والوں کے ہاتھوں ہو رہے ہیں۔ دنیا میں امن تقسیم کرنے والوں کی پیشانی پر آج دہشت گردی کا بدنماداغ لگ چکا ہے۔

یومِ میلاد تو انسانیت کیلئے یومِ نجات تھا۔ ظلم و جبر سے نجات، شیطانی حربوں اور جھوٹی خدائی سے نجات، نا انصافی سے جھوٹ فریب اور تمام غیر عادلانہ رویوں اور غیر انسانی اعمال و افکار سے نجات۔ لیکن اس امت کو کیا ہوا کہ اس نجات دہندہ پیغمبرِ انسانیت ﷺ کے واضح احکامات، آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ آپ کی پاکیزہ تعلیمات اور بے مثل قیادت کے باوجود زمانے بھر کے دکھ درد اور غم و آلام اس کا مقدر ہیں۔ مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی امتِ مسلمہ زخموں سے چور چور ہے۔ کہیں کشمیر کا نصف صدی سے رستا ہوا زخم، کہیں قبلہ اول اور فلسطین کا زخم، کہیں چیچنیا میں بے گناہ مسلمانوں کے بے دریغ قتل کا زخم، کہیں عراق، ایران اور کویت کی باہمی جنگوں سے برباد ہونے والے خونِ مسلم اور اسلامی سرمائے کے ضیاع کا زخم، کہیں افغانستان کی خانہ جنگی کا زخم، جو ایک سے ایک بڑھ کر اس کے وجود کیلئے خطرناک ہیں مگر المیہ یہ ہے کہ ہم ان زخموں کا علاج طبیبِ حقیقی کی بارگاہِ شافی میں کروانے کی بجائے انہی اغیار کے نشتر خانوں میں کرواتے ہیں۔ یہ امت اپنے آقا محسنِ انسانیت ﷺ کے دامن سے وابستگی کی بجائے اغیار کے ہاتھوں میں کھلونا بنی ہوئی ہے۔ جشنِ میلادِ انبیاء ﷺ منانے والے خوش بخت مسلمانو! یہ جشنِ مسرت تمہیں مبارک ہو لیکن حضور ﷺ کے مقصدِ بعثت کیلئے تن من دھن قربان کرنے کا عزم جب تک نہیں کرو گے حضور ﷺ کے ساتھ محبت کا حق ادا نہیں ہوگا۔ (جولائی ۱۹۹۷ء)

خوشی ہے آمنہ کے لال کے تشریف لانے کی

(علامہ راشد الخیری)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ظہور

دنیا جب مظالم نے عقل و ہوش چکرادیئے تو فرشتوں کی نظریں جو دعائے ابراہیمی کو نمٹکی باندھے دیکھ رہی تھیں سجدہ میں گریں اور التجا و رحم کی صداؤں سے آسمانی دنیا گونج اٹھی، اس انسان کی دعا جس نے کیلجے کے ٹکڑے پر چھری پھیر کر عالم میں تہلکہ مچا دیا۔ جس کی قربانی نے اس کو خلیل بنا دیا، نورانی لباس میں عرش اعظم پر خدائی کو جگمگا رہی تھی۔ قبولیت کا غلغلہ بلند ہو چکا تھا اور آسمانی روئیں جانتی تھیں کہ کائنات سماوی کی یہ محبوب ترین شے ہمارے پاس چند روز مہمان ہے۔ آسمان و زمین کو پیدا کرنے والی ازلی وابدی طاقت جو جلوہ ربانی کے نام سے مشہور ہے، ہر روز اپنے خلیل کی دعا کو اپنے نام معلوم ہاتھ سے سنوارتی اور صحیح دماغوں کو دکھاتی کہ خدائی طاقت کا یہ بے مثل تحفہ ہیبت انسانی میں رونما ہوگا تو دنیا کو بتا دے گا کہ انسان کی پیدائش کا مقصود کیا ہے۔ زندگی کی ہر شاخ اعمال کے تروتازہ پھولوں کو بوسہ دے گی۔

صداقت دشمنوں کو قدموں میں گرائے گی، خلوص کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بجے گا۔ پاک زندگی کے زرین کارنامے دنیا کے واسطے سبق ہوں گے، فضائے حیات اس مقدس نام کو سر آنکھوں پر رکھے گی، عقل سلیم اس کے سامنے خم ہوگی، زمین کے مظلوم قیدی جن پر آسمانی طاقت حکومت کر رہی ہے اس کی بدولت ظلم و ستم سے رہائی پائیں گے اور اس کے مبارک ہاتھ قصر حیات کی ایسی بنیاد رکھیں گے جن پر استقلال و استحکام قربان ہوگا اور بقائے دوام کے سدا بہار پھول نثار ہوں گے۔

مظلوموں کی خاموش آہیں اور بے کسوں کے زبردست نالے عرشِ عظیم سے ٹکرا رہے تھے، ملائکہ کی التجا آنسوؤں کے ساتھ جلوہ ایزدی میں حاضر ہوئی اور وہ مبارک ساعت قریب آئی جب ابراہیم خلیل اللہ کی اس دعا کا پردہ دنیا پر ظہور ہوا۔

ربنا وابعث فیہم رسولا فہم۔ (البقرہ: ۱۲۹)

”الہی ان ہی میں سے ایک رسول پیدا کر دے۔“

بارگاہِ خداوندی کا حکم ہوتے ہی دعائے ابراہیمی کے زمین پر جانے کی تیاریاں شروع ہوئیں، فرشتوں نے قطار در قطار اس التجا کو رو کر وداع کیا اور جب وہ لمحہ آ گیا کہ خدا کے مقدس فرشتے ابراہیمی دعا کو دنیوی قانون کا لباس پہنا دیں تو ملائکہ کی فوج اس نور کو کلیجے سے لگائے خلیل کی دعا کو اس طرح دہراتی ہوئی دنیا کی طرف چلی۔

”الہی ان ہی میں سے ایک رسول پیدا کر جو ان کو تیری طرف بلائے۔“

مخلوقِ سماوی کے سروں پر گوفراق کی مصیبت سوار تھی، دل خون کے آنسو رو رہا تھا، مگر دنیا کی زار و قطار لڑیوں میں اس کے سوا کوئی آواز نہ تھی۔

”الہی ان ہی میں سے ایک رسول پیدا کر دے۔“

زمین اپنے دورے پورے کر رہی ہے اور آسمان بدستور چکر لگا رہا ہے، وقت اڑ رہا ہے اور خلیل اللہ کی دعا انسانی ہستیوں میں تبدیل ہوتی ہوئی منزل مقصود کی طرف بڑھ رہی ہے۔ دنیا کی اخلاقی بربادی روز بروز لمحہ بہ لمحہ ترقی پر ہے، کمزوروں کے نالوں اور مظلوموں کی فریاد نے آسمان سر پر اٹھا رکھا ہے، شراب، جوا، قتل اور خون، دغا اور مکر غرض نفس کی پتلیاں انسانی قلوب پر کھیل رہی ہیں۔ عدل و کرم ایمان و ایثار کا کوسوں پتہ نہیں اور وقت وہ ہے جس کی انسانیت۔۔۔ حیوانیت کو مات کر رہی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا خاندان

مکہ کا قریشی خاندان زندگی کی منزلیں سرگرمی سے طے کر رہا ہے اور آج اس خاندان

کی باگ ایک شخص ہاشم کے ہاتھ میں ہے یہ کعبہ کا متولی اور حج کے موقع پر عمر کا کچھ حصہ ان پر دیسی مہمانوں کی خدمت میں صرف کرتا ہے جو دور دور سے کعبۃ اللہ کی زیارت کو آتے ہیں، نفسانیت نے ہاشم کے بھائی امیہ کو انگاروں پر لٹا دیا ہے، رشک و جسد کی آگ سے کلیجہ بھنا اور کھلم کھلا بغاوت شروع کر دی۔ امیہ اور ہاشم دونوں جڑواں بھائی ہیں، ان کے باپ عبد مناف نے ان کو تلوار سے جدا کیا تھا اور اندیشہ تھا کہ دونوں میں سے ایک یا دونوں ہی مر جائیں گے، مگر دونوں زندہ رہے، جوان ہوئے اور ایسی لڑائیاں ٹھنیں کہ ایک دوسرے کے جانی دشمن ہو گئے۔ آخر ادھر ادھر کے چند آدمیوں نے مل کر فیصلہ کیا، ہاشم بدستور کعبہ کے متولی رہے اور امیہ کو دیس نکالا ملا۔

اس ایک طاقت کے سوا جو اپنی قدرت کے تماشے دیکھ اور دکھا رہی ہے، کسی کو علم نہ تھا کہ ابراہیم کی دعا اسباب ظاہری کی منزل میں ہے، تورات، زبور، انجیل اور وہ مقدس صحیفے جو خدائی پیام سمجھی جاتی ہیں۔ موسیٰ، داؤد، عیسیٰ کے پاک دل جب اپنی کوششوں میں پوری طرح کامیاب نہ ہونے اور انسانی اعمال نے مایوس کر دیا تو خدا کے حضور میں جھک کر وہی الفاظ زبان پر لائے اور التجائے ابراہیمی سے ہم نوا ہوئے۔ مگر زندہ دنیا کا ہر گوشہ ہر انسان اور کائنات کی روح اور ہر شے بے خبر تھی کہ قدرت اعمال انسانی کی چودھویں رات کا چاند جو اس دنیا کو جگمگا دے گا اور سرزمین عرب کی وہ قندیل جو ایک عالم کو منور کر دے گی اور چمنستان حجاز کا وہ پھول جہان کو مہرکا دے گا، کہاں ہے، کس گھر میں ہے اور کس انسان میں ہے۔؟

عبد مناف کے بیٹے ہاشم (جو خانہ خدا کی خدمت اور حجاج کی مہمان نوازی میں مصروف تھا) کے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی کہ قدرت میری زندگی سے کام لینے والی ہے اور جھوٹے بتوں کے سچے خدانے میرے سپرد کون سی خدمت کی ہے۔ میں اس امانت کا بار اٹھا رہا ہوں جو وراثتاً باپ داد سے میرے جسد خاکی میں نشوونما پا رہی ہے۔

عبدالمطلب کی پیدائش

خانہ کعبہ کے متولی ہاشم کا نکاح سلمیٰ سے ہو چکا تھا اور اس واسطے کہ نکاح کی پہلی شرط یہ

تھی کہ پہلوٹی کا زچہ خانہ لڑکی کے میسے میں ہو، سلمیٰ مکہ سے مدینہ آگئی اور اس کے پیٹ سے وہ بچہ پیدا ہو گیا جو دنیا میں عبدالمطلب کے نام سے مشہور ہوا، مگر ہاشم اپنے بچے کی بہار نہ دیکھ سکے اور ایک موقعہ پر حالت سفر میں بیت المقدس سے تھوڑی دور مقام عزا پر بچہ یتیم اور بیوی کو بیوہ چھوڑ کر سفر آخرت اختیار کیا اور اس طرح عبدالمطلب کی پرورش تنہیال میں ہونے لگی۔

قانون قدرت کے موافق دنیا اور اس کے بسنے والے آج بھی مستقبل سے بے خبر ہیں عبدالمطلب کو معلوم نہیں تھا کہ اس کی زندگی ایک دریا کا سرچشمہ ہوگی۔ جس کی موجیں عالم کو سیراب کر دیں گی، عرب کی تپتی ہوئی سرزمین جہاں کوسوں پانی کا پتہ نہیں لالہ زار ہوگی اور اس کی گود سے ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا جس کی شمع حیات پر کائنات پروانہ وار شمار ہوگی، انسانیت کے نام پر قربان ہوگی اور ملائکہ اس کے نام پر درود پڑھیں گے۔

دعائے ابراہیم سینہ بہ سینہ بدلتی ہوئی نام باپ اور ماں کا
دکھاتی ہوئی قدرت حق کا جلوہ بتاتی ہوئی راز کھولے، کھرے کا
خدائی کے قانون میں آرہی تھی!
سوئے آمنہ اب چلی جارہی تھی!

عبدالمطلب کی شادی اور بیٹے کی قربانی

جب عبدالمطلب کی عمر نے نورانی چہرہ پر جوانی کا تاج رکھا اور لڑکپن کی امنگیں ختم ہوئیں تو دستور کے مطابق ان کی شادی کے پیام آنے لگے اور نکاح ہو گیا، کعبۃ اللہ کی خدمت اور مزاج کی صلاحیت ان کی غیر معمولی شہرت کا سبب ہوئی، کئی بچوں کی پیدائش کے بعد انہوں نے منت مانی کہ میرے ہاں اگر دس لڑکے پیدا ہوئے اور میری آنکھوں نے ان کی جوانی کی بہار دیکھ لی تو اپنے دادا ابراہیم علیہ السلام کی سنت ایک لڑکے کو خدا کے نام پر قربان کر کے ادا کروں گا۔ ان کے سب سے چھوٹے بیٹے اور سب سے پیارے بیٹے کا نام عبد اللہ تھا، قربانی کا منشا پورا کرنے کے واسطے باپ نے اپنے چہیتے بیٹے کو چھانٹا اور شفقت پدری کے آنسوؤں میں

جب مامتا آواز کو روک رہی تھی اپنا خیال لڑکے پر ظاہر کیا، عبداللہ کی رگوں میں اس اسماعیل کا خون دوڑ رہا تھا، جس نے خدا کی راہ میں چھری کے سامنے گردن رکھ کر قربانی کی ایک مثال پیش کی جس کی یادگار آج تک مسلمانوں میں عید الاضحیٰ کے موقع پر منائی جا رہی ہے۔ باپ کا حکم سنتے ہی بیٹے نے گردن جھکا دی اور کہا بسم اللہ اس سے زیادہ اور کیا خوشی ہو سکتی ہے کہ آپ کے حکم کی تعمیل ہو اور یہ فانی زندگی خدا کے واسطے قربان ہو جائے۔ عبدالمطلب نے اپنے بیٹے کے الفاظ سنتے ہی اسے کلیجہ سے لگایا آبدار تلوار ہاتھ میں لی اور عبداللہ کو لے کر ذبح کرنے چل نکلے۔

دنیا پر راج کرنے والی آسمانی حکومت باپ بیٹے کا یہ معاملہ دیکھ رہی تھی، زمین مسکر رہی تھی اور آسمان قہقہے لگا رہا تھا کہ زندگی سے بے خبر انسان کیا کر رہا ہے، عبدالمطلب کو خبر نہیں کہ جس بیٹے کو قربان کر رہا ہوں موت اس کی خود حفاظت کرے گی۔ یہ زندہ رہے گا اور اس بچے کا باپ ہوگا جس کے مبارک ہاتھ قیصر و کسریٰ کی حکومت کا خاتمہ کریں گے، اس کی مقدس زندگی دنیا سے شرک و بت پرستی مٹائے گی، عرب کی نخوت اس کے دربار میں سرنگوں ہوگی اور دنیا کا ظلم اس کی سرکار میں رحم سے بدلے گا۔

وقت آ گیا کہ زمین کعبہ عبدالمطلب کے لڑکے اور خاتم النبیین ﷺ کے باب عبداللہ کا خون اپنی گود میں لے۔ حسین و جمیل لڑکا زمین پر چت لیٹا ہوا ہے اور باپ نے اس کی گردن پر تلوار رکھ دی دفعۃً قریش کا جم غفیر چیخا اور چلاتا نمودار ہوا اور کہا۔

”عبدالمطلب اگر تو نے عبداللہ کو ذبح کر دیا تو تیری یہ قربانی قریش میں فرض ہو جائے گی اور ہر باپ کو اس پر عمل کرنا ہوگا، تو خانہ کعبہ کا متولی ہے، یہ تیرا عمل سند ہوگا اور ہم اپنے بچوں میں ایک ایسی رسم چھوڑ کر مریں گے جو انتہائی ظلم ہوگا تو اپنی منت کو اونٹوں سے بدل کر وعدہ پورا کر اور ہم کو اس رسم سے نجات دلا۔“

عزیزوں کے یہ الفاظ سن کر عبدالمطلب اٹھ کھڑے ہوئے اور دو سو اونٹ بچے کے بدلے قربان کر دیئے۔

حضرت عبداللہ کی شادی

جب عبداللہ کی معصومیت شباب سے بدلی اور قریش کو معلوم ہوا کہ وہ حسن صورت اور سیرت کے اعتبار سے عربستان کی ناک ہے تو لڑکیاں اور ان کے والدین شادی کے آرزو مند ہوئے، ان کا کوئی خاندان ایسا نہ ہوگا جس کی خواہش یہ نہ ہو کہ اپنی لڑکی عبداللہ کے نکاح میں دے مگر عبداللہ کی زبان پر قدرت نے اس وقت تک مہر رکھی جب تک عبدمناف کے لڑکے وہب کی بیٹی آمنہ کا پیام نہ آیا۔ بی بی آمنہ کی بابت مشہور تھا کہ وہ سنجیدہ، خاموش اور قانع لڑکی ہیں۔ ہر حال میں راضی اور ہر دکھ میں شکر ادا کرتی ہیں۔ عبداللہ کی رضامندی پر ان کا نکاح وہب کی لڑکی آمنہ سے ہو گیا اور دونوں میاں بیوی ”یثرب“ میں رہنے سہنے لگے، برگزیدہ انسانوں کی خاموش التجا مستقبل سے بے خبر اور کھلے ہوئے الفاظ کا نتیجہ پردہ اخفا میں تھا۔ دنیا والی مخلوق لاعلم تھی کہ وہ انسان جس نے دکھتی ہوئی آگ میں کھلتے ہوئے پھول دیکھے، فانی بستی سے کس طرح رخصت ہوا اور اس کی دعا قبولیت کے کس حصے میں ہے۔ موسیٰ کا شوق دل میں رہا۔ داؤد کا ارمان پورا نہ ہوا اور عیسیٰ نے اپنی آرزو کے پورا ہونے کا وقت نہ دیکھا مگر ابراہیم کی تخم ریزی کو ان خواہشوں نے پانی دیا، وقت آ رہا تھا کہ نبیوں اور پیغمبروں، فرشتوں اور انسانوں کی امیدوں کا لہلہاتا ہوا پھول دنیا میں ظہور کرے اور وہ انسان جس کی تشریف آوری کا کائنات میں غلغلہ تھا دنیا کی تاریخ فضا کو اپنے جمال سے منور کر دے۔

دونوں دولہا دلہن عبداللہ اور آمنہ بچن کے پیٹ سے دنیا اور دین کا دولہا پیدا ہونے والا تھا، ہنسی خوشی اپنا وقت گزار رہے تھے، عبداللہ کی زندگی سے قدرت کو جو کام لینا تھا وہ ختم ہوا۔ خدائی انتظام یہ تھا کہ عبداللہ کی زندگی اپنا فرض منصبی ادا کرنے کے بعد ختم ہو وہ آمنہ کو بیوہ چھوڑ کر اپنے بچے کے دیدار کو ترستا ہوا دنیا سے رخصت ہوا اور یہ دونوں میاں بیوی جو انسان کامل کے ماں باپ بننے والے تھے کسی معمولی بچے کی پیدائش کا سبب نہ ہوں۔

حضرت عبداللہ کی موت

بی بی آمنہؓ کے ہاں بچہ پیدا ہونے کی امید گردنواح میں بجلی کی طرح دوڑی، عبداللہ اور عبداللہ کے باپ عبدالمطلب باغ باغ ہو گئے اور تمام قریش ان کی اس مسرت میں برابر کے شریک تھے، یہاں تک کہ منتظم حقیقی کے انتظام کا وقت آ پہنچا اور اچھا بھلا عبداللہ (ایک تجارتی سفر کے دوران) چند گھڑیوں میں چٹ پٹ ہو گیا۔ جوان بیٹے کی موت نے جو باپ کو سب سے زیادہ عزیز تھا آنکھوں میں دنیا اندھیر کر دی۔ شوہر کے فراق ابدی نے جو زندگی کا بہترین رفیق تھا بی بی آمنہؓ کی زندگی کی زندگی وبال بنادی۔ عبدالمطلب کا گھر ماتم کدہ بنا۔ قریش کی خوشیوں پر پانی پڑ گیا۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ عبدالمطلب بیٹے کی نشانی آمنہؓ کو کلیجہ سے لگائے اور اس وقت کا انتظار کرے جب جوان شیر کی یادگار دنیا میں ظاہر ہو اور یہ سر بدلے کا سر باپ کے بدلے دادا کا دل ٹھنڈا کرے۔ عبدالمطلب کی آنکھیں بیٹے کے فراق میں خون کے آنسو روتی تھیں اور بی بی آمنہؓ کا دل شوہر کے خیال میں مچھلی کی طرح تڑپ رہا تھا مگر دونوں کو پتہ نہ تھا کہ دادا کے گھر سے اور ماں کے پیٹ سے ایک ایسی نعمت کا ظہور ہونے والا ہے جس کے قدموں میں دنیا اپنا سر رکھے گی اور خاندان قریش میں آمنہؓ کے پیٹ سے وہ لال پیرا ہوگا جس کی روشنی دنیا کو منور کرے گی۔ وقت اپنے تیز پروں سے اڑتا چلا جا رہا تھا۔ عبدالمطلب کی گریہ وزاری اور بی بی آمنہؓ کا نالہ و فریاد اس کی پرواز کو نہ روک سکا تا آنکہ۔۔۔ ربیع الاول کا چاند آسمان عرب پر نمودار ہوا۔

حضور ﷺ کی تشریف آوری

دنیا خواب غفلت میں پڑی سو رہی تھی اور علم نہ تھا کہ اس مہینے کا چاند اپنے ساتھ کیا لایا ہے، رات کے تارے اور دن کا آفتاب کائنات کو کیا پیغام دے رہے ہیں اور آسمان وزمین ایک ایسے بچہ کی پیدائش کا نقارہ بجا رہے ہیں جو عرب کے ساتھ تمام دنیا کی کاپلٹ دے گی۔

چھٹی صدی عیسوی نے اپنی ستر منزلیں طے کر لی تھیں۔ 571ء کا موسم بہار شروع

ہو چکا تھا۔ ربیع الاول کی آٹھویں اور اپریل کی چودھویں رات سرزمین عرب پر چھائی ہوئی تھی کہ عبدالمطلب کے کانوں میں بہو کے دردزہ کی خبر پہنچی اور آنا فانا گھر اور اس کی چہار دیواری عورتوں سے بھر گئی۔ چلنے والے قدم، آنے والی بیبیوں اور جمع ہونے والی عورتوں کو کیا معلوم کہ ان کے دل کس بچہ کا استقبال کر رہے ہیں۔ یہ بچہ جو باپ کی شفقت سے محروم ہو چکا قدرت کی محبوب ترین مخلوق ہوگا اور ہم اس پر سو جان سے قربان ہوں گے۔

رات کا دورہ ختم ہو چکا، آسمان نے کروٹ بدلی۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے ریگستان عرب کو سرد کر دیا۔ طائران خوش الحان یتیم عبداللہ کی تشریف آوری کا مژدہ چمک چمک کر گانے لگے۔ صبح صادق نے رات کی سیاہی دور کی اور نور کی چادر ہر سمت پھیلا دی۔ روشنی اندھیرے پر غالب آئی، صبا ٹکھیلیوں میں مصروف ہوئی اور سرسبز درختوں کی ہری بھری شاخیں فرط مسرت سے جھوم جھوم کر آپس میں گلے ملنے لگیں، آمنہ کے لال ﷺ پر زمینی کائنات نثار ہونے کو آگے بڑھی۔ بار آور شاخوں نے ارض حجاز کو بوسہ دیا، نسیم نے ہزار جان سے قربان ہو کر بساط ارضی کو چوما۔ ہوانے اس مقدس نام کی تسبیح پڑھی، خوش رنگ پھولوں نے مکہ کی خاک اپنی آنکھوں سے ملی اور بلک کا چپہ اور ذرہ ذرہ اس مسرت میں لہلہاتی ہوئی کونپلوں کے ہم آہنگ ہوا، آسمان عرب نے عبدالمطلب کے گھر دار ابن یوسف کے درو دیوار پر روشنی کی بارش کی۔ چمک دار تارے عبداللہ کے لخت جگر پر قربان ہوئے اور مخلوق فلکی نے شادمانی کا غلغلہ بلند کیا۔ آتش نمرود کے ذرات پھولوں کا لباس پہن کر زرد جواہر کی کشتی میں دعائے ابراہیمی کو سر پر رکھے، عبدالمطلب کے گھر پر نمودار ہوئے، دار ابن یوسف کی دیواریں تعظیم کو جھکیں، فرحت کی جھڑیاں برسیں، ہوا معطر ہوئی اور آسمان وزمین مبارک باد یوں کے نعروں میں سرگرم ہوئے۔

یہ بزم طرب اور خوشی کی گھڑی مسرت کی ہر سولگی ہے جھڑی

عقیدت ہے یاں دست بستہ کھڑی مگر آنکھ تجھ بن ہے سونی پڑی

فدا تجھ پر سو بار صلن علی

حیات انسانی کی تاریخ ان واقعات سے محروم نہیں جب قدرت کے زبردست ہاتھوں نے اپنی طاقت پر فخر کیا ہے۔ صانع حقیقی نے اپنی صنعت کو سراہا اور احسن الخالقین نے اپنی خلقت پر ناز کیا۔ آج کتاب زندگی کا یہ باب بند ہوتا ہے۔ اوصاف انسانیت ختم ہوتے ہیں اور آدمیت کی تمام صفتیں جمع ہو کر ایک ذات میں رونما ہوتی ہیں، رحم و کرم کی حسین دیویاں خلق و مروت کے ترو تازہ گل دستے ہاتھوں میں لئے عبداللہ کے گھر میں نمودار ہوئیں، خلوص و صداقت کے کفش بردار چہرے، راستی و ایثار کے جواہرات سے مزین ہو کر سامنے آئے۔ عبادت و ریاضت کے علم بردار شرک و بت پرستی کو تاراج کرتے ہوئے خانہ کعبہ پر توحید کے جھنڈے گاڑنے لگے۔ آسمان فرط مسرت سے اچھل پڑا زمین اپنی خوش نصیبی پر فخر کرنے لگی اور وہ وقت آ گیا جب دنیا کے ہاتھ اس بچہ کو اپنی آغوش میں لیں جس کو روئے زمین کی اصلاح کرنی ہے، ارضی و سماوی کائنات کی نظریں اس جمال پر پڑیں جو ایک عالم کو منور کرے گا اور وہ فخر موجودات ظہور پذیر ہو جس کے مبارک قدموں میں سرکش گردنیں جھکیں گی اور عدل حقیقی اس کے پاؤں چومے گا۔

خدا کے حضور میں التجا

آج جب کہ کلمہ توحید کے پڑھنے والی چند بستیاں کینروں کی صورت میں، کچھ بچے اور تھوڑے سے مرد غلاموں کی ہیئت میں اس غرض سے اور اس مقصد سے اس مجلس میں حاضر اور جمع ہوئے ہیں کہ دنیا کی اس مبارک گھڑی کی یاد تازہ کریں جب مادہ گیتی کے پیٹ سے دونوں جہان کا بادشاہ پیدا ہوا اور قدرت نے عبدالمطلب کی بہو آمنہ کی گود کو اس نعمت سے مالا مال کیا جس نے دنیا کی زندگی میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ ضرورت اور اشد ضرورت ہے کہ سب سے پہلے ہماری سیاہ پیشانیاں اور گناہگار گردنیں اس خالق موجودات کے حضور میں جھک کر سجدہ شکر ادا کریں جس نے اپنے فضل و کرم سے انسانیت کی اجڑی ہوئی کھیتی لہلہادی اور انسانی صورت میں وہ انعام عطا فرمایا جو ہم جیسے گناہگاروں کو منزل مقصود پر پہنچا گیا جس کی پاک زندگی ہمارے واسطے ایک شاہ راہ چھوڑ گئی جس کے مقدس ہاتھ ہمارے واسطے قصر اسلام کی ایک ایسی بنیاد رکھ گئے جہاں کے رہنے

والے آج بھی راج کر رہے ہیں۔

زندگی اور موت کے مالک، ابراہیم علیہ السلام کی التجا کو سننے والے بادشاہ، عرب کی زمین سے مکہ کی خاک سے، مطلب کے گھر سے، آمنہ کے پیٹ سے نور پیدا کرنے والے، آگ میں ابراہیم علیہ السلام کی، چھری کی دھار میں اسماعیل کی، قید زنداں میں یوسف کی، اندھی آنکھوں میں یعقوب کی پکار پر پہنچنے والے مولا! آج اس مبارک ساعت میں جب عید میلاد اس کی پیدائش کا وقت ہے جو تیرا تھا اور جس کا تو ہے ہماری فریاد سن، ہماری التجا منظور فرما اور ہماری دعا قبول کر۔

حکیم علی الاطلاق! گناہگار ہیں رحم کر! احکم الحاکمین! مجرم ہیں درگزر کر، خالق! روسیہ ہیں، معاف فرما۔ کس منہ سے کس دل سے کس زبان سے التجا کریں، ہم کونہ دیکھ ہمارے اعمال کونہ پرکھ، ہمارے افعال کونہ جانچ، دیکھ اپنے کرم کو، کریم ہے تو، نظر ڈال اپنے رحم پر، رحیم ہے تو! اوز معاف کر ہمارے گناہوں کو علیم حکیم ہے تو۔۔۔!

نارنمود کے آسمانی شعلوں کو گلزار بنانے والا تو تھا، پچھڑے ہوئے یوسف کو اندھے باپ کے سینے سے چمٹا دینے والی قدرت تیری تھی۔ آبدار چھری کی دھار سے اسماعیل کو زندہ بچانے والا تو تھا، نوح کی کشتی کو قیامت خیز طوفان میں کنارے پر پہنچانے والی طاقت تیری تھی، صدقہ نوح کی دعا کا، واسطہ ان آنسوؤں کا جو یعقوب کی آنکھ سے یوسف کے فراق میں گرے اور طفیل اس کا جو پہاڑ کی چوٹی پر کلیجہ کے ٹکڑے کو تیری راہ میں ذبح کر رہا تھا ہماری دعا قبول فرما، ہماری مرادیں برلا اور ہماری فریاد سن!

غفور الرحیم! گناہ گار بندے نادم و شرمسار تیرے حضور میں حاضر ہوئے ہیں۔ ہماری زبانیں گندی، ہماری آنکھیں اندھی، ہمارے دل کھوٹے، ہمارے منہ چھوٹے، تیری ذات ارفع تیری شان اعلیٰ، تیرا کام کرم، تیرا شیوہ رحم! دکھا اپنی قدرت کے کرشمے اور قبول کر ہماری دعا، ظاہر کر اپنی شان کریمی اور سن ہماری التجا۔

رب العالمین! دل کو ہمت دے، جسم کو طاقت دے۔

دعا کو اثر دے، التجا کو قبولیت، بچوں کو زندگی۔

عزیوں کو ختمی، رزق میں برکت، حوصلہ میں جرات۔

قلب کو اطمینان، مشکل کو آسان، مقاصد کی تکمیل۔

آفات کی تسہیل، مرنے والوں کی مغفرت، بیماروں کی صحت۔

خیر سب کی خیر دوست ہوں یا دشمن اپنے ہوں یا غیر۔

معصوم بچے گڑ گڑا، گڑ گڑا کر، تو تلی زبان میں تلاتا کر تیرے دربار میں حاضر ہوئے

ہیں، تیری سرکار میں ہاتھی ہیں، صدقہ اس بچے کا جو آمنہ کے پیٹ سے پیدا ہوا، طفیل اس کا جس نے

حلیمہ کا دودھ پیا اور واسطہ اس کا جو عبدالمطلب کی گود میں کھیلا، ان بچوں کی فریاد سن ان کی دعا قبول

کر، ان کی عمروں میں ترقی دے، مقدر میں اقبال دے، دولت سے خوش حال کر، علم سے مالا مال

کر، نافرمان نوکرانیاں بصد ادب ہاتھ جوڑے اور سر جھکائے اپنی آرزوئیں لے کر اپنی مرادوں

کے ساتھ اس وقت کہ مجلس میلاد اس کی ہے جس کی تو نے سنی، ذکر اس کا ہے جو تیرا محبوب تھا اور

وقت پیدائش اس کا ہے جو پوشیدہ تھا ابراہیم کی زبان میں اور نوح کے طوفان میں، سر بسجود ہیں، برلا

ان کی مرادیں اور سن ان کی فریادیں، مولا کریم ان کے سہاگ قائم رکھ، ان کو راج رہتی دنیا تک

تندرستی دے، ان کے شوہروں کو عمر دے، ان کے بچوں کو برکت دے، رزق میں سہولت دے،

میاں بیوی میں محبت دے، بہن بھائی میں شفقت دے، صحت دے بیماروں کو، رہائی دے

گرفتاروں کو، توفیق دے عبادت کی، شوق دے علم کا، پورے کر ارمان، کر خاتمہ بخیر۔

طائران عرب کی چہکار نے رات کی خوشی کو الوداع کیا۔ زیتون کی بار آور شاخیں قہقہوں میں

مصروف ہوئیں، نور کی گھڑی صبا کی گود میں دنیا کے اس نئے مہمان کی آمد کا اعلان کرتی ہوئی جس کے

انتظار میں دنیا کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں، عبد اللہ کے گھر پر نازل ہوئی، آسمانی چاند کی عاشق چکور جس

نے پھر فضائے بسیط میں آمنہ کے گھر کا طواف کیا، دارا بن یوسف کی دیواروں پر زمینی چاند کے شوق

میں آ بیٹھی، خوش الحان پرندوں کے نغمے، سرسبز درختوں کی موسیقی، صبح صادق کا سہانا وقت، کچھ ایسا عالم

تھا کہ کائنات کا ہر ذرہ عید میلاد کے نعرے لگانے لگا، تارے جھلملا چکے، پھولوں کی مہک صبا کو عطر میں

ڈبوراہی ہے، مکہ کا ذرہ ذرہ آمنہ کے لال کی تعظیم کو تیار ہو گیا ہے۔ خانہ کعبہ کی دیواریں ساکت و خاموش دعائے ابراہیمی کا ورد کر رہی ہیں، شرک و بت پرستی کے بے جان بت باد صداقت کے تند و تیز جھونکوں سے لرز رہے ہیں اور مبارک و سلامت کی صدائیں ہر سمت سے بلند ہو رہی ہیں۔

سپیدہ سحر کا دامن آہستہ آہستہ وسیع ہو رہا ہے اور قدرت کا ہاتھ بتدریج فضائے شب کو چاک کرنے میں منہمک ہے، ہوا خاموش درختوں کو گدگد رہی ہے اور بلبل چہک کر باوا از بلند کہہ رہے ہیں:

آ ظہور فرما تشریف لا!

آمنہ کی گود میں۔۔۔ عبداللہ کے گھر میں۔۔۔ ہماری آنکھوں میں۔۔۔ آ پہنچی وہ مبارک ساعت اور شب گھڑی جس نے دنیا میں ایک تغیر پیدا کر دیا اور چشم زدن میں ہوا کا رخ ادھر سے ادھر بدلا

نگاہ شوق سے ہے منتظر دنیا کا ہر ذرہ
دکھا تو ہم کو اب جلوہ محمد مصطفیٰ آ جا

چادر شب قریب قریب چاک ہو چکی تھی اور شہسوار مشرق اپنی پوری جمعیت کے ساتھ یتیم عبداللہ کی پابوسی کو آگے بڑھ رہا تھا کہ بی بی آمنہ کے پہلو میں اس بچے کے رونے کی آواز بلند ہوئی جس پر دنیا کے قہقہے قربان تھے۔ فضائے آسمانی کی تاریکی نور سے بدلی، رات نے دن کا لباس پہنا اور آسمان نے زمین کے کان میں دلی مبارک باد پیش کی۔ مکہ کے خوش الحان طائر مصروف نغمہ سنجی تھے، قریش کی عورتیں لڑکے کی پیدائش پر باغ باغ ہوئیں، عبدالمطلب نہال نہال تھے اور آمنہ بی بی کی باچھیں کھل رہی تھیں۔

دنیا نے ناپائیدار کا وہ بہترین انسان جو زندگی کی روح اور انسانیت کی جان تھا ظہور فرما چکا، جس کی پیدائش پر مبارک و سلامت کی دھوم دھام فرش سے عرش تک بلند ہو رہی ہے۔ آمنہ بی بی کے کلیجے سے لگا ہوا ہے، وہ نور کی تیلی، روشنی کا قلم جس کی چمک ایک عالم میں پھیلی دنیا میں تشریف لے آیا۔ تخیل کی گلکاری کائنات کے اس پھول پر بصد شوق قربان ہو رہی ہے، صحت دماغ سلامتی، عقل آنکھیں بند کر کے یتیم عبداللہ کے استقبال کو آگے بڑھی ہے اور بعجز و ادب ہاتھ جوڑ کر اور سر جھکا کر درود و سلام کا حقیر ہدیہ ان الفاظ میں پیش کرتی ہے۔

”بزم میلاد کے دولہا، دل اور جان دونوں تجھ پر قربان، عمر اس آرزو میں ختم ہو رہی ہے کہ زندگی پروانہ وار تیرے نام پر نثار ہو، لاریب تو انسان تھا مگر کریم! بلاشبہ تو بشر تھا لیکن رحیم! تو نے بندہ بن کر دنیا میں خدائی کی اور فرش پر بیٹھ کر عرش پر حکومت کی۔ تو خاک نشین تھا مگر تو نے شہنشاہ بنا دیئے تو بیکس تھا لیکن دنیا تجھ پر ایمان لائی، آمنہ کے لال! آسمان وہ سماعت بھول نہیں سکتا جب زمین کا ہر ذرہ تیرا دشمن تھا مگر تری صداقت نے تجھ کو امین بنایا، جان کے دشمن اور خون کے پیاسے جو تیرے سر کے خواست گار تھے، تیرا کلمہ پڑھنے لگے۔ خالد جیسے عدو کی گردن تیرے سامنے خم ہوئی اور عمر جیسے مخالف نے تیرے قدم چومے، دنیا کی تاریخ تیرے سامنے ششدر اور تیری زندگی دنیا کے سامنے عدیم النظیر ہے۔ ملک ہر تنفس تیرے قتل پر کمر بستہ ہو اور وقت راستی کا تاج سر پر رکھے، دشمن تیرے شیدا ہوں اور اغیار تیرا کلمہ پڑھیں۔ مہد اقدت تیرے گھر سے، امانت تیرے در سے، ایثار تیرے دربار سے اور ہمدردی تیری سرکار سے، ذالئی تیری بات سے اور حقیقت تیری ذات سے پیدا اور نمودار ہو۔

رسالت کے معنی تو نے بتائے، نبوت کی تفسیر تو نے کی، انسانیت کا عقدہ تو نے کھولا، بندگی کا راز تو نے بتایا، عبودیت کا مرحلہ تیری شان تھی اور تو حید کا ڈنکا تیری زبان! آمنہ کے پیٹ سے پیدا ہونے والے بادشاہ ہم لونڈی غلاموں کا سلام قبول فرما۔۔۔! چمنستان تخیل کو اپنے رحم سے تروتازہ کر، ہمارا حقیر ہدیہ منظور کر، اپنے کرم سے اور اپنے رحم سے۔

زباں احسان اخلاقی کہاں تک تیرے گنوائے
 بکھیرے ہیں جو تو نے پھول کب تک ان کو چنوائے
 تیرے احسان کا دنیا میں بدلہ ہے تو اب یہ ہے
 کہ ذکر خیر تیرا خود سنے اوروں کو سنوائے
 درود ہے، تجھ پر اے مولا، سلام ہے تجھ پہ اے آقا!

مسیحی نیا علیؑ

آسمان ہدایت پر آفتاب عالم تاب کا طلوع

(مولانا قاری محمد طیب، مہتمم دارالعلوم دیوبند)

نبوت اور تمثیل آفتاب

جس طرح مادی کائنات کے لئے سورج بنایا گیا اسی طرح انسان کی روحانی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے خالق کائنات نے آفتاب نبوت محمدی کا ظہور فرمایا ہے۔

قرآن حکیم نے مادی سورج کو ”سراج و بہاج“ فرمایا جو روشنی و گرمی کا مجموعہ ہے اور روحانی سورج کو ”سراج منیر“ فرمایا جو روشنی و ٹھنڈک کا مجموعہ ہے، وہ اگر ”وہاجیت“ سے اشیاء کو سوخت کرتا ہے تو یہ ”منیریت“ سے انہیں حد کمال کو پہنچاتا ہے۔ اس کے سوز و پیش سے اگر مختلف اوقات میں اس سے بیزاری پیدا ہوتی ہے تو اس کی نورانی ٹھنڈک سے ہمہ وقت عشق و محبت بڑھتا ہے۔ اس میں اگر واقعیت کی شان ہے تو اس میں جاذبیت کی خصوصیت ہے۔ وہاں جلاؤ ہوتا ہے تو یہاں بجھاؤ، وہاں دل و جان جلتے ہیں تو یہاں دل و جان کو زندگی ملتی ہے، اس کے نیچے اگر بدن سیاہ پڑتا ہے تو اس کے زیر سایہ بدن منور ہوتا ہے۔ اس لئے قرآن نے اگر مادی سورج سے اپنے روحانی سورج کو مخصوص صفات میں تشبیہ دی تو ساتھ ہی ”وہاج“ اور ”منیر“ کے اوصاف ذکر فرما کر ان میں فرق بھی واضح کر دیا۔ آسمان کا سورج تو ”نار اللہ الموقدہ“ سے تربیت یافتہ ہو کر ناری ہے اور یہ زمین کا سورج ”نور السموات والارض“ سے تربیت یافتہ ہو کر نوری ہے۔ ایک جہنم سے وابستہ ہے اور ایک جنت و عرش سے تاکہ اس تشبیہ سے کسی کو ان دونوں آفتابوں میں یکسانی کا شبہ بھی نہ گزرے۔ چہ جائیکہ مادی سورج کی افضلیت کا اور سمجھنے

والے سمجھ لیں کہ یہ فلکی سورج سورج تو ہے مگر اس ملکی سورج کے مقابلہ میں چراغ مردہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتا۔

چراغ مردہ کجا؟ نور آفتاب کجا؟

تاہم پھر بھی اگر حضرت ختمی مآب ﷺ کے مقام خاتمیت اور شئون نبوۃ کو کسی مثال سے کھولا جاسکتا ہے تو وہ مثال صرف سورج ہی کی تھی۔ اس لئے باوجود اس فرق کے اسے ہی اس تمثیل کے لئے اختیار کیا گیا۔۔۔۔۔

☆ تاہم یہاں یہ سوال پھر بھی باقی رہ جاتا ہے کہ اگر حضور کو سورج ہی سے تشبیہ دینی مقصود تھی تو شمس کا لفظ چھوڑ کر سراج ہی کا لفظ کیوں اختیار کیا گیا؟ بظاہر تشبیہ کی سیدھی عبارت یہ تھی کہ وشمساً منیراً (اور آپ چمکتے ہوئے سورج ہیں) نہ یہ کہ آپ کو "سراجاً منیراً" یعنی روشن چراغ کہہ کر پھر روشن چراغ سے سورج مراد لیا جائے۔ پس اس میں کیا مصلحت ہے کہ تشبیہ دینے میں عنوان تو چراغ کا اختیار کیا جائے اور مراد اس سے سورج لیا جائے گا۔

جو ابنا عرض ہے کہ مقصود تو حضور ﷺ کو آفتاب ہی سے تشبیہ دینا ہے تاکہ تمام مقامات نبوت پر سورج کے حسی مقامات سے پوری روشنی پڑ جائے لیکن عنوان چراغ کا اس لئے اختیار کیا گیا کہ چراغ میں ایک خاص وصف ہے جو سورج اور چاند میں نہیں اور وہ یہ ہے کہ سورج سے دوسرا سورج نہیں بن سکتا مگر ایک چراغ سے دوسرا چراغ روشن ہو سکتا ہے۔ پس سورج سے تو اس لئے تشبیہ دی کہ چمک دمک اور دوسری خصوصیات میں آپ کی یکتائی واضح ہو جائے۔ جیسے سورج کو تمام روشن اجسام میں اپنی ذات و صفات کے لحاظ سے یکتائی اور بے نظیری حاصل ہے مگر اس سورج کو چراغ کے لفظ سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ آپ کے کمالات تربیت و تاثیر سے آپ کی نمونہ سازی کا کمال بھی کھل جائے کہ آپ نے اپنے رنگ اور اپنے ڈھنگ کے لاکھوں نمونے تیار کر دیئے۔۔۔۔۔

☆ اس تشبیہ سے ابتدائی طور پر جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ کہ اگر مادی کائنات کے لئے

ایک جسمانی سورج کی ضرورت ہے اور بلاشبہ ہے تو معنوی اور روحانی کائنات کے لئے بھی ایک روحانی سورج ناگزیر ہے۔ جیسے حق تعالیٰ نے اس جسمانی کائنات کے لئے ایک مادی آفتاب بنایا۔ جس سے زمین و زمان روشن ہیں ایسے ہی اس نے ایک روحانی آفتاب ذات بابرکات نبویؐ بھی بنایا۔ جس سے کون و مکان روشن ہیں۔ وہ اجسام کو منور کرتا ہے یہ ارواح کو۔ وہ صورتوں کو نمایاں کرتا ہے یہ حقائق کو۔ وہ طبیعتوں کو ابھارتا ہے یہ عقلوں اور فطرتوں کو، اس کی کارگزاری حیات میں ہے اور اس کی معنویات میں جس سے حیات بھی بے بہرہ نہیں رہیں۔ غرض مادی عالم کی طرح روحانی عالم کے لئے بھی ایک آفتاب کا وجود ضروری ہے کیونکہ سب جانتے ہیں کہ حیات اور جسمانیات جہاں بغیر حرارت کے زندہ نہیں رہ سکتے۔ ان کے حق میں حرارت عزیز و بمنزلہ روح ہے۔ اگر وہ نہ رہے تو یہ عالم ناسوت یا مادی عالم بھی نہ رہے۔ جمادات، نباتات اور جانداروں میں انسان سے لے کر ایک حقیر ترین کیڑے مکوڑے تک کی زندگی کا جزو اعظم حرارت ہے مثلاً اگر بدن میں حرارت اور گرمی نہ ہو تو جسمانی اشیاء باقی نہیں رہ سکتیں۔ نہیں بلکہ اگر اس پوری دنیا اور اس کے اجزاء میں سے حرارت کھینچ کر نکال لی جائے تو ساری کائنات برفانی ہو کر جم جائے، جماد محض رہ جائے اور اس میں نقل و حرکت کی سکت نہ رہے جو زندگی کی ابتدائی علامت ہے پس کائنات کے لئے حرارت بمنزلہ روح کے ہے اور سب جانتے ہیں کہ اس گرمی اور گرمی روح کا سرچشمہ آفتاب کے سوا کوئی دوسری چیز نہیں۔

ٹھیک اسی طرح باشعور کائنات کی روحانی زندگی اور روح کے احوال و مقامات کی بود و نمود بھی حرارت ایمانی اور گرمی عشق خداوندی سے قائم ہے جس کا نام ایمان ہے۔ علم، اخلاق، معرفت، احوال مقامات، قلبی واردات اور وصول و قبول کی گرم بازاری اسی ایمانی گرمی سے قائم ہے جس حد تک ایمان اور گرمی عشق ہے۔ اسی حد تک دینی حمیت، مذہبی غیرت، مجاہدہ و جہاد فی سبیل اللہ کا جوش و خروش ابھرتا ہے۔ اگر ایمان کی حرارت باقی نہ رہے تو یہ تمام روحانی کمالات و مقامات ختم ہو کر انسان صرف جماد و نبات یا حیوان یا محض ایک انسانی بیگل ہو کر رہ جائے۔۔۔۔۔

☆ سب جانتے ہیں کہ اس ایمانی حرارت اور گرمی عشق خداوندی کے سرچشمے انبیاء علیہم السلام ہیں اور خود ان کی ایمانی گرمی کا واحد سرچشمہ ذات بابرکات نبوی ہے کیونکہ آپ خاتم النبوت ہیں۔ جس کے فیض سے انبیاء و ائم کو یہ روحانی حرارت عزیزی ملی ہے۔ پس اور انبیاء اگر نجوم نبوت ہیں تو آپ ﷺ آفتاب نبوت ہیں۔ اس لئے اگلوں اور پچھلوں کی ایمانی اور احسانی آب و تاب اور روشنی و گرمی کا سرچشمہ آفتاب نبوت ہے۔ جس سے پورے عالم روحانیت کی گرمی اور گرم بازاری اور دوسرے لفظوں میں روحانی زندگی قائم ہے۔ بلکہ پورے عالم روحانیت کی گرمی اور گرم بازاری اور روحانی زندگی آفتاب نبوت ہی سے ممکن و وابستہ تھی تو فطرت اللہ کا تقاضا یہ ہوا کہ مادی کائنات کی طرح وہ روحانی کائنات کو بھی ایک آفتاب روحانی بخشنے جو روحانی عالم کی زندگی کا کفیل ہو پس اگر مادی کائنات کو اپنی بقا کے لئے ایک مادی آفتاب کی ضرورت تھی تو روحانی کائنات کو بھی اپنی بقا و حیات کے لئے ایک روحانی آفتاب کی ضرورت تھی اور وہ ذات بابرکات محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔۔۔۔۔

☆ مگر جس طرح مادی آفتاب کے لئے ایک مدار اور ایک محور ضروری ہے جس پر وہ حرکت کرے اور وہ فلک ہے ایسے ہی روحانی آفتاب کے لئے بھی ایک محور (جائے گردش) ناگزیر ہے۔ جس پر اس کی نقل و حرکت ہو فرق ہوگا تو صرف یہ کہ مادی سورج کا فلک بھی مادی ہوگا جو حسی نگاہوں کے سامنے آسکے گا اور روحانی آفتاب کا فلک روحانی ہوگا جو دل کی نگاہ کے سامنے آئے گا اور سب جانتے ہیں کہ روحانیت کا سرچشمہ نبوت ہے۔ اس لئے اس روحانیت کے آفتاب کے فلک کو آسمان نبوت کہا جائے گا اور انبیاء علیہم السلام کو اس آسمان پر چمکنے والے ستارے جن میں جناب رسول اللہ ﷺ آفتاب نبوت ہیں۔ اس لئے اس آفتاب روحانی کی نقل و حرکت اسی آسمان نبوت پر ہوگی۔ نبوت کے مقامات گویا اس آسمان کے بروج ہوں گے جن میں آفتاب نبوت کی نقل و حرکت ہوگی اور ان بروج کے خاص خاص آثار ہوں گے جو کائنات پر پڑتے ہوں گے۔ بہر حال آفتاب نبوت آسمان نبوت پر سے اور اس کا طلوع و غروب اور عروج و نزول ان

آسمان پر ہوتا ہے۔۔۔۔۔

☆ سب جانتے ہیں کہ طلوع آفتاب سے پہلے کی حالت یہی ہوتی ہے کہ ابتدائے شب میں آسمان کے نیچے اندھیرا چھپا ہوا رہتا ہے۔ زمین تاریک ہوتی ہے، رات کا مہیب دیوانہ بھیانک شکل کے ساتھ پوری دنیا پر مسلط ہوتا ہے۔ کام کاج تقریباً معطل پڑے رہتے ہیں اور ہر جاندار اپنے گھر اور اپنے ٹھکانے کا اسیر ہو کر رہ جاتا ہے لوگ کچھ روشنیوں کا بندوبست بھی کرتے ہیں اور کسی حد تک ابتداء شب میں کام بھی چلاتے ہیں لیکن یہ محدود اور مصنوعی روشنیاں ہمہ گیر نہیں ہوتیں۔ اس طرح یہ شب دیجور کی اندھیاریاں فوج در فوج پہنچ کر کائنات کے ظاہر و باطن پر چھا جاتی ہیں اور غفلت و نیند کی تاریکی چھائی رہتی ہے اور دنیا زندوں کا قبرستان بن جاتی ہے۔۔۔۔۔

☆ چنانچہ جب ظلماتی پردے انتہائی غلیظ ہو جاتے ہیں اور مصنوعی روشنیاں ان کے زائل کرنے میں بے اثر ثابت ہوتی ہیں تو حق تعالیٰ اپنی رحمت کاملہ اور قدرت بالغہ سے رات کے مناسب حال خود روشنی کا بندوبست فرماتے ہیں اور تدریجی طور پر آسمان کی فضا میں ستارے نمودار ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ ایک نکا پھر دوسرا پھر تیسرا اور یہاں تک مسلسل ستاروں پر ستارے ہجوم کر کے پورے آسمان کو گھیر لیتے ہیں اور رات کے اس تسلسل سے پورا آسمان ستاروں سے جگمگا اٹھتا ہے جس سے شب تاریکی اندھیری کی وہ شدت باقی نہیں رہتی کہ ہاتھ کو ہاتھ سمجھائی نہ دے بلکہ ایک حد تک دنیا کی پوری فضا، شہروں کی ہو یا دیہات کی جنگلوں کی ہو یا دریاؤں کی یکسانی کے ساتھ ہلکی ہلکی روشنی میں آ جاتی ہے۔۔۔۔۔

☆ ٹھیک اسی طرح آسمان نبوت کے نیچے روحانیت کی زمین اور دلوں کے گوشے جب کہ جہل و ظلم کی تاریکیوں میں گھرے ہوئے تھے اور اس ظلم و جہول نے انسان کو اس کی جبلت کی شہوانی تاریکیوں اور شبہات کی ظلمتوں نے گھیر رکھا تھا۔ نفس امارہ اور شیاطین کا اس کی خلقت پر پورا پورا تسلط تھا تو خود اسے بھی اپنی روشنی کی فکرتھی۔ اس نے ان ظلمتوں میں راہ طے کرنے کے لئے عقل کی قدیلوں سے کام کیا۔ فہم کی بجلی کے قتمے اپنی انفسی جہان میں روشن کئے، فلسفیت کی مصنوعی

لاٹینوں سے کچھ کام چلایا۔ مگر عقل و فہم اور فلسفہ کے ٹمٹاتے ہوئے چراغوں کی روشنی اول تو مکمل نہ تھی کہ دنیا کے ساتھ آخرت اور حیاتی زندگی کے ساتھ آخرت کی معنوی زندگی کی منزلیں بھی طے کرادیتی اور کسی حد تک یہ ممکن بھی ہوتا اور مخصوص نفوس سلیمہ اس راستے سے کچھ قطع منازل بھی کرتے لیکن اس روشنی میں روحوں کی حیات اور عشق الہی کی گرمی نہ تھی کہ وہ دلوں میں امنگ اور روحوں میں تڑپ بھی پیدا کردیتی۔ غرض عقلوں کی روشنی کا بندوبست فرمایا اور آسمان نبوت پر نئے نئے رنگ کے ستارے طلوع ہونے شروع ہوئے سب سے پہلا ستارا آدم علیہ السلام کا طلوع ہوا پھر شیث آئے پھر ادریس آئے پھر نوح آئے پھر ہود و صالح آئے پھر ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ آئے۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام، یہاں تک کہ آسمانی ستاروں کی طرح آسمان نبوت پر لگاتار نجوم نبوت کا ظہور شروع ہوا۔

ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَىٰ. (المؤمنون، ۴۴) ”پھر ہم نے لگاتار رسول بھیجے۔“

ان نجوم نبوت کے انوار و برکات سے دلوں کی ظلمتیں چھٹنی شروع ہوئیں اور دنیا نے انہیں دیکھ دیکھ کر اور ان کے مثالی نمونوں کو معیار بنا کر راہ حق کی منزلیں طے کرنی شروع کر دیں۔۔۔۔۔

☆ جونہی بھی رخصت ہوا وہ اپنے نورانی آثار چھوڑ کر گیا۔ جس پر آنے والے کی عمارت کھڑی ہوئی اور اس طرح بعثت نبویؐ سے پانچ چھ سو برس پہلے ایک وقت آیا کہ یہ سارے ہی روحانی ستارے اپنے انوار کے پردے میں آسمان نبوت پر بیک وقت جمع ہو گئے اور ظلمات بعضہا فوق بعض کے مقابلہ میں ”نور علی نور“ کا ظہور ہو گیا۔

چنانچہ آسمان و زمین کی صورت یہ ہو گئی کہ آخر شب میں آسمان پر لاکھوں چھوٹے اور بڑے ستارے روشن ہیں اور زمین پر کروڑوں چراغ اور مصنوعی روشنیوں کے لاکھوں لیمپ اور ہنڈے اور پھر برق جہانتاب کے ہزار ہا تقمے جگمگائے ہوئے ہیں لیکن پھر بھی شب تار اور اس کی تاریکی زائل نہیں ہوتی نہ رات ہی کا نور ہوتی اور نہ دن ہی نکلتا ہے گویا ان ساری روشنیوں میں مل کر بھی یہ طاقت نہیں کہ رات کو دن بنا دیں اور طاقت کا بالکلہ استیصال کر دیں۔ اس لئے ظلمت شب

کے انتہاء کو پہنچ جانے پر زمین تو زبان حال سے یہ فریاد کرتی ہے کہ نور کامل سے اس کی مدد کی جائے جو ان تاریکیوں کے بادلوں کو چھانٹ دے اور ستاروں کا یہ ناتمام نور زبان حال سے یہ آواز بلند کرتا ہے کہ اس کی تکمیل کر دی جائے تاکہ وہ ظلمت شب پر غالب آسکے اور روز روشن نمودار ہو جائے۔

چنانچہ دنیا کی یہ پھیلی ہوئی ظلمت اور ان ستاروں کی یہ مجموعی روشنی کی خاموش فریاد بلند ہوئی کہ ہمیں ایک ایسا کامل نور عطا کیا جائے جو رات کو دن بنا دے اور ناتمام انوار کی تکمیل کر دے۔ تو عطاء خداوندی متوجہ ہوئی اور آدم علیہ السلام کے تقریباً سات ہزار برس کے بعد جبکہ آسمان نبوت اپنے سارے ستاروں سے جگمگا رہا تھا۔ آفتاب ہدایت کے ظہور ہونے کے آثار ظاہر ہوئے جسے نور حق کی تکمیل کرنی تھی۔۔۔۔۔

☆ آسمان نبوت پر روحانیت کے آفتاب جہاں تاب کی آمد آمد کے آثار نمایاں ہوئے اچانک پوچھی اور روحانیت کی صبح صادق نمودار ہوئی۔ جس نے بشارت دی کہ عنقریب وہ منبع نور اور سرچشمہ ضیاء یعنی آفتاب نبوت سامنے آیا چاہتا ہے۔ جس کے سب منتظر تھے اور جس کو نور اور ظلمت ایک زبان ہو کر مانگ رہے تھے۔ وہ آرہا ہے جس کے آجانے کے بعد پھر کسی نور کی ضرورت نہ پڑے گی کیونکہ آفتاب کے بعد کوئی دوسرا آفتاب طلوع نہیں ہوا کرتا۔ یہ آفتاب نبوت کی خوشخبری کیا تھی جس نے طلوع آفتاب کی خوشخبری دی؟

یہ حضرت مسیح علیہ السلام کی ذات بابرکات تھی جنہوں نے اپنے آنے کا حقیقی مقصد ہی آفتاب نبوت کے طلوع کی بشارت بتلایا اور اعلان کیا کہ

وَإِذْ قَالَ عِيسَىٰ بَنُ مَرْيَمَ يٰبَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا

لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاتِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي إِسْمُهُ أَحْمَدُ.

”اور جب کہا عیسیٰ ابن مریم نے بنی اسرائیل میں اللہ کا رسول ہوں۔ تمہاری طرف

تصدیق کنندہ ہوں سامنے کی تورات کا اور بشارت دہندہ ہوں، اس رسول کا جو میرے بعد آئیں گے۔ نام ان کا احمد ہے۔

پس جیسے آفتاب کے طلوع کی بشارت صبح صادق دیتی ہے ایسے ہی مسیح علیہ السلام کا سب سے بڑا مشن حضرت خاتم النبیین ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری کی بشارت دینا تھا۔ اس لئے وہ دائرہ نبوت میں صبح صادق کی مانند ہیں۔

ہاں مگر جیسا کہ بارہ گھنٹہ کے دن کے لئے ڈیڑھ گھنٹہ کی صبح صادق ہوتی ہے کہ جتنا بڑا دن ہوا اتنی ہی بڑی صبح صادق ہوتی ہے سو دائرہ ختم نبوت کے اس عظیم الشان دن کے لئے جس کا طول بعثت نبوی سے قیامت کی صبح تک ہے صبح صادق بھی اتنی ہی لمبی ہونی چاہئے تھی جتنا بڑا یہ دن تھا تو یہ صبح صادق حضرت مسیح علیہ السلام کی آمد ہے جن کا دور نبوت اور بالفاظ دیگر بشارت کا زمانہ جن کے اختتام پر آفتاب نبوت طلوع ہوا۔ تقریباً پونے چھ سو برس کی مدت کا تھا۔

یہاں سے یہ نکتہ بھی باآسانی سمجھ میں آجائے گا کہ صبح صادق کا نور کوئی مستقل نور نہیں ہوتا بلکہ اس نور کی ایک ابتدائی جھلک ہوتی ہے جس میں آثار وہی ہوتے ہیں جو نور آفتاب میں ہوتے ہیں چنانچہ اس کے نمودار ہوتے ہی ستارے سب ماند پڑ جاتے ہیں اور طلوع صبح صادق کے کچھ دیر بعد کوئی ستارہ نظر نہیں آتا۔ ایسے ہی حضرت مسیح صادق علیہ السلام بھی نور محمدی ہی کی ایک جھلک تھے اور آپ سے بہت سی صفات کمال میں کامل مشابہت بھی رکھتے تھے۔۔۔۔۔

☆ بہر حال پوچھنی اور صبح صادق نمودار ہوئی۔ حضرت مسیح نے صبح صادق بن کر آفتاب نبوت کے طلوع کی خبر دی اور طلوع آفتاب سے قبل دھیمی دھیمی روشنی نمایاں ہو گئی جو درحقیقت آفتاب ہی کی روشنی تھی۔ اسی لئے شب تار ختم ہو گئی لیکن سب جانتے ہیں کہ طلوع صبح صادق کے وقت جہاں چاند کے چمکتے رہنے کا سماں سامنے آتا ہے وہیں یہ منظر بھی نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے کہ عامۃً دنیا کے انسان اس وقت نیند میں مست ہوتے ہیں۔ نیند کے نچوڑ کا انتہائی وقت ہوتا ہے اور ہر کس و ناکس نوم میں غرق اور گہری نیند کا متوالہ بنا رہتا ہے گویا اس وقت خصوصیت سے نیند کا دماغوں پر پورا غلبہ و تسلط ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ بہت سے تو طلوع آفتاب کے بعد بھی نہیں جاگتے بلکہ سورج جب کافی بلند ہو جاتا ہے اور اس کی دھوپ کی تیزی ان پر پڑھنے لگتی ہے تب ان کی آنکھ کھلتی

ہے پس ادھر تو صبح صادق ہوتے ہی ستارے جھلملانے لگتے اور ان کی روشنیاں غائب سی محسوس ہونے لگتی ہیں کیونکہ صبح کا چاندنا تیز ہونا شروع ہو جاتا ہے اور ادھر سونے والے عموماً اپنی نیند میں مست اور محو ہوتے ہیں۔ اس لئے باہر تو چاندنا ہوتا رہتا ہے اور اندر اندھیرا غلیظ ہوتا رہتا ہے جب تک کہ آفتاب طلوع نہ ہو جائے یعنی اس صبح سے فائدہ وہی حاصل کرتا رہتا ہے جو بیدار ہوتا ہے اور وہ سوائے مخصوص افراد کے جو صبح صادق کے وقت فوراً ہی جاگ اٹھنے کا جذبہ لے کر سوئے ہوں، عام انسان نہیں ہوتے۔ اس لئے یہ درمیانی حصہ جو نہ رات ہے نہ دن حساً نورانیت کی طرف بڑھتا رہتا ہے اور عام انسانوں کے اندرونی احوال کی۔۔۔ ظلمت و تاریکی کی طرف چلتا رہتا ہے۔ پس اس زمانہ صبح صادق میں جسے زمانہ فترت کہنا چاہئے ادھر تو صبح صادق کے آثار نمایاں ہوئے اور روشنی بڑھنی شروع ہوئی چنانچہ مخصوص لوگوں کے دلوں کا رخ توحید اور انوار دیانت کی طرف ہو چلا لیکن عامہ خلاق کا یہی زمانہ زیادہ غفلت اور مستی خواب کا ثابت ہوا اور اس وقت کی دنیا پر ضلالت و گمراہی کے جو بادل ہر طرف چھائے ہوئے تھے۔ وہ اور غلیظ ہو گئے چنانچہ مکہ جو ناف عالم تھا اس کے اندر اور باہر چہار طرف پوری دنیا کے دلوں پر انواع و اقسام کی تاریکیوں کی نیند مسلط تھی اور سب خواب قساوت و غفلت میں مست تھے۔

جزیرہ عرب کے ایک سمت خلیج فارس تھا۔ جس کے کنارے ایران و فارس کی مملکتیں تھیں۔ جہاں ایرانیوں کی جہانبانی قائم تھی۔ اکاسرہ فارس سریر آرا تھے وہاں شرک و کفر کی تاویل و توجیہ سے نہیں بلکہ کھلے بندوں دو خداؤں کی خدائی کا ڈنکا بجایا جا رہا تھا۔ ان کے نزدیک جہانوں کے نظام کے لئے ایک خدا کافی نہ تھا بلکہ برابر کے دو خدا ہرمن اور یزواں خدائی کر رہے تھے۔

عرب کی دوسری سمت بحیرہ روم تھا جس کے کنارے مغربی دولتوں کے پرچم لہرا رہے تھے قیصر کی بادشاہی کا سکہ رواں تھا۔ یہاں عیسائیت نے مذہب کے نام سے تین خداؤں کی پوجا کا اعلان کیا ہوا تھا۔ یہ فارس کی نسبت بندگی کے معاملہ میں ترقی یافتہ تھے جنہوں نے دو خداؤں پر قناعت کافی نہ سمجھتے ہوئے ان میں ایک کا اضافہ اور ضروری سمجھا۔ ایک خدا ایک اکلوتا بیٹا اور ایک

اس کی بیوی یا بعض کے نزدیک روح القدس، یہاں خدائی کے تصرفات ان تین کے سپرد تھے۔ تیسری سمت بہر ہند تھا جس کے کنارے ہندوستان کا برعظیم اور دوسرے مشرقی ممالک واقع ہیں۔ یہ سرزمین پوجا کے سلسلہ میں ان دونوں سمتوں سے بھی زیادہ ترقی یافتہ تھی جسے تین خداؤں پر بھی قناعت نہ تھی بلکہ ان کی تعداد کروڑوں تک پہنچادی گئی تھی یہ ملک بت پرستی کا مخزن بنا ہوا تھا اور بت کے مفہوم میں صرف مورتی ہی شامل نہ تھی بلکہ پہاڑوں کے پتھر، دریاؤں کا پانی، درختوں کی شاخیں، جانوروں کے سر، انسانی اعضاء اور صنعت و حرفت کے آلات حتیٰ کہ کھانے پینے کی چیزیں سب کے سب معبود اور لائق پرستش تھے اور معبودوں کی تعداد عابدوں سے بدرجہا زائد تھی اور اس دور کی اس عام گمراہی کو خود ہندو زعماء بھی تسلیم کرتے ہیں چنانچہ پنڈت دیا نند سرسوتی نے تحریر فرمایا ہے کہ ویدوں کا علم پانچ ہزار برس سے گم ہو چکا تھا جسے انہوں نے زندہ کیا اور ظاہر ہے کہ حضور کی بعثت سے قبل چند صدی کا دور جو زمانہ جاہلیت کہلاتا ہے۔ اس پانچ ہزار سال کے اندر ہی اندر ہے۔ اس لئے آپ کی بعثت سے قبل خود ہندوستانی زعماء کے خیال میں بھی ہندوستان کی یہ عام گمراہی کا دور تھا۔

عرب کی چوتھی جانب سمندر کی موجوں سے ہٹی ہوئی اور خشکی سے ملی ہوئی تھی جس میں مصر و سوڈان اور افریقہ کی آبادیاں تھیں۔ انہوں نے اس بارہ میں پچھلی تین سمتوں سے بھی زیادہ پیش قدمی کی تھی۔ وہاں نہ ثنویت تھی نہ وثنیت، نہ تثلیث تھی نہ تکثیر، وہاں نہ چند خداؤں کا جھگڑا تھا نہ نفس خدائی کا بلکہ سرے سے ہی اس راہ سے الگ ہو کر ان کے یہاں فسق و فجور، بد عملی و سیہ کاری اور شہوات نفس کی مسموم آندھیاں چل رہی تھیں۔ گویا ہر شخص خدا بنا ہوا تھا۔ ہر شخص اپنی شہوات و خواہشات میں آزاد تھا۔ جس کو قرآن حکیم نے فرمایا۔ ساریکم دار الفاسقین۔۔۔۔۔

☆ بہر حال عرب کے چہار طرف بحر و بر میں ظلمتوں کی یہ بہتات شب تاریک بیم موج اور دریائے ناپیدا کنار کا منظر پیش کر رہی تھی۔ یہ تو ذات خداوندی کی حد تک تھا۔ رہیں صفات خداوندی سو یہی کیفیت اس وقت کی دنیا نے ان کے ساتھ بھی کر رکھی تھی بعض نے خالق کی صفات

مگر بہر حال یہ جس قدر ممالک بھی تھے وہ کسی ایک نوع کی گمراہی پر قائم نہ تھے، اگر ہندوستان میں شرک تھا تو وہاں تثلیث نہ تھی۔ روم میں تثلیث تھی تو وہاں تکشیر نہ تھی کہ کروڑوں معبود ہوں اگر ایران میں ثنویت کا زور تھا تو وہاں اوتاریت نہ تھی اور اگر ہند میں وثنیت تھی تو وہاں دوسری نوع کی کوئی اور گمراہی نہ تھی۔ اگر مصر میں دہریت اور عیش پرستی تھی تو بس وہی تھی وہاں مذہبی رنگ کی رسوم نہ تھیں لیکن خدا کی یہ مقدس سرزمین مکہ مکرمہ اس وقت ہمہ نوع گمراہیوں کا مرکز بنا ہوا تھا وہاں دہریت شرک فسق و فجور انکار نبوت اور انکار صفات نبوت وغیرہ ساری ہی انواع کی گمراہیاں جگہ بنائے ہوئے تھیں۔ اس لئے جہاں صبح صادق نور برسا رہی تھی وہیں دلوں کی دنیا میں اندھیرا ہی اندھیرا چھایا ہوا تھا اور ضلالت کی تاریک رات کا جو عمل دنیا میں جاری تھا۔ وہ بھی انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ اس لئے طلوع آفتاب کا وقت آ گیا اور اس آفتاب نبوت کی صبح صادق بہ صورت مسیح علیہ السلام نمایاں ہو گئی۔

☆ لیکن جب صبح صادق نے اپنی زمانی مسافت پوری کر لی اور یہ ہزاروں برس کے لمبے دن کی لمبی صبح صادق زائد از پانچ سو سال کے عرصہ میں پوری ہو گئی تو صبح صادق کے آخر میں طلوع آفتاب سے قبل شفق نمودار ہوتی ہے اور آسمان اک دم سرخی مائل نور سے اس قدر سرخ ہو جاتا ہے کہ گویا اس کے کنارے آگ سے دہک رہے ہیں۔ یہ طلوع شفق طلوع آفتاب کی بالکل قریبی علامتیں ہوتی ہیں۔ جس سے وہ اندھیرا بھی ختم ہو جاتا ہے جو صبح صادق کے وقت زمین پر چھایا رہتا ہے یہ روشنی بھی آفتاب ہی کی ہوتی ہے۔ کہیں باہر سے نہیں لائی جاتی جیسا کہ صبح صادق بھی اسی کی روشنی تھی۔ فرق صرف قرب و بعد کا ہوتا ہے کہ شفق کا نور بلا واسطہ خود آفتاب ہی کے ساتھ جلتا ہے۔

ٹھیک اسی طرح آفتاب نبوت کی صبح صادق کے بعد بعثت سے قبل اس آفتاب کی شفق نمودار ہوئی یعنی آفتاب نبوت کے قریبی آثار نمایاں ہونے شروع ہوئے یہی وہ ارباصات تھے جو ولادت باسعادت سے قبل دنیا کے سامنے آئے بئیرہ ساویہ خشک ہو گیا۔ کسریٰ کے محل کے چودہ کنگرے گر پڑے۔ آتش کدہ ایران جو صدیوں سے مسلسل روشن چلا آ رہا تھا، اک دم ٹھنڈا پڑ گیا

وغیرہ۔۔۔۔۔ یہ گویا آفتاب نبوت کی شفق کا ظہور تھا۔ جس سے آفاق روشن ہو گئے اور دنیا کو اندازہ ہو گیا کہ طلوع ہونے والا ستارہ کوئی چھوٹا موٹا یا معمولی ستارہ نہیں بلکہ کوئی عظیم ترین سیارہ مطلع کو زینت بخشنے والا ہے جو اب تک نمودار نہیں ہوا تھا۔ پس طلوع صبح صادق سے تورات ختم ہوئی تھی اور شفق کے طلوع سے وہ مخلوط تاریکی ختم ہو کر دن کی خالص روشنی کا آغاز ہو گیا۔ جس سے آسمان کے کنارے اور زمین کے سارے اطراف سورج کی ابتدائی چمک و دمک سے چمک اٹھے دلوں میں توحید اور دیانت کے استعداد بھرنی شروع ہوئی اور اطراف و اکناف میں ایسے لوگ ابھرنے لگے جو بت پرستی سے نفور ہو کر توحید کے نام لیوا ثابت ہو گئے اور اب وقت آ گیا کہ آفتاب نبوت طلوع ہو کر ان سب چمکیلی استعدادوں کو ابھار کر قلوب کی زمینوں کو بقعہ نور بنائے۔ گویا یہ نور انیتیں طلوع کے آخری آثار اور طلوع کے طلب گار ہوتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ظلمتوں کی انتہا اور نور کی ابتدا اور ناتمامی کی ان پکاروں پر بخشش خداوندی جوش میں آئی اور ان پیارے طلبوں کے انتہا کو پہنچ جانے پر تکمیل نور کے حل کا سامان عطا فرمایا۔ اولاً پوپھٹی صبح صادق کے آثار نمایاں ہوئے جو طلوع آفتاب کی بشارت تھے صبح صادق نے یعنی حضرت مسیح نے اعلان کیا کہ جس نور کو زمین کی تاریکی اور ستاروں کی روشنی مانگ رہی تھی وہ شہنشاہ نور عنقریب آنے والا ہے۔ اس کے بعد طلوع شفق ہوا اور اہصاات نمایاں ہوئے اور طلوع قریب ہو گیا۔ ابھی یہ سرچشمہ نور (آفتاب) سامنے بھی نہیں آیا تھا۔ صرف پوپھی پھٹی تھی، شفق ہی ابھری تھی کہ ظلمت شب نے فرار ہونا شروع کر دیا۔ ستارے اک دم ماند ہو کر منہ چھپانے لگے۔ گو وہ محسوس نہیں ہوئے مگر ان کی چھوٹی چھوٹی نورانی ہستیاں نور عظیم کے دریا میں غرق ہو کر منظر عام پر نہیں رہیں۔۔۔۔۔ یہاں تک کہ ان بشارتوں کے کچھ ہی عرصہ کے بعد آسمان کے چہرہ پردہ ہلتا ہوا ایک ایسا نور کامل نمودار ہوا کہ اس کے بعد شب ربانی کے لئے کسی نور کی حاجت باقی نہ رہی۔ اس لئے سارے انوار اپنا منہ ڈھانپ گئے۔ یعنی آفتاب عالمتاب طلوع ہوا اور اپنی لمبی لمبی شعاعوں اور کرنوں سے دنیا کے کھلے اور چھپے ہوئے حصوں تک اس نے منور کر دیا۔

ہر طرف اسی سرچشمہ نور آفتاب کی نورانی چادریں آفاق پر اس طرح چھا گئیں کہ ظلمت کا کہیں ڈھونڈنے سے بھی اثر باقی نہیں رہا۔ پس جو کام کروڑوں اور اربوں کھربوں ستارے مل کر بھی نہ کر سکتے تھے۔ وہ تنہا آفتاب اور نہ آفتاب کی ذات بلکہ اس سے پھیلنے والی روشنی نے کر دیا اور تدریجی رفتار سے دنیا کی روشنی آفتاب نکلتے ہی مکمل ہو گئی جس کا سامان رفتہ رفتہ ابتداء شب سے ہی کیا جا رہا تھا۔۔۔۔۔

☆ لیکن جس طرح طلوع ہوتے ہی سورج سب سے پہلے اپنی کرنیں نقطہ طلوع پر ڈالتا ہے پھر عین مقام طلوع کو روشن کرتا ہے پھر ذرا اور بلند ہو کر پورے مطلع کو روشن کر دیتا ہے اور پھر جوں جوں اونچا ہوتا ہے۔ توں توں روشنی کی تیزی مطلع کے چہار جانب آفاق عالم میں پھیلتی دکھائی دینے لگتی ہے جو مطلع کسی مرکزی حصے میں ہو جس سے روشنی چہار جانب پھیل سکے اور آخر کار پورے عالم کے کونے کونے میں روشنی پہنچ جاتی ہے۔ اندھیرے کمرے بھی روشن ہو جاتے ہیں۔

ایسے ہی آفتاب نبوت نے طلوع ہوتے ہی سب سے پہلے اپنے نقطہ طلوع کو روشن کیا جو آپ کا گھرانہ تھا اور گھرانہ حرم خانہ بنتا ہے تو اولاً محرم نبوی ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نور ایمان سے منور ہوئیں۔ جس کے معنی پورے گھر کے روشن ہو جانے کے ہیں اور قوا انفسکم و اہلیکم ناراً (بچاؤ اپنے نفس اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آنج سے) کا ظہور ہوا۔

پھر نبوت کا آفتاب اور اونچا ہوا تو مقام طلوع پر کرنیں پڑیں اور وہ روشن ہو گیا۔ یہ آپ کا قبیلہ تھا جس میں آپ کا ظہور ہوا اور یہ واندرا عشیرت تک الاقربین (اور ڈراؤ اپنے قریبی رشتہ داروں کو) کا ظہور تھا اور پھر آفتاب نبوت اور اونچا ہوا یہاں تک کہ پورا طلوع ہو گیا تو مطلع کے ماحول پر روشنی پڑی اور یہ مکہ کا مقدس شہر اور اس کا ماحول تھا۔ جس سے لتندرا ام القرى ومن حولها (تا کہ تم ڈراؤ مکہ اور اس کے ارد گرد کو) کا ظہور ہوا اور جب کہ اس آفتاب جہانتاب کی روشنی گھر اور شہر و قبیلہ تک محدود رکھنی نہ تھی بلکہ جہانوں کے کونے کونے میں پھیلائی تھی۔

تو جس طرح مادی سورج کا مطلع مشرقی افق کا بلند ترین حصہ رکھا گیا ہے تاکہ وہاں

سے اس کی روشنی پورے عالم میں پھیل سکے۔ اسی طرح آفتاب نبوت کے لئے مرکز طلوع کعبہ مقدسہ کو تجویز کیا گیا جو ناف عالم اور وسط زمین تھا اور اسے دنیا کی اور ہر چہار سمت سے نسبت مساوی تھی جیسا کہ مرکز کو اپنے دائرہ سے ہوتی ہے تاکہ اس کی کرنیں اگر ایک طرف بکیرہ روم کے کناروں سے ٹکرائیں۔ جس سے اس کی روشنی مغرب کی وادیوں میں پھیلے تو دوسری طرف بحر ہند کی لہروں سے جاڑیں۔ جس سے مشرقی ممالک ہند و سندھ، ایران و خراسان اور چین و جاپان روشن ہو جائیں اور اگر ایک سمت خلیج فارس کے ساحلوں پر اپنا نورانی سایہ ڈالیں۔ جس سے شمال کے علاقے منور ہوں تو دوسری طرف خشکی میں براعظم مصر و سوڈان کے علاقے چمک اٹھیں۔ اس لئے اس آفتاب کو افق مکہ سے بلند کیا گیا اور آپ نے اس ناف عالم سے آواز دی تو آپ کی صدائے ایمان جگہ جگہ پھیلی۔ سلاطین عالم اور اقوام و ملل کو آواز حق سے روشناس کیا اور اس طرح لیکنون للعالمین نذیرا (تاکہ وہ ہمارا پیغمبر) جہانوں کے لئے ڈرانے والا ہو) کا ظہور ہوا۔ پس جیسے مادی آفتاب کے عروج اور چڑھاؤ میں روشنی کے درجات متفاوت ہوتے ہیں جو آفتاب کے تدریجی طلوع و عروج سے نمایاں ہوتے ہیں۔ ایسے ہی آفتاب نبوت میں بھی علمی نور پھیلانے کے درجات متفاوت ہوئے جو اس روحانی آفتاب کے تدریجی ظہور کی صورتوں سے منظر عام پر آگئے اور آفتاب کا طلوع بالکل نزدیک آ گیا۔

جس طرح ستاروں کی روشنی جزوی ہونے کی وجہ سے ایسی عمومی اور کلی رنگ کی نہیں ہوتی جو پھیلتی ہوئی چلے اور نہ ایسی تیز ہی ہوتی ہے کہ اس کا نورانی سایہ دھوپ اور چاندنی کی طرح پھیل کر تمام اوجھل اور مخفی گوشوں کو بھی نمایاں کر دے۔ اسی طرح سابقہ نبوتوں یعنی شراہ سابقہ کی روشنی جزئیاتی اور مقامی رنگ کی تھی۔ جس سے ان میں کوئی ایسا پھیلاؤ نہیں تھا کہ دنیا کی تمام قوموں کو ان کی متفرق نفسیات کے ساتھ ایک پلیٹ فارم پر جمع کر سکتیں۔۔۔۔۔

☆ اس لئے ان امتوں میں تفقہ و اجتہاد کی شان بھی نہ تھی اور مجتہدین کا وجود بھی نہ تھا کہ وہ شریعت ان کی روشنی میں شاخ و برشاخ ہو کر آگے چلتی اور عمر دوام حاصل کرتی۔ بالفاظ دیگر امام

سابقہ میں شرائع اصلیہ تو تھیں مگر شرائع وضعیہ نہ تھیں۔ ان میں احکام ضرور تھے مگر ہمہ گیر عقل و اسرار کا وجود نہ تھا۔ پس ان میں ذوق واحد تھا۔ دنیا کی مختلف قوموں کے مزاج اور امتوں کے رنگ برنگ ذوقوں کا اجتماع نہ تھا۔ اس لئے ایک ہی طبقہ اپنے مناسب مزاج اس شریعت کو قبول کرتا تھا اور اس کے ذریعہ نجات حاصل کر لیتا تھا اور وہ درحقیقت اسی کے لئے مخصوص طور پر آسمان سے اترتی بھی تھی۔ دوسرے طبقات کے لئے دوسری شریعت اور دوسری پیغمبری درکار ہوتی تھی۔ پس دین قومی اور وطنی ہوتا تھا۔ عالمگیر اور ابدی نہ ہوتا تھا کیونکہ وہ نجوم ہدایت کا دین تھا جو مخصوص اور محدود روشنی لے کر آئے تھے۔ آفتاب ہدایت کا دین نہ تھا جس کی روشنی عالمگیر ہوتی ہے۔۔۔۔۔

☆ پس ان نجوم ہدایت (انبیاء علیہم السلام) کی مثال و بالنجم ہم بھتدون کی سی تھی کہ ستاروں کی طرح خود علامات ہدایت تھے لیکن ان سے پھیلنے والی کوئی عمومی اور کلی روشنی نہ تھی جو وقت کی پوری دنیا کو اپنے ہمہ گیر دائرہ میں لے سکتی۔ چہ جائیکہ وہ قیامت تک آنے والوں کے لئے حجت ہوتی۔ اس لئے ہدایت کا تعلق صرف ان کے ذاتی اسوے سے ہوتا تھا نہ کہ اصولی اور کلی روشنی سے اور یہی اسوے یا مخصوص رسوم عمل بذیل کتاب منضبط کر کے انہیں دے دی جاتی تھیں جو بمنزلہ ایک یادداشت کے ہوتی تھیں۔ نہ بمنزلہ ایک قانون کلی یا دوامی دستور العمل کے۔ اس طرح اصلاح باطن کے سلسلہ میں نفس امارہ اور شیطانی وساوس کا مقابلہ ان کے تصرفات اور کرامات سے ہوتا تھا جو ذات کے ساتھ وابستہ ہوتی تھیں۔ گویا ستاروں اور شہاب ثاقب کی طرح ان کی ذوات ہی خود شیاطین پر پھینک دی جاتی تھیں۔ جس سے شیطانی وساوس کا تار پود بکھر جاتا تھا۔ گویا استدلالی قوت دفع وساوس اور رفع مکائد کی نہیں ہوتی تھی جو اصولی طور پر ہمیشہ دنیا کے لئے اس باب میں کارآمد ثابت ہوتی۔ اس لئے ان نجوم ہدایت کے یہ مذاہب جزئیاتی اور محدود ہوتے تھے۔ جیسے ستاروں کی روشنی جزوی اور محدود ہے۔

لیکن آفتاب نبوت یعنی حضرت خاتم المرسلین علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کو جو نور دیا گیا ہے وہ رسمی یا علاماتی انداز کا نہیں جو عملی رسوم تک محدود ہو بلکہ علمی اور برہانی اور بیانی اور تبیینی ہے۔ جس میں ہر عمل ایک خاص علم اور اصولی حجت کے تابع ہے ہر حکم میں حکمت اور امر میں کوئی نہ کوئی اصولی

علت ہے۔ احکام دین رسمی اور رواجی صورتوں کے نہیں جو شکل محض اور ہیئت خالص ہوں جن کا مقصد نفس کو محض کسی ڈگر پر لگائے رکھنا یا زیادہ سے زیادہ نفس کشی اور ترک لذات کے ساتھ کوئی اندرونی دھیان و گیان اور استغراق ہو۔ جس کا نظام اجتماعی سے کوئی تعلق نہیں چنانچہ اس دنیا میں مسلم چند رسوم یا مخصوص قسم کی چند ظاہر علامتوں سے مسلم نہیں کہلاتا بلکہ تحقیق و استدلال اور عقیدہ و معرفت سے پیدا شدہ ہیئت و عمل سے مسلم کہلاتا ہے جس کے لئے وہ حجت و دلیل اور بصیرت لئے ہوئے ہوتا ہے۔

اس لئے اس کے اسلام کو پہچاننے کے لئے کچھ خاص بندھی جڑی رسمیں نہیں رکھی گئیں۔ جنہیں اس سے لگا ہوا دیکھ کر اس کے اسلام کو باور کر لیا جائے اور جب وہ اس کے ہاتھ پیر پیشانی یا گلے میں نہ رہیں تو وہ مسلم نہ سمجھا جائے بلکہ اس کا عقیدہ و عمل اور اس کی بصیرت و معرفت اس کی پیشانی کا نور اور اس کا طریق عمل طرز سلام و کلام انداز عمل طرز اخلاق وغیرہ اس کے دین پر گواہ ہوتے ہیں۔ جس سے اس کا مسلم ہونا معلوم ہوتا ہے اور نہ صرف مجموعہ دین بلکہ دین کی جزئی جزئی حجت و دلیل اور علمی قوت اس کی پشت پر ہوتی ہے۔ جس سے اس کا دین قائم اور متعارف رہتا ہے نہ کہ رسم و رواج اور نمائشی علامات۔۔۔۔۔

☆ اس سے صاف واضح ہے کہ نور پاشی کا کام محض آفتاب کی ذات ہی نہیں کرتی بلکہ اس کے آثار بھی کرتے ہیں جس کا نام چمک اور روشنی ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے ستاروں کی تو ذوات کو ہادی کہا ہے۔ وبالنجم ہم یہتدون چاندان سے ذرا زیادہ روشن تھا کہ اس کی نورانی چاندنی بھی پھیلتی تھی گورات کو دن نہ بنا سکتی تھی تو اسے نور کہا والقمر نوراً مگر سورج کی چمک اور دمک جبکہ خود سورج کی طرح فعال اور ضیا بخش تھی تو سورج کے ساتھ اس کی روشنی کو بھی اس کی ذات کے ہم پلہ دکھلاتے ہوئے مساوات کے ساتھ ذکر فرمایا تاکہ واضح ہو جائے کہ سورج خود ہی شب ربانی کا کام نہیں کرتا بلکہ اس کے آثار بھی وہی کام کرتے ہیں۔ چنانچہ سورج کے ساتھ اس کی چمک کی بھی قسم کھاتے ہوئے مساوی انداز میں ذکر فرمایا۔ ارشاد ہوا کہ

والشمس وضحاها۔ ”قسم ہے سورج کی اور اس کی روشنی کی“۔ اسی طرح فرمایا

هو الذی جعل الشمس ضیاء۔ ”اللہ وہ ذات ہے جس نے سورج بنایا اور اس کی چمک بنائی“۔
 ظاہر ہے کہ ستاروں میں یہ ضحیٰ اور پھیلنے والی چمک نہیں ہوتی بلکہ صرف ان کے روشن
 اجسام ہی بہ قدر طاقت اجالا کرتے ہیں اور اسی لئے سورج کا لقب سراج (چراغ) رکھا گیا کہ اس
 کی ایک لوہی کام نہیں کرتی بلکہ لوہے سے پھیلنے والی روشنی اور روشنی سے نکلنے والی چمک بھی وہی کام
 کرتی ہے یعنی چراغ اپنی جگہ قائم رہتا ہے مگر اس سے پھوٹنے والی روشنی اور چمک پورے مکان پر
 قبضہ کئے رہتی ہے جس سے وہ بھی فائدہ اٹھاتے ہیں جو عین چراغ کے سامنے نہیں ہوتے۔ پس
 ستاروں کی محض ذوات ہادی ہوں۔ چاند کا نور ہادی ہوا مگر ضعف کے ساتھ اور سورج کے ساتھ
 اس کے ضحیٰ (روشنی) بھی ہادی ہوئی اور ضیاء (چمک) بھی ہادی ہوئی اور سراجیت۔۔۔ ہونے والی
 روشنی بھی ہادی ہوئی جس سے تمام ستاروں میں اس کی ممتاز شان نور بخشی کھل جاتی ہے اور واضح
 ہو جاتا ہے کہ انبیائے سابقین نجوم ہدایت تھے۔ جن کی ذوات سے دنیا روشن ہوئی تھی لیکن ذوات
 کے سامنے نہ رہنے سے روشنی ختم ہو جاتی تھی کہ ذوات کے ساتھ پھیلنے والے روشن آثار نہ تھے، جو
 ذات کے اوجھل ہو جانے پر بھی ضیا پاشی کرتے رہیں لیکن آفتاب نبوت محمدیؐ کے آثار بھی روشنی
 بخش ہیں۔ جیسے خود ذات روشنی بخش ہے اور ذات کے سامنے نہ رہنے پر بھی اس کی نورانی آثار
 ذات ہی کا سا کام کرتے ہیں چنانچہ اس کی صبح صادق کے طلوع ہوتے ہی رات غائب ہو جاتی
 ہے حالانکہ سورج سامنے نہیں آتا مگر اس کی روشنی کے کمالات جو اس سے منفصل ہو کر عالم میں
 پھیلتے ہیں۔ روشنی اور رہنمائی کا کام ذات ہی طرح کرتے ہیں۔ بخلاف ستاروں کے کہ ان کی کوئی
 صبح صادق ہوتی ہے نہ شفق ابھرتی ہے، وہ خود ہی طلوع ہو جاتے ہیں۔۔۔۔۔

☆ اور جیسے آفتاب کے لئے محض نور ہی ہونا اصل کمال نہیں بلکہ مصدر نور اور اصل انوار ہونا
 کمال ہے۔ ایسے ہی آفتاب نبوت، ذات بابرکات نبوی ﷺ کے لئے محض نبی ہونا امتیازی کمال
 نہیں کہ یہ کمال سارے انبیاء میں مشترک ہے بلکہ مصدر نبوت اور سرچشمہ نبوت ہونا کمال ہے کہ یہ
 کمال اور انبیاء میں نہیں۔ اس لئے اسکے مخصوص آثار بھی اور انبیاء میں نہیں کہ وہ خاتم بھی نہیں۔

اور ظاہر ہے کہ جب انبیاء کی نبوتیں آپ کی نبوت سے ماخوذ اور اس کی تربیت یافتہ ہیں تو ولایت و امامت بہ طریق اولیٰ ختم نبوت کا فیض ہوگی۔ اس لئے آپ نبوتوں کا سرچشمہ بھی ہیں اور ولایتوں کا بھی۔ انبیائے سابقین ہوں یا اولیائے لاحقین سب کو نور اس ایک آفتاب سے ملا ہوا ہے۔ فرق اگر ہے تو صرف یہ کہ انگوں کو آپ سے یہ نور بہ صورت نبوت پہنچا اور پچھلوں کو بہ صورت ولایت۔ پس انبیائے امم بھی آپ ہی سے مستفید ہیں اور اولیائے امت بھی آپ ہی کے در یوزہ گر ہیں۔ نور سب میں ایک اسی آفتاب نبوت کا کار فرما ہے۔ البتہ یہ تفاوت ضرور ہے کہ اگر آئینہ سورج کے سامنے رکھا جائے تو وہ چمک اٹھے گا۔ مگر اس کی یہ چمک دمک جب تک قائم رہے گی جب تک آئینہ سورج کے سامنے حاضر ہے لیکن اگر آئینہ من پھیر لے یا اس پر حجاب ڈال دیا جائے تو آئینہ کی چمک دمک اسی وقت ختم ہو جائے گی لیکن اگر آفتاب کی منور شعاعوں سے بیٹری بھری جائے جو سورج کی کرنوں کی روشنی اور گرمی دونوں جذب کر لے تو سورج اگر اوٹ میں بھی آجائے۔ تب بھی بیٹری اپنا کام کرتی رہے گی۔ خواہ اس سے روشنی کا کام لیا جائے یا حرارت ڈالنے کی پہلی مثال اولیائے امت کی ہے اور دوسری انبیاء علیہم السلام کی۔ پس انبیاء علیہم السلام کی نبوت اپنے حدوث میں تو خاتم النبیین کے تابع ہے لیکن بقا میں مستقل ہے مگر اولیائے امت کی ولایت حدوث و بقاء دونوں میں آفتاب نبوت کی محتاج اور در یوزہ گر ہے۔ اس لئے انبیائے سابقین کی نبوتیں جہاں آفتاب کا ظل محض ہیں۔ وہیں ایک گونہ استقلال بھی رکھتی ہیں لیکن ولایت اولیاء حدوث و بقاء دونوں میں تابع محض ہے اور آفتاب نبوت سے ہٹ کر کسی درجہ میں باقی نہیں رہ سکتی۔

اب خاتم النبیین کے اس جامع فرائض و رہنمائی کے حاوی نقشہ پر اس تمثیل کی روشنی میں غور کیجئے کہ اس نے عالم میں طلوع ہو کر اس دنیائے کی خدمت کیا کی اور کس طرح اس ظلماتی دنیا کو نورانی سطح کے سب سے اوپر کے حصے پر لے جا کر کھڑا کر دیا جس سے ہر قوم اس کے نور کا اقتباس کرنے پر مجبور ہے اور اس نورانیت کے تدریجی مراتب چونکہ خاتم النبیین کی ولادت باسعادت ہی سے شروع ہو جاتے ہیں۔ اس لئے سراج منیر کی اس بلوغ تشبیہ میں ولادت و بعثت اور کارہائے بعثت کا نقشہ دیکھئے۔

ربیع الاول۔۔

سرمدی بہاروں کا موسم

(مولانا کوثر نیازی)

”ربیع الاول کا مہینہ پوری تاریخ انسانی میں ایک غیر فانی اہمیت کا حامل مہینہ ہے۔ اس مہینے میں وہ ذات بابرکات پہلوئے آمنہ میں ہویدا ہوئی جس نے تاریخ انسانی کے دھارے کا رخ پلٹ دیا۔ جس نے انسانیت کو پستی سے نکال کر عظمت و رفعت کے آسمان پر پہنچایا۔ جس نے دکھی دنیا کو پیغام امن و راحت دیا۔ اسے دکھوں اور آلام کا مداوا بخشا۔ اس کی ان بیڑیوں کو کاٹا جس میں وہ صدیوں سے جکڑی چلی آرہی تھی۔ اس کی پشت پر سے وہ بوجھ اتارے جس کے نیچے وہ قرن ہاقرن سے دبی جا رہی تھی اور اسے ایک ایسا اجتماعی نظام حیات دیا جس کو اپنا کر وہ امن و سلامتی کا گہوارہ بن سکتی ہے اور جس میں رنگ و نسل، وطن، قوم اور امارت و افلاس کی بنیاد پر کوئی تفریق اور امتیاز نہیں ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ (فداہ ابی وامی) جس وقت پیدا ہوئے، ساری دنیا ضلالت و گمراہی میں سرگرداں تھی، خدائے واحد سے منہ موڑ کر انسان ہر جگہ ذلیل و خوار ہو رہا تھا۔ ہر انسانی معاشرہ مختلف طبقات میں بٹا ہوا تھا۔ اوپر کا طبقہ زبردست طبقے کا خدا بنا ہوا تھا۔ اخلاقی اور اجتماعی امراض پوری طرح گھر کر چکے تھے۔ ہر طرف جنگل کا قانون رائج تھا اور دھرتی انسان کے خون سے انسان کے ہاتھوں لالہ زار ہو رہی تھی۔ ایسے عالم میں رسول کریم ﷺ تشریف لائے۔ سید المرسلین کا عالم انسانیت پر بلاشبہ یہ احسان عظیم تھا اور یقیناً وہ دن بڑا ہی اہم تھا جب یہ محسن انسانیت ﷺ عالم آب و گل میں تشریف لائے۔

بہ نظر غائر دیکھا جائے تو عید میلاد النبی ﷺ ہی تمام عیدوں کا مبداء ہے۔ آنحضور ﷺ کا ظہور پر نور ہوا تو خلق خدا کو خدائے تبارک و تعالیٰ کی ہستی کا شعور حاصل ہوا۔

توحید کا ادراک، وحدانیت کا اقرار، احکام خداوندی کی تعلیم، عبادات کی تفہیم، سب آنحضور ﷺ کی ذات مقدس کی مرہون منت ہیں۔ رمضان شریف اور اس کی فضیلتیں آنحضور ﷺ کی وجہ سے ہم پر ظاہر ہوئیں اور انہی فضیلتوں سے متمتع ہونے کے بعد ہم عید الفطر کی مسرتوں کے مستحق ہوئے۔ اسی طرح آنحضور نے ہی ہمیں حج اور قربانی کے طریقے سکھائے جن کی بنا پر ہمیں عید الاضحیٰ کی خوشیاں نصیب ہوئیں۔ پس جو یوم مبارک عیدین سعیدین کی تقریبات کا مبداء ہے، وہ تو کہیں زیادہ مسرت و ابہتاج کا دن ہے جسے ہم سب بڑی عید کا دن کہہ سکتے ہیں۔“

یوم میلاد۔۔۔ یوم نجات

(مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی)

میلاد النبی ﷺ بلاشبہ تاریخ انسانی کا عظیم ترین دن ہے۔ اس دن وہ ذات اقدس دنیا میں تشریف لائی، جس نے نہ صرف انسانوں کو بنیادی حقوق عطا فرمائے بلکہ حیوانات، نباتات اور جمادات کے حقوق کو تحفظ دیا۔ بنیادی انسانی حقوق جن کے تحفظ کا اقوام متحدہ کے چارٹر کو ضامن ٹھرایا رہا ہے کل کی بات ہے۔ یہ چارٹر محض الفاظ کا گورکھ دھندہ ہے۔ اس نے اگر کچھ فائدہ دیا تو صرف بڑی طاقتوں کو، تحفظ دیا تو صرف ان کے مفادات کو۔ اس نے ہاتھ مضبوط کیے تو صرف استحصالی طاقتوں کے۔ عملاً یہ چارٹر مظلوم و پیکس قوموں کو ان کے بنیادی حقوق دینے سے قاصر رہا ہے۔ اس کے قوانین سب کے لئے برابر نہیں۔ یہ ادارہ کشمیر اور فلسطین کو آزادی دلانے کے لئے، اپنی ہی قراردادوں پر عمل درآمد کرنے کے لئے وہ طاقت استعمال نہیں کرتا جو کویت سے عراقی قبضہ ختم کروانے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ آخر کیوں؟

صرف اس لئے کہ کشمیر و فلسطین میں طاقت استعمال کرنے سے مسلمانوں کے حقوق بحال ہوتے ہیں جو بڑے شیطانوں کو منظور نہیں اور کویت پر عراقی قبضہ کے نتیجے میں ان بین الاقوامی چوروں کی تیل چوری میں رکاوٹ پڑتی تھی۔ کویت کا وہ تیل جو وہ کوڑیوں کے مول حاصل کرتے اور اپنی ضروریات پوری کرنے کے ساتھ ساتھ مہنگے داموں آگے بیچ کر اپنی تجوریاں بھرتے ہیں۔ اس سے محرومی کا خدشہ ہی تھا جس نے ان کو اس تاریخی جرم و ظلم پر آمادہ کیا، جس کے نتیجے میں لاکھوں بیگناہ نہتے شہری لقمہ اجل بن گئے۔ آتشیں اسلحے کے بے دریغ استعمال سے بستیاں کھنڈر اور ہرے بھرے کھیت ویرانوں میں بدل گئے۔ کشمیر فلسطین اور کویت کے متعلق یہ متضاد اقدامات، اقوام متحدہ

کے ذریعے کئے گئے۔ جس سے ثابت ہو گیا کہ عالمی امن کا دعویٰ دار یہ ادارہ کسی قانون یا انسانی قدر کا پابند نہیں بلکہ بین الاقوامی قذاقوں کے ”حقوق“ کا پاسبان ہے۔ بین الاقوامی سطح سے نیچے اتر کر دیکھیں تو حقوق انسانی کے محافظ ملکی قوانین بھی آپ کے سامنے ہیں۔ جہاں نام تو عدل و انصاف کا ہے لیکن حقیقت میں انسانی خون و آبرو کا کاروبار ہو رہا ہے۔ یہاں ملکی و ملی آزادی کے سودے ہوتے ہیں۔ عوام احتجاج کریں تو انہیں طفل تسلیاں دینے کے لئے ”تحقیقاتی“ کمیشن بٹھائے جاتے ہیں۔ انہیں غیر متعلقہ امور کی تحقیقات پر مامور کیا جاتا ہے پھر بھی ڈر محسوس ہو کہ حقیقت کسی پہلو سے عیاں ہو چاہتی ہے تو اسے سرد خانے میں پھینک دیا جاتا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ نمائشی قانون کتنے ہی خوبصورت کیوں نہ ہوں، جب تک ان پر عملدرآمد کی ضمانت ہو، ان کی حیثیت کاغذ کے پھولوں سے مختلف نہیں۔ اس کے برعکس آج سے چودہ صدیاں پہلے تاریکی کے دبیز پردوں کو چیر کر منصفہ عالم پر جلوہ فرما ہونے والے رسول اللہ ﷺ نے دنیا والوں کو جو قانون دیا، اس پر حرف بحرف عمل کر کے دکھایا۔ بقول اقبال۔

ماند شب ہادر حرا خلوت گزید

قوم و آئین و حکومت آفرید

حضور ﷺ کے کارناموں کو جس طرح قرآن نے بیان کیا، اس طرح کوئی کیا بیان کرے گا۔

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي
التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ
وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبِيثَاتِ.

”جو لوگ پیروی کریں اس رسول، امی نبی کی۔ جسے اپنے پاس تورات و انجیل میں لکھا پاتے ہیں، یہ نبی ان کو نیکی کا حکم دیتا اور برائی سے منع کرتا ہے اور ان کے لئے ستھری چیزیں حلال کرتا اور گندی چیزیں حرام کرتا ہے۔“

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ.

”اور ان سے ان کے بوجھ اتارتا ہے اور وہ پھندے جو ان پر پڑے ہیں۔“

فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ أُولَٰئِكَ

هُمُ الْمُفْلِحُونَ

”تو وہ جو اس پر ایمان لائے اور اس کی تعظیم کی اور اس کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی

جو اس کے ہمراہ اتارا گیا۔ وہی بامراد ہیں۔“ (الاعراف۔ ۷۵)

اس آیت میں حضور ﷺ کا ایک وصف یہ بیان کیا گیا ہے روایات و تفاسیر میں بیان

ہے کہ ”کپڑے پر پیشاب لگ جائے تو اسے کاٹ دو۔ مال غنیمت اپنے استعمال میں نہیں لاسکتے۔

حیض والی عورت کے ساتھ بیٹھ نہیں سکتے۔ اس کے ساتھ کھانا کھا نہیں سکتے۔ اس کے ساتھ لیٹ

اور اسے ہاتھ نہیں لگا سکتے وغیرہ وغیرہ یہ تو وہ بوجھ تھے جو سرکار نے اتارے اور پھندے مثلاً ہفتہ

کے دن مکمل چھٹی۔ کاروبار بند چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اس دن ایک شخص کو کانوں کا گٹھالانے

دیکھا تو اس کو قتل کر دی۔ یونہی قتل کے مسئلہ میں دیت کا تصور نہ تھا صرف قصاص تھا۔ توبہ کرنے

کے لئے اپنے آپ کو قتل کرنے کا حکم تھا۔

لیکن قرآن، حدیث اور بائبل کے گہرے مطالعے سے جو حقیقت سامنے آتی ہے وہ یہ

ہے کہ درج بالا احکام شرع بے شک سخت تھے جس کی وجہ وقتی تقاضے اور قوم بنی اسرائیل کی افتاد طبع

تھی۔ ان کی عمومی سرشت پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ اللہ و رسولوں کے سخت نافرمان و بے ادب

تھے۔ اپنے محسنوں سے بے وفائی کرنے والے متلون مزاج اور احسان فراموش تھے۔ ایسی قوم

کے لئے احکام شرع میں سختی ہی مناسب تھی لیکن سوال یہ ہے کہ اس صورت میں احکام خداوندی کو

طوق و زنجیر اور بوجھ طوق اتار پھینکتے ہیں۔ ایک عام ذہن میں طرح طرح کے دوسے پیدا کرتا

ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ایسی آیات پر ذرہ گہری نظر ڈالی جائے اور مفہوم میں توسیع کی

جائے۔ سو عرض ہے کہ وہ بہت سے ”طوق و بوجھ“ ہمیں قرآن کریم سے معلوم ہو جاتے ہیں۔

سنت اور بائبل سے اور تاریخ سے اس کی مزید تائید ہو جاتی ہے۔

دنیا میں ظلم کے علمبردار

دین اسلام میں سب سے اہم فرض ظلم کو مٹانا اور عدل قائم کرنا ہے شرک کفر اور دھرتیت بلاشبہ ظلم ہے کہ خالق و مالک کے مقام عظمت پر مخلوق کو برا جمان کرتا ہے لیکن ظلم کی دوسری اور بڑی صورت مخلوق کے حقوق مارنا اور ان کی آزادی سلب کرنا ہے۔ ظلم کی پہلی قسم باوجود ظلم عظیم ہونے کے، اسلامی نظام حکومت میں ایک حد تک قابل برداشت ہے نبی کریم ﷺ نے حرم و مکہ مدینہ شرفہما اللہ میں کافروں اور منافقوں کو اہل ایمان کے مساوی حقوق دیئے۔ ان کی جان و مال، عزت و آبرو کا تحفظ کیا۔ ان کے دینی شعار و تعلیم کی اجازت دی بلکہ بعض مراعات مسلمانوں سے زیادہ ان کو دیں۔ آج اور قیامت تک مسلمان حکومتیں اپنے غیر مسلم رعایا کو ان مراعات سے محروم نہیں کر سکیں اور نہ کر سکتی ہیں۔ خواہ کفار اپنے لینے والے مسلمانوں کو وہ تحفظات دیں یا نہ دیں۔

لیکن مخلوق خدا کو ان کے حقوق سے محروم رکھنا اور ان پر زیادتی کرنا۔ ایک آن کے لئے بھی اسلام میں قابل برداشت نہیں۔ دراصل مخلوق خدا کی گردنوں میں ڈالے گئے طوق اور ان کی کمر توڑنے والے بوجھ ظلم کا یہی نظام ہے، جس نے دنیا کو پہلے کی طرح آج بھی جہنم زار بنا رکھا ہے۔ اس ظلم کے تین بنیادی ستون ہیں۔ ۱۔ ظالم حکمران، ۲۔ جاگیردار اور سرمایہ دار طبقہ، ۳۔ اور وہ علماء و مشائخ جو مذہب کی من مانی تفسیر کر کے ان ظالموں کے وجود و دوام کا بڑا سبب ہیں۔ ظالم حکمران، جاگیرداروں، سرمایہ داروں سے الگ نہیں، ان کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یہی بڑے مختلف شکلوں میں دنیا میں ہر جگہ ظلم کی آگ بھڑکار ہے ہیں۔ یہی امن و امان کو غارت کرنے والے، فتنہ و فساد برپا کرنے والے، وسائل رزق پر قبضہ جمانے والے اللہ کی نعمتوں کو صرف اپنے نام الاٹ کروانے اور عوام کو بدامنی، مہنگائی اور غربت و محرومی کا ماحول دینے والے ہیں۔ ایسے میں قراردادوں اور قوانین سے امن قائم ہونا محال ہے۔ ناممکن ہے، سراب ہے اور بقول علامہ اقبال

تذیر کی فسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا

جہاں میں جس تمدن کی بناء سرمایہ ذاری ہے

علماء، وارثان انبیاء ہیں۔ اگر اس ظلم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں تو ان پر خدا کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں، قیام عدل کے لئے ان کو رب کی طرف سے خلافت ارضی عنایت ہوتی ہے بشرطیکہ یہ مانگنے والے نہ ہوں دینے والے ہوں یہ قرآن میں اللہ کا اپنے نیک بندوں سے وعدہ ہے۔ لیکن ان اللہ کے بندوں نے خدا سے ڈرنے اور اس سے مدد مانگنے کی بجائے انہی ظالموں کو اپنا داتا بنا رکھا ہے۔ یہ اسلامی نظام کے قیام سے متعلق ان کے جھوٹے اعلانات پر ان کی خوشامدانہ تعریف و توصیف کرتے ہیں مگر ان کے حقیقی عملی انکار پر صدائے احتجاج بلند نہیں کرتے۔ ان حضرات نے محدود مفادات کے بدلے اس کافرانہ نظام سے صلح کر لی ہے اور یہی صلح دراصل ظالموں سے عملی تعاون اور ان کے ساتھ انہیں برابر کا شریک ٹھہراتی ہے۔ تاہم سب برابر نہیں۔ ایسے حق کے علمبردار اور رعیت مند بھی ہیں جو اس ظالمانہ نظام کے خلاف برسر پیکار رہے اور ہیں اور بڑی بڑی قربانیاں دے رہے ہیں مگر اکثریت (مشائخ ہوں یا علماء) ان ”بڑوں“ کی حامی رہی ہے اور ہے۔

بہر حال ظالم حکمران، جاگیردار اور سرمایہ داروں سے سرمایہ بٹورنے والے علماء مشائخ جو ظلم کے دوام کا باعث، ان کے مدد و معاون بلکہ دعا گو ہیں۔ انہی تین طبقات پر موجودہ بد امنی، خلفشار، عوام کی پریشانی و بد حالی غربت جہالت اور بیروزگاری اور بے راہ روی کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ لہذا عوام کی اکثریت کا صدیوں سے محروم و محکوم و مجبور ہونا، دراصل وہ طوق بیڑیاں اور بوجھ ہیں، جن کو رحمۃ اللعالمین ﷺ اتار پھینکنے دنیا کو ان استحصالی قوتوں سے نجات دلانے اور اللہ کی بے پایاں نعمتوں کے وہ دروازے جو صدیوں سے عوام پر بند تھے، ان کو ہراپنے بیگانے پر کھولنے کے لئے رونق بزم کائنات ہوئے۔ بقول علامہ مرحوم

کس نہ باشد در جہان محتاج کس
خلق و تدبیر و ہدایت ابد است
نکتہ شرع میں ایں است و بس
رحمۃ للعالمین انتہا ست

پس طوق و زنجیر سودی نظام ہے۔ سرمایہ داری و جاگیرداری اور بادشاہی کا وہ ملعون سٹم ہے، جس نے نوے فیصد عوام کو محروم اور دس فیصد بڑوں کو وسائل رزق کا مالک بنا رکھا ہے۔ ان دس فیصد میں بہ مشکل دو فیصد فطری ایماندار ہی سے عوام کی بھلائی کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں، جس سے رفاہی ادارے قائم ہیں۔ باقی ۹۸ فیصد وہ ہیں جو قتل، فساد، چوری، ڈاکے، اغواء، بدکاری، ظلم، سود، جوا، بے حیائی اور دوسرے جرائم کا سبب ہیں۔ سارا قانون اور حکومت کی ساری مشینری اور تمام قومی خزانہ، ان کے قیام و طعام، دوام اور تحفظ کے لئے وقف ہیں۔ یہ وہ طوق اور بوجھ جو صدیوں سے انسانی کمر کو دبائے اور توڑے جا رہے ہیں اور مصطفوی انقلاب کی صدا انہی کے خلاف ہے۔

قرآن کا انقلابی اعلان

نبی کریم ﷺ اور قرآن نے ان مظلوموں اور مقہوروں کی دستگیری فرمائی۔ ارشاد باری تعالیٰ۔

إِنَّ الْمَلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً
وَكَذَلِكَ يَفْعَلُونَ.

”بے شک ملوکیت کے نمائندے جب کسی بستی (یا ملک) میں داخل ہوں اسے ویران کر دیتے ہیں اور اس کے عزت والے باشندوں کو ذلیل کرتے ہیں اور یہ (ظالم) یہی کچھ کرتے ہیں۔“ (النمل ۳۴)

آبتاؤں تجھ کو رمز آئیے ان الملوک
سلطنت اقوام عالم کی ہے اک جادوگری
نیند سے بیدار ہوتا ہے کہیں محکوم اگر
پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری

چونکہ مفاد پرست علماء و مشائخ کی ایک بڑی تعداد ہر دور میں ان ”بڑوں“ کی پشت پناہ رہی ہے، آج بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گی لہذا قرآن نے دوسرا بڑا اعلان کیا: ”اے ایمان والو، یقین جانو کہ بہت سے علماء اور مشائخ لوگوں کا مال باطل طریقوں سے کھاتے اور اللہ کی راہ

سے روکتے ہیں اور جو لوگ سونا چاندی سمیٹتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں ”غریبوں، ضرورت مندوں پر) خرچ نہیں کرتے تو ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو۔ جس دن اسے جہنم کی آگ پر تپایا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیوں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا اور کہا جائے گا، یہ ہے (وہ مال) جسے تم نے اپنے لئے سمیٹا تھا۔ آپ چکھو اپنے سمیٹے ہوئے کا مزہ“۔ (التوبہ ۳۵) علامہ مرحوم نے اسی لئے تو کہا تھا

چیت قرآن خواجہ را پیغام مرگ
دنگیر بندہ بے بال و برگ

یعنی یہ قرآن تو سراسر ”بڑوں“ اور وڈیروں کے لئے پیغام موت ہے جو بے بس مجبور مخلوق پر مسلط ہیں یہی وجہ ہے کہ استحصالی گروہوں کا ہر فرد سر پر ہاتھ رکھ کر نالہ کناں ہے۔

الحذر آئین پیغمبر سے سو بار الحذر

حافظ ناموس زن مرد آشنا مرد آفریں

چونکہ علماء سے شیطان کو ڈرتھا کہ قرآنی تعلیم عام نہ کریں، مبادا کہ انسانیت بیدار ہو جائے اس لئے ان استحصالی طاقتوں کے نمائندہ ایجنٹوں نے انہیں ایسے اختلافی مسائل میں الجھا دیا جن سے فی الحال چھکارا ناممکن نظر آتا ہے۔ ان کی توجہ غیر متعلقہ مباحث کی طرف پھیر دی ہے۔

ہے یہی بہتر الہیات میں الجھا رہے

یہ کتاب اللہ کی تاویلات میں الجھا رہے

عید میلاد ستائے ہوئے انسانوں کی ضرورت

اے ظالموں کے ہاتھوں میں محکوم لوگو، قرآن کا ترجمہ پڑھو نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ کا مطالعہ کرو، تمہیں پتہ چلے گا کہ اسلام کیا ہے اور اس کو کیوں چھپایا جا رہا ہے۔ اتنا انقلاب آفریں نظام کہ جس کے بھیجنے والے رب نے سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کو تمام فساد کا سبب بتایا جو علماء و مشائخ ان کی اندھی تائید کریں ان کی مذمت کی۔ جس کے بانی رسول ﷺ نے کبھی دنیا

میں کوئی دولت جمع نہ کی۔ دنیا و آخرت کا بادشاہ ہوتے ہوئے کوئی محل نہ بنایا۔ شان و شوکت یا ٹھاٹھ کی زندگی بسر نہ کی۔ فقیرانہ زندگی بسر کی۔ ہر کام اپنے ہاتھ سے کیا۔ جائز محنت کو کبھی باعث عار نہ سمجھا۔ ہمیشہ غریبوں میں رہے کبھی ان سے جدا نہ ہوئے جو سرمایہ دار مسلمان ہوئے ان کو بھی اپنے رنگ میں رنگ دیا۔ تمام مال و دولت غریبوں پر صرف کر کے وہ بھی فاقہ مست فقیر بن گئے۔ بیوہ یتیم مسکین اور دھتکارے ہوئے انسان کیا، دکھیا رے حیوان درد لے کر آئے، درماں پا کر لوٹے۔

ضرورت ہے کہ عوام کتاب و سنت کی تعلیم حاصل کریں۔ عربی نہیں آتی تو اردو، انگلش تراجم سے مدد لیں۔ خود دیکھیں کہ اسلام میں اختلافی فروعی مسائل کی بھرمار ہے، یا مظلوم انسانوں کے لئے پیغام امن و سکون۔ لاکھوں سلام ہوں اس آقا پر جس نے ٹوٹا بوری یا اپنا بستر بنا کر خاکساروں اور خاک نشینوں کو عزت بخشی۔ کروڑوں درود ہوں اس آقا پر، جس نے آقاؤں کو حکم دیا کہ غلاموں کو، اپنا بھائی سمجھو غلام نہیں۔ ان کو وہی کھانا کھلاؤ جو خود کھاتے ہو۔ وہی لباس پہناؤ جو خود پہنتے ہو۔ (بخاری و مسلم)

بات سرسری سن کر گزر جانے کی نہیں۔ ٹھہریں غور کر لیں دیندار لوگ انقلابی ذہن بنائیں انقلابی کہلانے والے، انقلاب کا مفہوم سمجھیں اور توفیق ہو تو اس پر عمل کریں، آقائے کائنات فرماتے ہیں غلاموں کو زندگی کی وہی سہولتیں دو جو تمہیں حاصل ہیں۔ ان کے کھانے پینے رہنے سہنے تعلیم علاج اور دیگر ضروریات زندگی اسی طرح پوری کرو جیسے اپنی پوری کرتے ہو۔ مزدوروں اور پریشان کسانوں کے مسائل اسی طرح حل کرو جیسے اپنے۔ چھوتوں کو غربت کی وجہ سے چھوٹا اور بڑوں کو حرام دولت کی وجہ سے بڑا نہ سمجھو۔ جو اچھا ہے بڑا ہے جو برا ہے چھوٹا ہے ذلیل ہے، حقیر ہے، خواہ کتنا ہی دولت مند فرعون کیوں نہ ہو۔

اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و نظر کا انقلاب

بادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمین

سلام ہوں اس آقا پر جس نے کافر سرداروں کی یہ فرمائش کبھی پوری نہ کی کہ اپنی محفل

سے غریبوں کو زکا لوتو ہم آئیں۔ غرور کے ان پتلوں نے نہ آنا تھا نہ آئے لیکن جو غریب اس چوکھٹ
پر بیٹھ گئے جنت کے مالک بن گئے۔ پھر دنیا کی کوئی طاقت ان کو آقا کے قدموں سے اٹھانہ سکی۔

اک دن وہ مل گئے تھے سر رہگذر کہیں

پھر دل نے بیٹھنے نہ دیا عمر بھر کہیں

غریب پروری کا یہی پیغام تھا جسے سرکار کے فقیروں نے دنیا کے کونے کونے

میں پہنچایا۔ سلام ہوں غریب پرور آقا ﷺ پر، سلام ہوں آپ کے خدام رضوان اللہ علیہ اجمعین

پر اور سلام ہو یقین کرنے والے خواص و عوام پر۔

اک نئے دور کا آغاز تھا آنا ان کا

(ریاض حسین چودھری)

حضور ﷺ کی ولادت باسعادت تاریخ انسانی کا سب سے بڑا واقعہ ہے اس لئے کہ یہ ایک منفرد نورانی ولادت تھی جس میں بے شمار معجزات رونما ہوئے، بشارتوں کا تانتا بندھ گیا اور قدم قدم پر انوار و تجلیات کا ظہور ہوا کہ آنے والے رسول محتشم ﷺ نے کائنات کے ہر گوشے کو منور و تاباں کرنا ہے۔ ایک طرف حضرت آمنہؓ کی دلجوئی اور جمع خاطر کے لئے جنتی خواتین ”حورالعین“ اور حضرت سیدہ آسیہؓ اور حضرت مریمؓ کو بھیجا گیا کہ وہ بھی حضور ختمی مرتبت ﷺ کے جشن ولادت میں شرکت کا اعزاز حاصل کریں، حضرت آمنہؓ کے لئے تسلی و تشفی کا باعث بنیں۔ نہیں دلا سہ اور حوصلہ دیں اور انہیں باور کرائیں کہ آمنہؓ تیرے قدموں پر کونین کی دولت نثار کہ تو تاجدار کائنات ﷺ کی ماں بننے کی سعادت حاصل کرنے والی ہے۔۔۔ دوسری طرف حضرت آمنہؓ سے ایسے نور کی ضوء فشرانی ہوئی جس سے شرق و غرب تک اجالا پھیل گیا۔ مخدومہ کائنات نے اس روشنی میں شام کے محلات دیکھے حتی کہ بصرہ میں چلتے پھرتے اونٹوں کی گردنیں بھی اس سردی روشنی میں صاف دکھائی دیں۔

قرن باقرن سے ہوانے وقت کے چہرے پر ان گنت خراشیں کھینچ دی تھیں۔ قدم قدم پر کفر و شرک کی ظلمتوں نے خیمے گاڑ رکھے تھے۔ شرف انسانی کی بحالی کا ہر تصور ننگی خواہشات کی گرد میں گم ہو چکا تھا۔ کرہ ارضی قریہ جبر میں تبدیل ہو چکا تھا۔ ہر طرف بربریت، درنگی اور وحشت کا راج تھا۔ انسان انسان پر خدائی کا خواب دیکھ رہا تھا۔ ذہنوں میں خدا بننے کا فتور سما یا ہوا تھا اور حیوانی معاشرے کی ساری تاریکیاں، جنگل کی ساری ظلمتیں انسانی معاشروں میں در آئی تھیں۔

اخلاق نام کی کوئی چیز ڈھونڈے سے نہیں ملتی تھی۔ آئینہ خانے میں ہر عکس اپنی پہچان سے محروم ہو چکا تھا۔ فاران کی چوٹیوں پر آفتاب رسالت کے ظہور سے ظلمت شب کو رخت سفر باندھ کر رخصت ہونا پڑا۔ ہر طرف روشنی ہو گئی۔ ہوائے تازہ نے صدیوں سے مقفل دروازوں پر دستک دی اور حیات انسانی بہار جاوداں کی لذتوں سے ہمکنار ہوئی۔ دختر حوا کے پاؤں کی زنجیریں کٹیں اور ایک نئے دور کا آغاز ہوا، جو خیر اور روشنی کا دور تھا۔ اس نور اول الخلاق کی کیا شان نورانی ہوگی کہ شام اور مصر کے محلات اور بازار ہی نہیں کائنات رنگ و بو کے ہر گوشے اور ہر قریے میں روشنی نے ہر چیز کو رخشندگی اور تابندگی بخش دی تھی۔ وہ رسول اعظم ﷺ دنیا میں تشریف لائے جو اپنی شان اعجازی میں نیکی، طہارت، پاکیزگی اور بندگی کا حرف آخر ہیں۔

ظہور قدسی کے وقت افق کائنات پر تاجدار کائنات ﷺ کی حکمرانی کی بشارتیں طلوع ہوئیں۔ مشرق و مغرب میں حضور ﷺ کے ظہور پر نور کا مژدہ سنایا گیا۔ اے اولاد آدم! مبارک ہو کہ تیرا نجات دہندہ آ گیا ہے۔ اب جھوٹے خداؤں کے بیچے استبداد سے تیری رہائی کا پروانہ جاری ہوگا۔ اب ہاتھ سے تراشے ہوئے بتوں کے سامنے انسان سر بسجود نہیں ہوگا۔ اب اس کے دامن صد چاک میں ایمان کا نور بھردیا جائے گا۔ اب اسے خوف خدا کے سوا ہر خوف سے آزاد کر دیا جائے گا۔ سیدہ آمنہ گو تین پرچم دکھائے گئے۔ ایک شرق عالم کے بعد میں، دوسرا غرب عالم کی وسعتوں میں اور تیسرا پرچم خانہ کعبہ کی چھت پر نصب تھا۔

تاجدار کائنات ﷺ کی ولادت باسعادت پر کائنات کا ذرہ ذرہ خوشی سے جھوم اٹھا۔ عرش سے فرش تک نور کی ایک چادر سی تان دی گئی۔ اخوت اور محبت کی خنک چاندنی چاروں طرف بکھر گئی۔ خوشبوئے اسم محمد ﷺ سے فضا میں معمور ہو گئیں۔ ساعتیں درود پڑھنے لگیں، مرحبا سیدی یا رسول اللہ ﷺ! آپ آئے تو برہنہ شاخوں پر پھول کھل اٹھے۔ آپ آئے تو کہکشاں نے جھک کر زمین کو سلامی دی، کشت دیدہ و دل میں ابر کرم ٹوٹ کر برسسا، نہاں خانہ دل میں ہی نہیں بجز زمینوں کو بھی روئیدگی کی چادر عطا ہوئی، صحرا کے تشنہ ہونٹوں سے آب خنک کے چشمے پھوٹ

پڑے، فصیل گلستاں پر چراغ جلنے لگے، شبنم کے موتی چاروں طرف بکھر گئے، دھنک کے رنگ آسمانوں سے اتر کر زمین پر جلوہ گر ہوئے، معبدوں میں بت اوندھے منہ گر پڑے، اندھیروں نے غاروں میں منہ چھپالیا اور ہوا کا دامن روشنی سے اور خوشبو کا آنچل چاندنی سے بھر گیا، کائنات عروج آدم خاکی پر جھوم اٹھی اور آسمانوں نے بڑھ کر زمین کے قدم چھولنے، اس لئے کہ آقا حضور ﷺ اس زمین کو آپ کی قدم بوسی کا اعزاز حاصل ہو رہا ہے۔ یا رسول اللہ ﷺ! مکے کی یہ زمین جو آپ کے قدموں کو بوسہ دے رہی ہے اس پر کونین کی دولت نثار۔

کائنات انقلاب آفریں تبدیلیوں سے آشنا ہو رہی تھی۔ پیغمبر انقلاب دنیائے رنگ و بو میں تشریف لانے والے تھے۔ فضا میں پیغام تہنیت سے گونج رہی تھیں۔ شاخ تمنا شمر بار ہوئی اور بارگاہ خداوندی میں جھک کر سجدہ شکر بجالائی کہ اے مالک ارض و سما! تو نے میری فریاد سن لی، تو نے میری دعاؤں کو قبولیت کی خلعت فاخرہ عطا کی، تو نے اپنا محبوب بھیج کر ہم پر احسان عظیم کیا۔ اے رب العالمین اس احسان پر ہم مسرت کا اظہار کرتے ہیں اور تیری بارگاہ میں سر بسجود ہیں کہ تو اپنی مخلوقات کی دعاؤں کو قبولیت کا شرف عطا کرتا ہے، تو ان کی دستگیری کرتا ہے اور ان کی مشکل کشائی کرتا ہے تو ان کا روزی رساں ہے اور لمحات غم میں تو ہی ٹوٹے دلوں کا سہارا بنتا ہے۔ اے مالک ارض و سما! تو نے سسکتی اور بلکتی ہوئی انسانیت کے زخموں پر مرہم رکھنے کے لئے محسن انسانیت ﷺ کے وجود مسعود کو دنیا میں بھیج کر اپنے بندوں پر احسان عظیم کیا ہے کہ بنجر زمینوں پر سبزے کی چادر بچھ گئی ہے اور سینہ سنگ کو چیر کر آب شیریں کے چشمے رواں دواں ہو کر تشنه زمینوں کی پیاس بجھا رہے ہیں۔ تیرے رسول آخر ﷺ کی پذیرائی کے لئے کون و مکاں کا ذرہ ذرہ اپنی آنکھوں میں سمٹ آیا ہے۔

شب ولادت کائنات ارض و سماوات کی ایک منفرد اور عظیم رات تھی۔ اس رات کے جلو میں آفتاب رسالت طلوع ہو رہا تھا۔ مقصود کائنات، فخر موجودات حضرت محمد ﷺ اس عالم رنگ و بو میں تشریف لائے تھے۔ اس رات کے انتظار میں تمام مخلوقات خداوندی قرن ہا قرن سے چشم

براہ تھیں۔ اس لمحہ مسرت کی پذیرائی کے لئے عرش سے فرش تک جشن میلاد پاپا تھا۔ آسمان سے زمین تک پیغامات تہنیت کا تانتا بندھ گیا۔ پوری کائنات جھوم اٹھی۔ اجرام فلکی وجد میں آگئے۔ فضا میں صل علی کے نغموں سے معمور ہو گئیں۔ زمین اپنے بخت رسا پر پھولے نہیں سماتی تھی۔ آج اسے اس شاہکار خداوندی کی قدم بوسی کی سعادت حاصل ہو رہی تھی جس کے تصدق میں اس کائنات رنگ و بو کو تخلیق کیا گیا تھا۔

سب کچھ تمہارے واسطے پیدا کیا گیا

سب غایتوں کی غایت اولیٰ تمہی تو ہو

جنتوں اور آسمانوں کے دروازے کھول دیئے گئے کہ فرشتو اور حورو! جشن میلاد مناؤ کہ آج کی صبح صاحب معراج کے دنیا میں تشریف لانے کی صبح ہے۔ آج کے سورج کی پہلی کرن مکے کی زمین کو بوسے دے گی کہ مبارک ہو در یتیم آمنہ جو تمام انبیاء کا سردار ہے، جس کے سرا قدس پر ہم نے ختم نبوت کا تاج سجایا ہے اور جس کے ہاتھ میں شفاعت کا پرچم دیا ہے ہمارا وہ محبوب رسول مکے کی زمین کو اپنی قدم بوسی کا اعزاز بخشے گا۔ بہارو! وجد میں آ جاؤ، ستارو! جھوم جاؤ، خوشبوؤ! بڑھ کر میرے محبوب کے قدموں سے لپٹ جاؤ، یہی تاجدار کائنات ہے، یہی پیغمبر ازل ہے، یہی رسول اول و آخر ہے۔ قسم ہے مجھے اپنی عزت کی اگر محمد ﷺ کو پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو یہ زمین ہوتی اور نہ یہ آسمان، نہ چاند، نہ ستارے، کائنات میں جو کچھ بھی ہے وہ میرے محمد ﷺ کے قدموں کی خیرات ہے۔

ایمان والو! اس خیرات سے جھولیاں بھرو، در مصطفیٰ ﷺ پر لوٹ آؤ کہ یہیں سے تمہیں مجھ تک رسائی کا راستہ ملے گا۔ دین و دنیا میں فلاح پانا چاہتے ہو اور دنیا کی امامت کے آرزو مند ہو تو آؤ میرے اس رسول کی چوکھٹ پر آ جاؤ، دین و دنیا کے تمام اعزازات تمہاری جھولی میں ڈال دیئے جائیں گے، اسی رسول ﷺ کا راستہ سیدھا راستہ ہے۔ اب حشر تک کوئی نبی نہیں آئے گا۔ تمام انبیاء کی شریعتیں آج سے منسوخ تصور ہوں گی۔ صرف شریعت محمدی ﷺ جاری

ہوگی۔ ہم اس رسول ﷺ کو اپنی آخری کتاب دیں گے۔ یہ آسمانی ہدایت کی آخری دستاویز ہے۔ اس کتاب کا ایک ایک حرف دائمی معجزہ بن کر قیامت تک محفوظ و مامون رہے گا۔

شب میلاد وہ سہانی اور نورانی رات تھی جب کائنات میں معنوی انقلاب کا آغاز ہوا۔ ظلمت شب کا فور ہوئی اور ہر چیز انوار و تجلیات الہیہ میں نہا گئی۔ نور مجسم اس عالم رنگ و بو میں تشریف لائے تو نور کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر پوری کائنات میں موجزن ہو گیا۔ نوری اجرام جھک جھک کر اس نوری تموج میں اضافہ کر رہے تھے۔ فرشتے جھانک جھانک کر اپنے اشتیاق دید اور شوق فراواں کا مظاہرہ کر رہے تھے کہ کب وہ نور کا پیکر جلوہ بار ہو اور فرشتوں کے امیر اسے لے کر دیدار عام کرائیں اور کائنات کو زیارت کا شرف بخشیں کہ اب حشر تک اس رسول محتشم کی حکمرانی ہوگی اور اس کی اتباع و اطاعت ہی دنیا میں فلاح اور آخرت میں نجات کی ضامن ہوگی۔

شب میلاد، ستاروں کا جھلنا، انوار کا چمکنا، عناصر فطرت کا اشتیاق، حور و غلمان کا استقبال، محلات شام و بصری کا نظر آنا، حضرت آسیہ اور حضرت مریم کی تشریف آوری، جنتوں اور آسمانوں کے دروازوں کا کھلنا، مخدومہ کائنات حضرت آمنہ کو دودھ کی طرح سفید مشروب کا پیش کیا جانا، مشرق و مغرب کے ساتھ خانہ کعبہ کی چھت پر پرچم کا لہرانا، آپ کی پشت مبارک پر مہر نبوت کا ثبت ہونا، سراپا معجزات کا ایک سلسلہ ہے کوئی استعارہ یا علت نہیں اور نہ یہ ولادت باسعادت کی تخیلاتی تصویر کشی ہے۔ ایسا سوچنا مقام ختمی مرتبت اور شان خداوندی کو نہ سمجھنے کے مترادف ہے۔ یہ سب کچھ اللہ رب العزت کی قدرت مطلقہ کے مظاہر ہیں۔ ان کا انکار رب کائنات کی قدرت کاملہ کا انکار ہے اور یہ انکار کفر کی دلدل میں لے جاتا ہے۔ رب کائنات ہر چیز پر قادر ہے۔ ولادت پاک کے حوالے سے معجزات کا ظہور بھی اسی ذات اول و آخر کی رضا و منشا کا مظہر ہے۔ یہ جو کچھ ہوا ایسا ہونا بھی چاہئے تھا۔ اس شان و شوکت کے حامل افراد کی آمد پر ماحول میں تغیر آ جانا ایک فطری سی بات تھی اور پھر یہ تو شب ولادت تھی اس رسول معظم ﷺ کی جس کی خاطر تمام جہانوں اور تمام مخلوقات کو پیدا کیا گیا تھا۔ اس شب عرشیوں اور فرشیوں میں اشتیاق دید

کا پیدا ہونا ایک فطری امر تھا اور ایسا واقعہ تھا ہوا بھی۔ ایسے عظیم انسانوں کی آمد پر منجند زندگی متحرک ہو جاتی ہے، جمود مسلسل کا دامن تار تار ہو جاتا ہے اور موجوں میں تموج کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں، فتنہ و شر کے مراکز پر دھول اڑنے لگتی ہے اور کائنات کی ہر شے جھوم اٹھتی ہے۔ عرش سے فرش تک مسرت کے شادیاں بجاے جاتے ہیں۔ تاریک ویرانے منور اور سنسان مقامات آباد ہو جاتے ہیں۔ تاریک ویرانے منور اور سنسان مقامات آباد ہو جاتے ہیں۔ یہ دستور دنیا اور آئین تہذیب ہے اور ایسے پر مسرت مواقع پر یہ زیب بھی دیتا ہے۔ وہ تو کائنات کے بادشاہ، انسانیت کے محسن، تاجدار ارض و سما، محبوب رب العالمین اور نبی آخر الزماں ﷺ تھے اور ہیں۔

اگر ان کی تشریف آوری پر غیر مرئی جہاں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور ہر طرف نور کی بارش ہونے لگی اور نور کی ان لہروں میں غیر معمولی تموج پیدا ہونے لگا اور اہل نظر نے حضور ﷺ ہی کے رب کی برکت سے ان بے پایاں معجزات کو دیکھ لیا یا قدرت خداوندی نے انہیں گواہی کے لئے دکھا دیا تو اس میں تعجب کی کوئی بات ہے! یہ سب معجزات حضور ﷺ ہی تو ہیں۔ معجزات کہتے ہیں خرق عادت و واقعات کو ہیں اور یہ معجزات اللہ کی جلالت اور اس کی حاکمیت کے مظہر ہوتے ہیں۔ ان معجزات، عجائبات اور واقعات کو حقیقی واقعہ کے طور پر تسلیم کر لینے میں کیا امر مانع ہے! ان واقعات کو حقیقت پر محمول کرنا ہی قرین انصاف اور قرین قیاس ہے۔ ایمان و دیانت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ان واقعات کو حقیقت تسلیم کیا جائے۔ تاویلات، استعارات اور تمثیلات و تشبیہات کا سہارا وہاں لیا جاتا ہے جہاں حقیقت متعذر اور ناممکن ہو، یہاں تو حقائق اور سیاق و سباق خود بدل رہے ہیں کہ یہاں کسی مجاز کی ضرورت ہی نہیں۔ مقام نبوت کی رفعت اور شان محبوبیت کی انفرادیت متقاضی ہے کہ ان روایات کو توڑنے مروڑنے کی بجائے انہیں من و عن تسلیم کر لیا جائے کہ اتباع رسول اور اطاعت و اتباع رسول کا بھی یہی تقاضا ہے کہ اپنے نبی ﷺ کے ہر معاملے میں صدیق با وفا کی پیروی کی جائے، معجزہ معراج کی تصدیق کی طرح ہر اس امر کو تسلیم کیا جائے جو حضور ﷺ کی عظمت و رفعت کو آشکار کرتا ہو۔

حضور ختمی مرتبت ﷺ کی ولادت باسعادت کے پر مسرت موقعہ پر ان حیرت انگیز، حیر العقول اور معجز نما واقعات کے علاوہ ولادت باسعادت کی پورے جزیرہ نمائے عرب میں فوری دھوم اور شہرت کی ایک ظاہری وجہ یہ بھی تھی کہ اس سال اہل عرب اور قریش تاریخ کے سخت ترین قحط اور افلاس میں مبتلا تھے۔ حضور پر نور ﷺ کی ولادت باسعادت کے ساتھ ہی پورے عرب کی تقدیر بدل گئی۔ روش روش پر بہاروں نے ڈیرے ڈال دیئے، خنک موسموں نے ریگ عرب کو اپنے ماتھے کا جھومر بنا لیا۔ عرب کا چاند نکلا تو عرب نہیں عجم کا ستارہ بھی اوج ثریا پر چمکنے لگا، عام سختیاں دور ہو گئیں، تمام الجھنیں سلجھ گئیں، تمام گلقتیں ختم ہو گئیں، خزن ویاس کی جگہ امیدوار روشنی نے لے لی۔ پڑمردگی صحن گلشن سے رخصت ہوئی اور ریگزار عرب قدم قدم نخلستانوں کے خنک موسموں کے لمس سے ہمکنار ہوئی۔ زمین پر سبزے کی چادر بچھ گئی اور کھلیان اناج سے بھر گئے۔ تشنہ زمینوں کی پیاس بجھی اور قحط کے کرب سے خلق خدا کو نجات ملی۔ چنانچہ اس سال کا نام ہی ”عام مسرت“ رکھ دیا گیا۔

سمٹ رہے ہیں ستارے فلک کی بانہوں میں
غبار نور ہے پھیلا ہوا نگاہوں میں
یہ کس رسول کی آمد ہے بزم ہستی میں
سحر ازل سے مودب کھڑی ہے راہوں میں

عید میلاد النبی ﷺ

یوم تجدید نعمت۔۔۔ یوم تجدید عہد

(علی اکبر قادری الازہری)

ربیع الاول۔۔۔ رسول رحمت ﷺ کی پیدائش کا مبارک مہینہ، سرور کائنات ﷺ کے ظہور و وجود اور رحمۃ للعالمین ﷺ کے نزول کا موسم دلربا ہے۔ ربیع الاول اہل بصیرت و معرفت کے ہاں ربیع النور بھی کہلاتا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ”ربیع“ یعنی بہار تو ایسے مختصر موسمی وقت کا استعارہ ہے جو کئی اعتبار سے ناقص ہے، بہار آتی ہے اور چلی جاتی ہے موسم بہار میں اگر ہریالی آتی ہے تو صرف خزاں رسیدہ درختوں اور پودوں پر اور خشکی کا اثر بھی آب و ہوا تک محدود رہتا ہے۔۔۔ لیکن حضور نبی اکرم ﷺ کا ظہور تو۔۔۔ نوروں کی بہار تھی۔ ابدی اور دائمی فیوضات کا سردی موسم شروع ہوا تھا۔ نبض ہستی کی حرکت و حرارت کا باعث ولادت نبوی ﷺ صرف بہاروں کا پیغام نہیں، دائمی انوار و فیوضات کا سرچشمہ ہے جس نے قیامت تک بلکہ اس کے بعد بھی موجزن رہنا ہے۔ پھر یہ انوار و فیوضات کسی ایک عالم کے لئے نہیں بلکہ عالم جن و انس کے لئے بھی ہیں، عالم نباتات و جمادات کے لئے بھی عالم چرند و پرند کے لئے بھی حتیٰ کہ عالم لاہوت و ملکوت کے لئے بھی۔

عالم آب و خاک میں ترے ظہور سے فروغ

زرہ ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب کو

قرآن حکیم نے اسی لئے آپ کی بعثت و ولادت کو اہل ایمان پر اللہ تعالیٰ کا احسان

عظیم قرار دیا، صاف ظاہر ہے اللہ پاک کی ہر نعمت انسانوں پر اس کا احسان ہے لیکن عبادت و شان

ربوبیت کے برعکس اس نے اس نعمت کبریٰ کا احسان جتلانا شاید اس لئے مناسب سمجھا کہ انسان کی

طبعی احسان فراموشی رسول اعظم و آخر کو عام نعمت سمجھتے ہوئے ناقدری کی مرتکب نہ ہو جائے۔ چنانچہ اہل ایمان کا غنچہ دل اس ماہ مبارک کی آمد کے ساتھ ہی کھل اٹھتا ہے وہ اللہ رب العزت کے حضور و فور سپاس سے سر بسجود ہو جاتے ہیں کہ اس ذات نے انہیں رسول مکرم ﷺ کے طفیل ایمان کی دولت بے بدل سے نوازا۔ یہی و فور شوق محافل و مجالس میلاد کا سبب ہے اور اسی باطنی ایمانی جذبے کے تحت اہل اسلام آقا ﷺ کی آمد پر اس دن کو جشن اور عید کے طور پر مناتے چلے آئے ہیں۔ اس لئے بعض نادان دوستوں کی ”مخصوص تعبیر دین“ کے برعکس ہر آنے والے سال میں گذشتہ سال کی نسبت میلاد کی دھوم زیادہ ہوتی ہے کیونکہ رفعت ذکر رسول ﷺ کا یہ معجزاتی پہلو قرآن حکیم کے اعلان ”وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ (محبوب آپ کے لئے ہر آنے والی گھڑی پہلی گھڑی سے بہتر ہوگی) کے مطابق عین منشاء الہی ہے۔

یوم میلاد۔۔۔۔۔ یوم تحدیث نعمت بھی ہے اور یوم تجدید عہد بھی۔ تحدیث نعمت کا تقاضا فرحت، جشن، عید، محفل اور ہر جائز طریقے سے اظہار مسرت کے ذریعے پورا ہو جاتا ہے۔ نعمت چونکہ سب کے لئے ہے اس لئے نعمت کا شکر بجالانے میں بھی خواص و عوام دونوں شامل ہو جاتے ہیں۔ تاہم۔۔۔۔۔ تجدید عہد۔۔۔۔۔ خواص کے لئے ہے اس لئے اس کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے والے بھی صاحبان علم و فکر، حاملان دعوت و اصلاح اور رہنمایان قوم و ملت ہیں۔ بالخصوص عالم اسلام کی وہ قیادتیں جن کے ہاتھ میں مسلمانان عالم کی زمام اقتدار ہے۔ اس ذمہ دار گروہ میں اسلام کی دینی و مذہبی اور روحانی قیادتیں بھی شامل ہیں۔ نیز وہ لوگ بھی جو کسی نہ کسی اعتبار سے منصب تعلیم و تدریس اور دعوت و اصلاح پر فائز ہیں۔ ان سب لوگوں پر کون سے عہد کی تجدید اور کونسے فریضے کی تکمیل لازم ہے؟ اسی فریضے کی جس کے لئے طویل سلسلہ انبیاء و رسل کے آخر میں تاجدار کائنات ﷺ کی بعثت ہوئی اور وہ ہے انسانیت تک اللہ کے پیغام کا صحیح صحیح ابلاغ، اقامت دین اور اسلام کو تمام ادیان و مذاہب کے مقابلے میں زیادہ قابل عمل بنانے کا فریضہ۔

خواتین و حضرات! آئیے ایک لمحے کے لئے اس مقام پر ذرا رک کر غور کریں، اپنے

گریبانوں میں جھانک کر دیکھیں، وہ بھی جو امت کے سیاہ و سفید کے مالک ہیں اور وہ بھی جو کسی محدود ذمہ داری پر فائز ہیں، وہ بھی جو عشق و محبت مصطفیٰ ﷺ کا دعویٰ کرتے ہیں اور وہ بھی جنہیں اطاعت و اتباع رسول ﷺ پر ناز ہے۔ کیا دین کے جن جن حصوں کو ہم اپنائے ہوئے ہیں اور وہ عبادات جن کی ادائیگی کو ہم کل دین سمجھتے ہیں، یہی کچھ مقصد بعثت محمدی ﷺ تھا یا اس کے علاوہ بھی کچھ ہے؟ غور کریں مکہ میں حضور ﷺ کے ساتھ اسلام قبول کرنے والے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کیا نماز، روزہ اور حج وغیرہ کی ادائیگی نہیں کر سکتے تھے اگر کر سکتے تھے تو انہیں گھر بار کاروبار حتیٰ کہ ماں باپ اور اولاد چھوڑ کر بے سروسامانی کے عالم میں مدینہ ہجرت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ مدینہ طیبہ میں جا کر بھی چاہتے تو آرام و سکون سے نماز روزہ کرتے لیکن ہم جانتے ہیں کہ حضور ﷺ اور آپ کی جماعت نے مسلسل جدوجہد کی، جنگیں لڑیں، معاندے کئے، مواخات قائم کی اور بالآخر ایک آزاد اسلامی ریاست قائم فرمائی۔ ایک فلاحی انسانی معاشرہ قائم کیا جو مقصود و مطلوب رسالت و نبوت تھا۔ یہی دراصل مصطفوی انقلاب تھا اسی غیر معمولی انقلاب کے حقیقی اثرات، کردار، عمل، یقین اور ایمان کی صورت میں جب پھیلے تو اسلام عالمی قوت بن کر ابھرا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے قیصر و کسریٰ کی سپر طاقتوں کو اپنے قدموں میں سرنگوں کر دیا۔

حضور ﷺ کی قائم کردہ اسی ریاست کی بنیادوں کو خلفائے راشدین نے اپنی بہترین صلاحیتوں کے ساتھ مضبوط کیا لیکن اسلامی تاریخ کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین کی شانہ روز محنت اور قربانی سے تیار کی گئی دنیا کی یہ پہلی بڑی فلاحی ریاست نصف صدی بعد ہی بادشاہت میں بدل دی گئی۔ اس سے پہلے کہ شاہان وقت اس ریاست کے ذریعے فیضان رسالت مآب ﷺ کے علمی، سیاسی اور فلاحی شعور سے اکتساب فیض کرتے یہاں بھی روایتی مطلق العنان حکمرانوں نے شب خون مار کر پیغمبرانہ مشن کو دنیا میں پھلنے سے خود ہی روک دیا۔ جمہوریت اور شورائیت اسلام کی روح رواں تھی بادشاہت کے ناپاک قدموں نے بری طرح مجروح کیا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ تین براعظموں میں پھیلی ہوئی اس فلاحی ریاست کو مزید مستحکم کیا جاتا، عدل و

مساوات، قانون کی حکمرانی، علم دوستی، تقویٰ، دیانت اور فلاح انسانیت کے فاروقی عزائم کو مضبوط اداروں کے ذریعے پوری دنیا میں متعارف کیا جاتا تا کہ صدیوں سے ظلم سہنے والی اقوام دین انسانیت کے دامن میں پناہ لیتے لیکن ایسا نہیں ہو سکا۔ اسلامی تحریک اور مصطفوی مشن اگرچہ آج بھی جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا لیکن اسلامی تاریخ کے (یزید سے لیکر آخری عثمانی بادشاہ تک الاما شاء اللہ) 97 بادشاہوں نے اس کے تار پود بکھیرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ تاہم اس پورے 14 سو سالہ تاریخی جبر اور پے درپے حملوں کے باوجود اسلام کے موجودہ ڈھانچے کی بقاء کا راز خود اسلام کی حقانیت اور قرآن و حدیث پر عمل کرنے والے بعض نفوس قدسیہ کے اخلاص میں مضمر ہے ورنہ اسلامی ممالک کے حکمران تو انہی بادشاہوں کا تسلسل ہیں اور آج بھی اسلام کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ خود ہیں۔ میلاد النبی ﷺ کے روز تجدید عہد کرنے والے ان باشعور اور باختیار لوگوں کے سامنے آج اقتصادی، سیاسی، نظریاتی، علمی، تہذیبی اور ثقافتی چیلنج سر اٹھائے کھڑے ہیں۔ ان چیلنجز کی گہرائی میں جب ایک نظر دوڑاتے ہیں تو حقائق (Facts & Figures) ہمیں منہ چراتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ پوری دنیا میں اس وقت کل آبادی کا تقریباً 22% مسلمان ہیں جبکہ 157 اسلامی ممالک میں سے کئی ایک کے پاس بہترین وسائل معیشت بھی میسر ہیں مگر اس کے باوجود مسلم دنیا کی تجارت کا حجم پوری دنیا کی تجارت میں صرف 3% کے برابر ہے۔ اس وقت 21 منتخب اور نسبتاً فعال اسلامی ممالک کا مجموعی GDP صرف 3.30 ٹریلین ڈالر ہے جبکہ صرف ایک چھوٹے سے ملک جاپان کا GDP 3.55 ٹریلین ڈالر ہے۔ اس ایک مثال سے ہم اسلامی دنیا کی اقتصادی ترقی اور مستقبل کے رجحانات کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

اس طرح سیاسی تناظر میں دیکھیں تو یہ جان کر افسوس ہوتا ہے کہ مسلم ریاستیں UNO

کے ارکان کا 31.20% ہیں جہاں کرہ ارض کے 25.3% حصے پر دنیا کی 22% آبادی رہ رہی

ہے گویا دنیا کے بہت سے قدرتی و انسانی وسائل مسلم دنیا ہی میں آتے ہیں مگر اتنا بڑا Potential

رکھنے والی عالمی Community کا کوئی موثر فورم نہیں، کوئی سیاسی ساکھ نہیں، UNO میں کوئی

نمائندگی نہیں۔ جہاں تک OIC کا تعلق ہے تو اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ اسی طرح اسلام کو تہذیبی اور ثقافتی محاذ پر ایک بڑا چیلنج یہ بھی درپیش ہے کہ مغربی میڈیا یا یہود و نصاریٰ کے کنٹرول میں ہے اور وہ جب چاہیں جیسا چاہیں اسلام کا نقشہ دنیا کے سامنے رکھ دیتے ہیں، اس وقت عراق، افغانستان اور کشمیر و فلسطین میں لاکھوں مسلمانوں کے بے دریغ قتل و غارتگری سے اتنا نقصان نہیں ہوا جتنا اس کے پراسن اور انسانیت نواز دامن کو ”دہشت گردی“ سے داغدار کرنے کے ساتھ ہوا ہے۔ اسلام تمام تر حقائق اور ابدی سچائیوں کے باوجود دنیا کا Misunderstood مذہب ہے۔ اس کی سچائیوں سے متعارف کروانا جن علماء اور دانشوروں کی ذمہ داری تھی وہ (الامشاء اللہ) اپنے اپنے حلقہ ہائے ارادت بنانے میں لگن ہیں اور اپنے تراشیدہ (قیادتوں کے) بتوں کو پوجنے میں مصروف ہیں۔

ہماری تعلیمی درسگاہوں میں روایتی علم تو وافر ہے مگر ایسے تخلیقی علم اور تحقیقی رجحان کا فقدان ہے جو عصر حاضر کے چیلنجز کا جواب دینے کے اہل افراد پیدا کر سکے۔ اس وقت عرب و عجم ملا کر پورے عالم اسلام میں اتنے سائنسدان نہیں جتنے ایک اسرائیل (جو دنیا کے نقشے پر نظر ہی نہیں آتا) کے پاس ہیں۔ پوری اسلامی دنیا کی جامعات کا کل بجٹ ملا کر بھی تل ابیب کی ایک یونیورسٹی کے سالانہ بجٹ کے برابر نہیں۔ عالم اسلام کی بادشاہتوں کے تحفظ پر جتنے وسائل خرچ ہو رہے ہیں اس کا چوتھائی حصہ بھی اگر سائنس اور ٹیکنالوجی کے حصول پر لگا ہوتا تو آج ملت اس اجتماعی خودکشی کی حالت میں ہرگز نہ گھری ہوتی۔ اب بھی منزل کا تعین ہو سکتا ہے سامان سفر موجود ہے اسے سلیقے سے استعمال کرنا نہیں آیا۔ باقی وسائل ایک طرف چھوڑیں صرف خلیج کے تیل کی یومیہ پیداوار کا 2% بھی مختص کر دیا جائے تو اس سے کئی ادارے قائم ہو سکتے ہیں لیکن اس طرح کی عقلمندی اور دانشمندی ہم کیوں کریں۔ یہی تو زوال ہے کہ مسلمان قوم ایک شکایتی، جوم کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ اسے ایسی قیادت کی ضرورت ہے جو اسے سوائے منزل گامزن کر سکے۔

یہ عالم اسباب ہے اور موجودہ دور میں وہی قومیں صنفِ ہستی پر عزت و وقار کے ساتھ زندہ رہ سکتی ہیں جن کی معیشت صنعت اور ترقی میں جدید ٹیکنالوجی مضبوط بنیادوں پر قائم ہے۔ ہم آئے

روز یہود و نصاریٰ کی سازشوں کا رونا روتے ہیں کوسوو، عراق، افغانستان، بھارت اور اسی طرح کے دیگر خطوں میں غیر مسلم قوتوں کے ہاتھوں مسلم قوم کے خون پر ٹسوے بہاتے ہیں۔ مخالفین کی سازشوں کے قصے اور ان کے مظالم کی داستانیں بیان کرتے ہیں۔ یہ تو نتیجہ ہے، جب تک اصل حقائق دریافت کر کے ان اسباب کا تدارک نہیں ہوگا، ان نتائج میں تبدیلی کیسے آسکتی ہے؟ یہ بالکل ایسا ہے کہ ہم زمین میں گندم کاشت کریں اور چاول حاصل کرنے کی توقع قائم کر لیں۔ ہم نظام فطرت کا ساتھ نہ دیں اور اس سے اپنی مرضی کے نتائج پیدا کرنا چاہیں یہ کیسے ممکن ہے؟ خود کو اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ قوم اور سرور کائنات ﷺ کی امت سمجھتے ہوئے انعامات کا حقدار تو ٹھہراتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول معظم ﷺ کے اصول و ضوابط پر عمل کرنے سے کتراتے ہیں۔ ہم میں سے ہر شخص واعظ ہے، ناصح ہے، مفکر اور مرزبی ہے لیکن ہم میں سے ہر کوئی یہ چاہتا ہے کہ وہ صرف وعظ کرے، نصیحت دے، فکرم اندیلتا رہے اور تربیت کے پلان تیار کرتا رہے، عمل کرنا اس کی ذمہ داری نہیں دوسروں کی ہے۔ ہماری سوسائٹیوں میں عدل و انصاف اور قانون نام کی کوئی چیز موجود نہیں، ہمارے مزاج میں توازن اعتدال اور برداشت جیسی خصوصیات ناپید ہو چکی ہیں۔ اجتماعی اور قومی مقاصد کی بجائے ہم ذاتی مفادات کی دوڑ میں ادھر ادھر بھاگ رہے ہیں۔ تحمل، تعقل اور تدبیر سے عصر جدید کے چیلنج کا مقابلہ اب بھی کیا جاسکتا ہے مگر یہ صفات پیدا کیسے ہوں؟ ہم رک کر ترقی یافتہ فعال اور مضبوط اقوام کی کامیابیوں کا کھوج لگانے اور ان طریقوں پر عمل کئے بغیر ان کی منہ زور طاقت کا مقابلہ کرنے نکل پڑے ہیں تو قدرت کیسے ہمارا ساتھ دے۔ ناگاساکی پر بم گرانے والے امریکہ کا مقابلہ کرنے کے لئے جاپانی قوم نے واشنگٹن، نیویارک اور نیوجرسی میں جا کر انتقامی کاروائیاں نہیں کیں بلکہ خود کو خاموشی کے ساتھ اتنا مضبوط اور مستحکم کر لیا کہ پچاس سال بعد امریکہ کا صدر اس قوم سے معافی مانگنے خود چل کر گیا۔ شوق شہادت اور جذبہ جہاد اپنی جگہ درست اور حق سہی لیکن طوفان مغرب کی اندھی طاقت سے بے دست و پا ٹکرانے کی بجائے اپنی توانائیاں مثبت طریقوں پر لگانے کی ضرورت ہے۔ پاکستان کو ہندو سامراج کی دست برد

سے اللہ تعالیٰ نے بچایا ہے تو وہ "لشکروں" اور "فوجوں" کے جوش و جنون کے ذریعے نہیں بلکہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان جیسے دھیمے اور مستقل مزاج سائنسدانوں کے ٹھوس اقدامات کے ذریعے۔ آبادی اور رقبے کے لحاظ سے آج دنیا کا سب سے چھوٹا ایک ملک اسرائیل پوری مسلم دنیا کی تقدیر سے کھیل رہا ہے تو یہ اس قوم کا فطری حق ہے جس نے صدیوں کی مربوط منصوبہ بندی کے بعد خود کو اتنا منظم اور مضبوط کر لیا ہے کہ کوئی اس کی طرف میلی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا۔ اس کے برعکس عرب ممالک کے کروڑوں مسلمانوں کا ریوڑ بے حیثیت اور بے وزن ہے تو اس میں غلطی یہودیوں کی نہیں ان کی اپنی ہے۔

یہ ہے اس قوم رسول ہاشمی ﷺ کا ایک منظر نامہ۔۔۔ جس نے پوری دنیا کو سچائی، ایمانداری، اخوت، امن، مساوات اور خدا پرستی کا درس دینا تھا۔۔۔ آئیے اپنے اپنے اداروں، گھروں، محلوں اور حلقہ ہائے اثر میں سیرت و سنت نبوی ﷺ کے اس آفاقی پیغام پر غور و فکر کی دعوت دیں لیکن ایک مرتبہ پھر اپنے ذاتی کردار کو سیرت النبی ﷺ کے آئینے کے سامنے رکھ کر ضرور دیکھ لیں۔ (۲۰ مارچ ۲۰۰۵ء)

کفر کی کالی گھٹاؤں میں آفتابِ ہدایت کا طلوع

(علامہ محمد معراج الاسلام)

ظہورِ قدسی سے پہلے پوری دنیا اور خصوصاً خطہ عرب میں آباد غیر مہذب قبائل کی سماجی اور اخلاقی حالت کیا تھی؟ اور وہ کسی قسم کے فاسد اور بے ہودہ نظریات میں الجھے ہوئے اور ذہنی و اعتقادی خرافات میں مبتلا تھے، مہذب دنیا کا انسان اس کے تصور ہی سے کانپ جاتا ہے۔ دین و مذہب کے مثبت ضوابط اور اصولوں پر مبنی عقائد و نظریات سے وہ یکسر نا آشنا تھے البتہ آباء و اجداد کی تقلید اور توہم پرستی کے نتیجے میں انہوں نے مذہب کے نام پر کچھ عقائد گھڑے ہوئے تھے جنہیں وہ سرمایہ حیات سمجھتے تھے اور جان سے بھی زیادہ ان کی حفاظت کرتے تھے۔ یہ حقیقت سے عاری تصورات اور احمقانہ خیالات کیا تھے محدثین کرام نے ان کی بڑی وضاحت سے تصویر کشی کی ہے جس سے پورے عرب اور ان کے مذاہب و نظریات کا مکمل نقشہ آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے۔ ان کا بیان ہے۔

اہل عرب ہدایت سے بھٹک کر مختلف گروہوں میں بٹ چکے تھے۔ ذہن کی پراگندگی اور انتشار نے ان کی جمعیت اور قوت کو پارہ پارہ کر دیا تھا، ان کی زندگی اس اونٹ کے مشابہ تھی جو بے مہار ہو اور منہ اٹھائے بے مقصد چلا جا رہا ہو۔

ان میں ایک ہی عقیدہ اور نظریہ کے لوگ آباد نہیں تھے بلکہ ہر خاندان اور قبیلہ اپنے اپنے صنم کدے سجائے بیٹھا تھا، یہی نہیں بلکہ ہر شخص کا اپنا اپنا نظریہ اور الگ الگ معبود تھا۔ ان میں خدا، حشر و نشر اور رسولوں کے منکر بھی تھے جو یہ کہتے تھے کہ خدا کا کوئی وجود نہیں ہے؟ زمانہ ہی سب کچھ ہے۔ ہمیں زندگی بخشنے اور موت دینے والا زمانہ ہی ہے۔ قرآن پاک نے ایسے کم نظر لوگوں کا تذکرہ اس آیت میں کیا ہے۔

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ.

”وہ بولے، سب کچھ دنیا کی زندگی ہی ہے، ہم مرتے اور جیتے ہیں، زمانہ ہی ہمیں ہلاک کرتا ہے (اللہ تعالیٰ انہیں جواب دیتے ہیں) انہیں علم تو کوئی ہے نہیں ایسے ہی گمان کے گھوڑے دوڑا رہے ہیں۔“

وہ قیامت، حشر و نشر اور دوبارہ زندہ ہونے کے اس لئے قائل نہیں تھے کہ یہ حیرت انگیز حقیقت ان کی ناقص عقل میں نہیں آتی تھی وہ کہتے تھے، قبر میں انسان گل سڑ جاتا ہے، اس کی ہڈیاں بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو جاتی ہیں، بلکہ سرمہ بن جاتی ہیں پھر وہ کیسے زندہ ہو سکتا ہے؟ قرآن پاک نے ان کا یہ اعتراض و خیال اس طرح بیان فرمایا ہے۔

قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ. ”ہڈیوں کو کون زندہ کر سکے گا جبکہ وہ بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو چکی ہوں گی۔“

أِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أِنَّا لَمَبْعُوثُونَ اَوْ اَبَاءُنَا الْاَوْلُونَ.

”جب ہم مرنے کے بعد مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم یا ہمارے باپ دادا دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔“

قرآن پاک نے ان کے اعتراض اور فرسودہ خیال کا یہ جواب دیا:

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي اَنْشَاَهَا اَوَّلَ مَرَّةٍ.

”اے میرے رسول! آپ انہیں بتادیں، دوبارہ وہی پیدا کرے گا جس نے پہلی بار پیدا کیا ہے۔“

مطلب یہ کہ پہلی بار پیدا اور ایجاد کرنا مشکل ہوتا ہے جب وہ اس کیلئے مشکل نہیں ہے تو دوپہرہ پیدا کرنا کیا مشکل ہوگا۔ اس لئے حشر و نشر، قیامت اور دوسری زندگی ممکن ہی نہیں، بلکہ وقوع میں نے والی ایک قطعی حقیقت ہے۔

یہ تھا اس وقت کا عرب معاشرہ جس میں انسان کی اخلاقی حس مردہ اور پاکیزہ فطرت

مسخ ہو چکی تھی، سینے کے حسین فانوس میں فروزاں ہدایت کی قندیل، کفر و شرک کی تند و تیز آندھیوں اور گمراہی کے طوفانی جھکڑوں سے بچھ گئی تھی، دل کی گہرائیوں سے طلوع ہونے والا، نور معرفت کا آفتاب، ضلالت کی دلدل میں دھنس گیا تھا اور ایمان و یقین کا چشمہ صافی خشک ہو گیا تھا، انسان دکھائی دینے والا ہیولی، انسان نما جانور تھا جس میں انسانی قد ریں سرے سے ناپید اور فکری قوتیں یکسر مفقود تھیں، جغرافیائی طبقاتی اور قبائلی آویزش نے اسے ایک خوفناک درندہ بنا دیا تھا، جس کی ایک غراہٹ ہر قدر انسانی کو پامال کرنے کا عنوان ہوتی تھی۔

اس تاریک دور کا انسان، انسانیت کے پر شکوہ نام پر بدنامی کا ایک بدنما داغ تھا، جس میں آدمیت کو شرف و امتیاز بخشنے والے محمود خصائل کی کوئی رمت باقی نہ رہی تھی، ذہن کی تیرگی اور ضعیفی نے زندگی کو سایہ اوہام بنا دیا تھا، شاخ حیات کفر و شرک کی زہر آلود فضاؤں میں مرجھا گئی تھی، دل کا کنول کھلنے سے پہلے ہی، بد اعتقادی کی مسموم خزاؤں کی نذر ہو گیا تھا، انسانی آنکھ حقیقت بینی کے خوبصورت شعارے سے دست کش ہو کر فانی و بے ثبات اور عارضی حسن کے جلوؤں میں الجھ کر رہ گئی تھی اور بڑے دھڑلے سے اسے نظارہ غیر گوارا تھا، مگر نگاہ کی اس نامسلمانی پر کوئی فریاد کرنے والا نہ تھا کیونکہ حالات نے فطرت کو مسخ کر دیا تھا اور بتدریج وہی خوب ہو چکا تھا جو ناخوب تھا۔

انسانیت کی اس بے قدری اور شرف آدمیت کی اس ارزانی پر حقیقت شناس ضمیر چیخ اٹھا، اس کی دلدوز آہیں، جاں گداز سسکیاں اور خارا اشکاف چیخیں فریاد بن کر لبوں تک آ گئیں، ان تڑپتی بلکتی فریادوں سے کوہ و دمن لرز اٹھے، چٹانوں کا دل ہل گیا، ٹھہری ہوئی منجمد فضاؤں میں ارتعاش پیدا ہوا اور ذرہ ذرہ پتہ پتہ، دامن طلب پھیلا کر رحمت و کرم اور خصوصی لطف و عنایت کے لئے سراپا التجا بن گیا۔ ذرہ نوازی، بندہ پروری اور نگاہ کرم کی بھیک کینلئے، قبولیت کی آرزو میں، آس و امید کے ساتھ آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ ان کے ساتھ، گنے چنے توحید پرستوں کی پر خلوص فریاد بھی رنگ لائی۔ اہل دل کی نیاز مندی اور طلب صادق بار آور ہوئی، قدرت کو انکی بے چارگی اور عجز و در ماندگی پر رحم آیا، چنانچہ ایک ہمہ گیر عظیم انقلاب برپا کرنے اور اس کے ساتھ اس دور

کے بے راہ انساں کو ہدایت، وہاں کے تاریک ترین ماحول کو نور اور اندھیروں میں ڈوبے ہوئے ظلمت کدے کو اجالا بخشنے کیلئے مطلع رسالت پر اس آفتاب کو جلوہ بار کیا جس کے پر شکوہ جاہ و جلال کے سامنے ماضی و مستقبل کے تمام سورج، چمکتے چاند، دکھتے ستارے اور نور فشاں مراکز ماند پڑ گئے، یہ مملکت نور، حریم قدس اور سپہر رسالت کا منفرد و یکتا اور سب سے زیادہ منور آفتاب تھا۔

اس آفتاب جہاں تاب نے فاران کی پر جلال چوٹیوں سے طلوع ہو کر اپنی نورانی کرنوں سے گھمبیر ظلمتوں کی دبیز تہوں کا دامن تارتا کر دیا اور ان تاریکیوں کا وجود صفحہ ہستی سے مٹا ڈالا جو صدیوں سے قلب و ذہن، یقین و اعتقاد اور روح و ضمیر کی دنیا پر سرطان کے مہلک اور لاعلاج پھوڑے کی طرح چھائی ہوئی تھیں اور نور ایمان کو گھن کی طرح کھا رہی تھیں، چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے کالے سائے تحلیل ہو گئے، ظلمت کے پردے چھٹ گئے اور فضا میں جگمگا اٹھیں۔

کوہ فاران کی وادیوں سے ایک دلنشین، شیریں اور نغمہ ریز آواز بلند ہوئی۔

يَا أَيُّهَا النَّاسِ إِنِّي رَسُولَ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا. ”اے لوگو! میں تم سب کی طرف

رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔“

ضلالت کے ڈسے ہوئے اور کفر کے ستارے ہوئے، اجالوں کے طلبگار لوگ، لبیک کہتے ہوئے اس مقدس آواز کی طرف لپکے اور پیغام حق کو دل و جاں سے قبول کر لیا پھر ان کی زندگی میں کیا انقلاب آیا اور وہ کیا سے کیا بن گئے، اس کی ایک نورانی جھلک یہ ہے۔

۱۔ حضرت حارثہ ایمان لائے تو ان کے من کی دنیا ہی بدل گئی، نور کے سانچے میں ایسے ڈھلے کہ فرشتوں کا بھی دیدار کرنے لگ گئے، ایک دفعہ حضور نبی کریم ﷺ کے قریب سے گزرے، اس وقت آپ کسی اجنبی سے گفتگو میں مصروف تھے، حضرت حارثہ نے اسے نہ پہچانا اور سلام کے بغیر پاس سے گزر گئے۔ مبادا گفتگو میں خلل پڑے۔ جب واپس آئے تو حضور علیہ السلام نے پوچھا۔

تم نے ہمیں سلام کیوں نہیں کیا تھا؟

عرض کی: یا رسول اللہ! آپ کسی شخص سے مصروف گفتگو تھے، میں نے بیچ میں دخل دینا

مناسب نہ سمجھا، اس لئے خاموشی سے گزر گیا۔ فرمایا! کیا تو نے اس شخص کو دیکھا تھا۔ عرض کی: ہاں فرمایا! وہ جبرائیل امین تھے، کہہ رہے تھے اگر یہ سلام کرتا تو ہم بھی سلام کا جواب دیتے، یہ بہت نیک اور جوانمرد شخص ہے، عام معرکوں میں حصہ لے چکا ہے اور ان اسی بہادروں میں سے ہے جو جنگ حنین میں استقلال کے ساتھ ڈٹے رہے تھے اور ان کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہیں آئی تھی۔ قدرت نے ان کی اولاد اور ان کے لئے جنت کا رزق مقدر فرما دیا ہے۔

☆ حضرت حارثہؓ ایک مرتبہ دربار نبوی میں باریاب ہوئے!۔۔۔۔۔

حضور ﷺ نے پوچھا: كَيْفَ اصْبَحْتَ يَا حَارِثَةُ.

”آج تمہاری قلبی کیفیات اور روحانی واردات کا کیا عالم ہے؟ کن حالات میں صبح کی ہے؟ عرض کی: میں نے اس حال میں صبح کی ہے کہ مجھے یقین ہے میں مومن برحق ہوں۔ آپ نے پوچھا: ”ہر دعویٰ کی ایک حقیقت ہوتی ہے، تیرے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ یعنی اپنے دعوے کی دلیل پیش کرو“

عرض کی: یا رسول اللہ! میں دنیا اور اس کی خواہشوں سے کنارہ کش ہو چکا ہوں رات، بیداری میں اور دن روزے سے گزرتا ہے اور نگاہ کی تیزی اور دور بینی کا یہ عالم ہے۔

كَانِي أَنْظُرُ إِلَى عَرْشِ رَبِّي بَارِزًا وَكَانِي أَنْظُرُ إِلَى أَهْلِ الْجَنَّةِ يَتَزَاوَرُونَ فِيهَا وَالِى أَهْلِ النَّارِ يَتَعَاوَنُونَ فِيهَا.

”گویا میں اپنے رب تعالیٰ کا عرش علانیہ دیکھ رہا ہوں اور جیسے اہل بہشت کو ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہوئے اور اہل دوزخ کو چیختے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔“

حضور ﷺ نے فرمایا: هَذَا عَبْدٌ نَوَّرَ اللَّهُ قَلْبَهُ. (مفتاح دار السعادة، ۱۶۲)

”یہ وہ بندہ ہے جس کے دل کو اللہ پاک نے منور فرما دیا ہے۔“

۲-۵۰ھ میں مسلمان افریقہ کے صحراؤں تک اسلام اور انسانیت کا پیغام لے کر پہنچ چکے

تھے، دس ہزار کے قریب مجاہدین کا لشکر جب اس جگہ خیمہ زن ہوا، جہاں بعد میں قیروان کے نام سے

ایک شہر آباد ہوا تو اس جگہ جنگل میں مسلمانوں کو ایک فوجی چھاؤنی قائم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی، یہ جگہ خونخوار درندوں، خوفناک سانپوں اور جنگلی جانوروں کا مسکن تھی۔

حضرت عقبہ بن نافع جو امیر لشکر تھے، اس وقت کو خاطر میں لائے بغیر، ایمانی قوت سے سرشار، جنگل کے کنارے پر کھڑے ہو گئے اور بلند آواز سے ساکنان جنگل کو خطاب کیا:

أَيْتَهَا الْحَيَاتُ وَالسَّبَاعُ إِنَّا أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ نَازِلُونَ هِنَا، اِرْحَلُوا عَنَّا

فَمَنْ وَجَدْتَاهُ بَعْدَ ذَلِكَ قَتَلْنَاهُ. (کامل ابن اثیر، ۳: ۴۶۶)

”اے سانپو اور درندو! ہم اللہ کے نبی ﷺ کے اصحاب ہیں، یہاں سے کسی اور جگہ منتقل ہو جاؤ، کیونکہ ہم یہاں چھاؤنی بنانا چاہتے ہیں، آج کے بعد ہم نے کسی کو دیکھ لیا تو قتل کر دیں گے۔“

اس روز وہاں کے مقامی باشندوں نے بھی دیکھا کہ

جانور اپنے بچے پشتوں پر لاد کر جنگل سے نکل رہے ہیں، دیکھتے ہی دیکھتے سارا جنگل خالی ہو گیا، یہ حیرت انگیز اور عجیب منظر دیکھ کر وہ لوگ مسلمان ہو گئے۔

۳۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ یمن کے حاکم تھے۔ حضور ﷺ نے جناب سفینہ کو مکتوب

گرامی دے کر یمن کی طرف روانہ فرمایا یہ جنگل میں راستہ بھول گئے، اچانک ایک شیر سامنے آ گیا اور حملہ کے لئے جسم سمیٹنے لگا، آپ نے فرمایا:

اوشیر! میں رسول کریم ﷺ کا غلام ہوں حملہ نہ کر۔

یہ جملہ سنتے ہی شیر کی ساری رعونت اور درندگی کا فور ہو گئی اور وہ ایک سدھائے ہوئے

کتے کی طرح پاؤں میں لوٹنے لگا اور پھر سیدھے راستے پر لگا کر واپس چلا گیا۔ (الشفاء، فصل:

الایات فی ضروب الحیوانات)

دعائے خلیل اور نوید مسیحا

(علامہ محمد معراج الاسلام)

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں، حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

انی عند اللہ مکتوب خاتم النبیین وان ادم لمنجدل فی طینة و ساخبر کم باول امری دعوة ابراهیم و بشارة عیسی و رؤیا امی التی رأت حین وضعتنی قد خرج لها نور اضاء لها منه قصور الشام

”ہمارا نام اللہ تعالیٰ کے ہاں اس وقت بھی خاتم النبیین کی حیثیت سے مکتوب تھا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام کا پیکر خاک کی ابھی زمین پر ہی پڑا ہوا تھا اور اس میں روح نہیں پھونکی گئی تھی۔ ہم تمہیں اپنے ابتدائی احوال سے آگاہ کرتے ہیں، ہم حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی امی جان کا خواب ہیں جو انہوں نے دیکھا تھا جب ولادت کا وقت قریب آیا تو انہوں نے دیکھا کہ ایک نور ان سے خارج ہوا جس کے اجالے میں انہیں شام کے محلات نظر آ گئے۔“

ایک باوقار، خود مختار اور زندہ و بیدار قوم کا یہ شعار ہوتا ہے کہ وہ خود کو فعال و سرگرم عمل اور پر جوش رکھنے کے لئے قومی اہمیت کے حامل دنوں کو کبھی فراموش نہیں کرتی بلکہ انہیں ہمیشہ یاد رکھتی ہے اور جب بھی سال بعد وہ دن آتا ہے تو پورے جوش و جذبے اور ذوق و شوق کے ساتھ اسے مناتی ہے تاکہ نئی نسلیں بھی اس کی افادیت و اہمیت سے آگاہ ہوں اور ان کے اندر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کا داعیہ پیدا ہو، جس نے انہیں اور ان کے آباء و اجداد کو اور پوری قوم کو اس نعمت عظمیٰ سے نوازا۔ حریتِ فکر، مقامِ بندگی اور حصولِ سعادت کے آداب و اصول سے آشنا کیا

اور یہ ذوق بخشا کہ میدان میں آئیں اور اپنی آزادی و بقاء، عقائد و نظریات اور تہذیب و شعاری کی حفاظت کریں اور کسی کو قومی وجود کی طرف دستِ تعدی دراز کرنے اور نظریاتی سرحدوں پر شب خون مارنے کی اجازت نہ دیں۔

قومیت اور تہذیب و ثقافت کی تاریخ میں ہر وہ واقعہ قومی اہمیت کا حامل ہوتا ہے جو انہیں نئے موڑ پر لے آئے، اجتماعی سلامتی عطا کرے، فکر و نظر کا رخ موڑ دے، یا خود احتسابی کی طرف مائل کر دے، جس کے نتیجے میں انسان کے مزاج میں سنجیدگی، طبیعت میں ٹھہراؤ، کردار میں پختگی، معاملات میں اصول پسندی اور اخلاق میں رواداری آجائے اور وہ خود کو ایک بہتر انسان بنانے اور ثابت کرنے کے لئے عملی جدوجہد شروع کر دے۔ ایسے واقعات ذہنی انقلاب کے بعد خارجی انقلاب پیدا کر دیتے ہیں اور افراد کو ملت کے ساتھ وابستہ رکھنے کا سبب بنتے ہیں۔ جب افراد اجتماعی قومی برادری کو ایک ہی راہ پر چلتے ہوئے دیکھتے ہیں تو اس مشاہدہ سے جہاں ان کے اندر بھی اسی راہ پر چلنے کا عزم پیدا ہوتا ہے وہاں یہ اطمینان بھی نصیب ہوتا ہے کہ یہی راہ برحق ہے جو سب نے اپنائی ہوئی ہے، اس لئے اس پر چلنا ہی بہتر ہے۔

بہت سی احادیث سے اس نظریے کی تائید ہوتی ہے کہ خصوصی ایام کو یاد رکھنے سے اجتماعی اور قومی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ افراد کے ظاہر و باطن میں صالح انقلاب آتا ہے اور وہ ان ایام و مواقع سے نیا جوش و جذبہ اور نیا رنگ ڈھنگ حاصل کرتے ہیں اور دنیاوی و اخروی فلاح و سعادت اور تقرب خداوندی سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں۔ مثلاً

ا۔ قدم رسول اللہ ﷺ المدينة فوجد اليهود يصومون يوم عاشوراء
فاسئلوا عن ذلك فيقالوا: هذا اليوم الذي اظهر الله فيه موسى و بنى اسرائيل
على فرعون فنحن نصورم تعظيماً له فقال النبي ﷺ: نحن اولى بموسى منكم
فامر بصومه.

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں: حضور ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہود

کو دیکھا کہ عاشوراء کا روزہ رکھتے ہیں۔ ان سے سبب پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا: اس دن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور بنی اسرائیل کو فرعون پر فتح عطا کی تھی، اس لئے ہم اس دن کی تعظیم کرتے ہیں اور اس کا روزہ رکھتے ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا:

ہم تم سے زیادہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تعلق رکھنے والے ہیں۔ چنانچہ آپ نے بھی اس دن کا روزہ رکھنے کا حکم دیا۔“

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں، حضور ﷺ سے پوچھا گیا: جمعہ کے دن کو جمعہ کیوں کہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں بہت سے اہم امور جمع ہو گئے ہیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ کہ پیکر آدم اسی روز تیار کیا گیا تھا، دوسری یہ کہ بہت سے واقعات اسی دن ظہور پذیر ہوئے۔ تیسری یہ کہ اس دن کی آخری تین ساعات میں ایک ساعت ایسی بھی ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے جو دعا کی جائے وہ قبول ہوتی ہے (مشکوٰۃ: ۱۲۱)

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

خیر یوم طلعت فیہ الشمس یوم الجمعة فیہ خلق آدم و فیہ ادخل

الجنة و فیہ اخرج منها و لا تقوم الساعة الا فی یوم الجمعة

”جن دنوں میں سورج طلوع ہوتا ہے، ان میں سب سے بہتر جمعہ کا دن ہے، اسی دن

حضرت آدم علیہ السلام تخلیق کئے گئے اور اسی دن وہاں سے زمین پر بھیجے گئے اور اسی دن جنت میں داخل کئے جائیں گے۔ قیامت بھی جمعہ کے دن قائم ہوگی۔“

ان حقائق و واقعات سے آگاہ ہو کر انسان کے اندر ایک جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ ان

اوقات و ایام کا قدر شناس بنے ان میں غافل نہ رہے اور انہیں اس طرح گزارے کہ وہ برکات حاصل ہو سکیں جن کا ذکر احادیث میں کیا گیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے ان خصوصی ایام کو خصوصی اہتمام سے بیان فرمایا ہے اور

امت کو یہ تاثر، شعور اور پیغام دیا ہے کہ وہ ان ایام کو فراموش نہ کرے بلکہ یاد رکھے اور وہ جب بھی آئیں تو

ان کے شایان شان ان میں مخصوص افعال ادا کرے مثلاً روزہ رکھے، دعا و مناجات کرے اور ذکر الہی میں مصروف رہے تاکہ پتہ چل جائے کہ وہ ان ایام کی اہمیت سے غافل نہیں ہے چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بذات خود یہ افعال انجام دے کر یہ سنت قائم کر دی ہے۔ چند مثالیں درج ہیں۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَتَحَرَّى يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ .

”حضور ﷺ بڑے عزم و اہتمام کے ساتھ پیر اور جمعرات کا روزہ رکھا کرتے تھے۔“

”دیکھنے والوں کے دل میں تجسس پیدا ہو جانا ایک طبعی امر تھا چنانچہ انہوں نے پوچھ ہی لیا کہ آقا! آپ پیر کا روزہ کیوں رکھتے ہیں؟ مسلم شریف کے الفاظ یہ ہیں۔ فسئل عن صوم يوم الاثنين.

آپ نے جواب: ظافر مایا۔ فیہ ولدت و فیہ انزل علی ہم پیر کا روزہ اس لئے رکھتے ہیں کہ اس میں ہماری ولادت ہوئی تھی اور اسی میں نزول وحی کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔

امت کے لئے اس سے بڑھ کر قومی اہمیت کا دن اور کوئی نہیں ہو سکتا اس لئے اپنے نبی کی ولادت کے دن کو دھوم دھام سے منانا، جائز حدود کے اندر رہ کر خوشی کا اظہار کرنا، غرباء و مساکین کو کچھ کھلانا، روزہ رکنا، عبادت کرنا، درود و سلام کا نذرانہ پیش کرنا اس دن کے حوالے سے ضروری ہی نہیں بلکہ سعادت مندی کی دلیل بھی ہے جب حضور علیہ السلام نے خود اس دن کو منایا اور اسے روزے کے لئے خاص کیا تو نیاز مند امت کا بدرجہ اولیٰ یہ فرض بنتا ہے کہ اسے خصوصیت کے ساتھ منائے اسے ذکر و دعا، درود و سلام کے لئے مختص کرے اور اپنے عظیم نبی ﷺ کی سنت پر عمل پیرا ہو۔ پیر کے دن کا بارگاہ رکھنے کی ایک وجہ اور بھی بیان کی گئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

تُعْرَضُ الْأَعْمَالُ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ فَاحْبَبْتُ أَنْ يُعْرَضَ عَمَلِي وَأَنَا صَائِمٌ .

”انسان کے اعمال، بارگاہ خداوندی میں پیر اور جمعرات کو پیش کئے جاتے ہیں، اس لئے

میں پسند کرتا ہوں کہ میرا عمل اس وقت پیش ہو جبکہ میں نے روزہ رکھا ہوا ہو۔

عمل پیش ہونا، تخلیق آدم، وقوع قیامت، فرعون پر فتح، ولادت نبوی، نزول وحی، اپنی اپنی جگہ تمام اہم واقعات ہیں، سرکار نے انہیں ذکر فرمایا تاکہ انہیں اجتماعی سطح پر یاد رکھا جائے اور ان سے دینی دلی جوش و جذبہ حاصل کیا جائے۔

ان تمام واقعات میں ولادت نبوی کو جو اہمیت حاصل ہے وہ سب سے بڑھ کر ہے کیونکہ ظہور نبوت کا تصور، انسان کو جو خوشی، روحانی بالیدگی اور اطاعت و اتباع کا جو ذوق و شوق عطا کرتا ہے وہ اسی کا حصہ ہے، آمد حبیب کے تصور سے روحوں میں کیف و انبساط کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے اور دل سرور و مستی سے لبریز ہو جاتے ہیں۔

اسی سرور کو دو آتشہ کرنے کے لئے، سرکار نے اس تصور حسین کو خوب نکھار کر بیان کیا ہے اور اس کے ان پہلوؤں کو بھی! باگر کیا ہے، جن کا تعلق ولادت سے بھی پہلے کے دور کے ساتھ ہے۔

☆ بتایا کہ تعمیر کعبہ سے فارغ ہو کر حضرت خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام نے اس مبارک گھڑی میں یہ دعا کی تھی کہ یا اللہ!

وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ.

”ان میں سے رسول مبعوث فرما! جو ان پر تیری آیات تلاوت کرے، کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور انہیں پاک کرے۔“

فرمایا کہ وہ پاک کرنے والا منزکی اور کتاب و حکمت کی تعلیم دینے والا معلم اور تلاوت کرنے والا قاری میں ہی ہوں یعنی اس آیت کا مصداق میں ہی ہوں، دعائے خلیل میں ہی ہوں۔

☆ بتایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا تھا۔

إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَ مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمًا أَكْبَرُ.

”میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں اور جو تورات پہلے موجود ہے اس کا مصدق ہوں اور بشارت دینے والا ہوں کہ میرے بعد ایک عظیم نبی آئیں گے، ان کا اسم گرامی احمد ہوگا۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ احمد میں ہی ہوں، وہ نوید مسیحا، میں ہی ہوں۔“

☆ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ عنہا نے خواب دیکھا تھا کہ نورانی ہستیاں آئیں اور انہوں نے بتایا: کہ تم عظیم خاتون ہو، تمہیں پیغمبر اعظم و آخر کی ماں بننے کا شرف حاصل ہونے والا ہے۔ وہ بے مثل نبی ہوں گے، مخلوق میں کوئی ان جیسا نہیں ہوگا فرمایا کہ میں ہی اپنی والدہ کے اس خواب کی تعبیر ہوں۔

ولادت کی ان تفصیلات اور حقائق کے اظہار سے یہ مقصود ہے کہ امت سنجیدگی سے اس کی طرف متوجہ ہو اور اسے تاریخ انسانی کا معمولی واقعہ قرار نہ دے بلکہ اس کی اہمیت سے آگاہ ہو کر اسے مشعل راہ بنائے اور اس سے زندگی کی تاریک راہوں کے لئے، سنت، اتباع نبوی اور محبت رسول کی روشنی حاصل کرے اور یہ بات دل کی گہرائیوں میں اتار لے کہ اگر وہ تشریف نہ لاتے تو آج اسے معرفت، عبادت اور روحانیت کا وہ نور حاصل نہ ہوتا جو آج اس کے نہاں خانہ دل کو منور کر رہا ہے اور اسے سعادتیں بخش رہا ہے۔

میلا دالنبی ﷺ

نورِ میں کا ظہورِ تام

(حاجی فضل احمد - صاحب سلسبیل)

”اللہ کریم کا نور عرشِ اعظم اور لامکان و سعوتوں میں نہ سما سکتا تھا۔ اس نورِ مطلع کو اپنے عیانی ظہور کے لئے ایک پاکیزہ اور مقدس مکان کا خیال عزمِ محبت کے لباس میں دامن گیر ہوا۔ محبتِ الہی کی لطیف اور پرتاثر ہوائیں ایسے چمنستان کی تلاش میں نکلیں، جس کی ہر کلی اور ہر پتی، اس لطیف اور سرور پرور ہوا کی ہر لہر کو، اپنے سینے کے بہشت بریں میں صدر نشین کر دے۔

ارادہ الہی کو بادِ محبت کی سرسراہٹ نے جنبش دی اور اس محبت کی چمکتی ہوئی لہریں، عرش و ساکنانِ عرش سے پہلے نور محمد ﷺ بن کر نمودار ہوئیں۔ اس کے بعد اسی دربار کے فیضِ لامتناہی سے حسبِ مراتب ہر مکین و مکان کو وجود کا نور و مظہر نور عطا ہوا، لولاک لما خلقت الافلاک (اگر آپ ﷺ کو پیدا نہ کرتا تو آسمانوں کو پیدا نہ کرتا)

تو اصل وجود آدمی از نخست

دگر ہرچہ موجود شد فرع تست

عرفان کی آنکھیں زمین عالم میں بوئے ہوئے ہر تخم میں اس کا شیریں و خوش نماثر دیکھتی ہیں اور یہی لذت و لطافت سے بھرا ہوا ثمر تمام محنتوں اور تمام کوششوں کا مقصود ہوتا ہے۔ بخدا تخلیق عالم مقصود اور تزیین عرش و فرش کا مطلوب باغِ ہدایت کا ثمر شیریں، ہمارا کمالی والا نورِ مبین ہے (ﷺ)

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں

خسرو! عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

عرش والے کروڑوں سال سے منتظر، فرش والے ابتدائے آدم سے چشمِ براہ، کائنات کا

ذره ذرہ اسی انتظار میں کہ وہ صبح نور کب نمودار ہوگی، جب حبیب کبریا محمد مصطفیٰ ﷺ اپنے ظہور قدسی سے زمین و فلک کی آنکھ میں جلوہ طور کا سماں پیدا کریں گے۔ رحمت ازلی جوش میں آئی۔ مخلوق کی بے نوائی کو نواہائے بے بہا سے بدلنے کے ارادہ ازلی کو حرکت ہوئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس کے لئے خلت کا خلعت پایا، حضرت یوسف علیہ السلام نے جس کے لئے جمال جہاں آرا دکھایا، حضرت موسیٰ کا شوق دید جس کے صحیفہ محبت کی تمہید نبی اور حضرت عیسیٰ کا دم عیسیٰ جس کی مسیحا کی نوید بنا، وہی نور مجسم، محبوب دو عالم، عرش کا تاراء اللہ کا پیارا 20 اپریل 571ء ۱۲ ربیع الاول پیر کے دن صبح صادق کے وقت، بزم آرائے عالم امکان ہوا (ﷺ) الحمد للہ محفل کونین میں صدر کی خالی کرسی کو زینت ملی۔

روایت ہے کہ ظہور قدسی کے وقت کسریٰ کے محل کے چودہ کنگرے گر گئے اور آتش کدہ فارس بجھ گیا اور دریائے ساوہ خشک ہو گیا۔ یہ تمہید تھی کہ اب شہنشاہیت کا قصر فلک بوس دربار، ختم رسل میں خاک بوسی کرے گا اور شر و فساد کی آتش قلوب، بنی آدم کے آتش کدوں میں سرد پڑ جائے گی اور ظلم و ستم کا دریا خشک ہو کر رہ جائے گا۔ حضور سرور کونین کے ظہور سے اہلبیت اپنی ذریت کو لے کر بحر ظلمات میں جا چھپی اور شیطنت اپنے ہتھکنڈوں سمیت شش جہات عالم سے بھاگ کھڑی ہوئی۔

ہدایت کا آفتاب چمکا، رحمت کا بادل برسا، آدمیت نے اپنے بھولے ہوئے سبق یاد کئے، ہدایت کی راہیں کھل گئیں، معرفت الہی کا دربار لگ گیا۔ محبت الہی کی دولت لٹنے لگی۔ سارے عالم کے زیاں کا ربھی جب اس بازار میں آئے تو صاحب اعتبار ہو کر گئے۔ یہ اسی نور مبین کی برکت ہے کہ آج بھی اس دور ظلمت میں ہدایت کے آفتاب کی شعاعیں گھر گھر پہنچ رہی ہیں اور اس مادہ پرستی کے زمانے میں، خدا پرستی اور حق شناسی کی راہیں کھلی ہیں۔

یہ اسی ظہور قدسی کے طفیل ہے کہ نگاہیں آج بھی آسمان کے اس پار پہنچ جاتی ہیں جب کہ عصیاں کوٹی اور خدا فراموشی کے اندھیرے، دل کی آنکھوں کو اندھا کر چکے ہیں۔ حیات ابدی کا متلاشی اور صراط مستقیم کا طالب اگر اس طوفانی دریائے ضلالت میں نجات کا کنارہ چاہے تو دین محمد رسول اللہ (ﷺ) کے بغیر اسے کوئی کشتی سلامت مل نہیں سکتی۔“

عید میلاد النبی ﷺ

دنیا کا سب سے بڑا دن

(ابوالکلام آزاد)

رات لیلة القدر بنی ہوئی نکلی اور خیر من الف شہر کی بانسری بجاتی ہوئی ساری دنیا میں پھیل گئی۔ موکلان شب قدر نے من کل امر سلام کی سبجیں بچھادیں۔ ملائکان ملاء الاعلیٰ نے تنزل الملائکة والروح فیہا کی شہنائیاں شام سے بجانی شروع کر دیں۔ حوریں باذن ربہم کے پروانے ہاتھوں میں لے کر فروس سے چل کھڑی ہوئیں اور ہی حی مطلع الفجر کی میعادی اجازت نے فرشتگان مغرب کو دنیا میں آنے کی رخصت دے دی۔ تارے نکلے اور طلوع ماہتاب سے پہلے عروس کائنات کی مانگ کا موتی بھر کر غائب ہو گئے۔ چاند نکلا اور اس نے فضائے عالم کو اپنی نورانی چادر سیمیں سے ڈھک دیا۔ آسمان کی گھومنے والی قوسیں آپ اپنے مرکز پر ٹھہر گئیں۔ بروج نے سیاروں کے پاؤں میں کیلیں ٹھونک دیں۔ ہوا جنبش سے، افلاک گردش سے، زمین چکر سے اور دریا بہنے سے رک گئے اور کارخانہ قدرت کسی مقدس مہمان کا خیر مقدم کرنے کے لئے رات کے بعد اور صبح سے پہلے بالکل خاموش ہو گیا۔ انتظام و اہتمام کی تکان نے چاند کی آنکھوں کو جھپکایا، نسیم سحری کی آنکھیں جوش خواب سے بند ہونے لگیں۔ پھولوں میں نکلت، کلیوں میں خوشبو، کونپلوں میں بوٹو خراب ہو گئی۔

درختوں کے مشام خوشبوئے قدس سے ایسے مہکے کہ پتا پتا مخمور ہو کر سر بسجود ہو گیا۔ ناقوس کے مندروں میں بتوں کے سامنے، سر جھکانے کے بہانے آنکھ جھپکائی، برہمن سجدے کے حیلے سر بہ زمین ہو گیا۔ غرضیکہ کائنات کا ذرہ ذرہ اور قطرہ قطرہ ایک منٹ کے لئے غیر متحرک

ہو گیا۔ اس کے بعد وہ منٹ آ گیا، جس کے لئے یہ سب انتظامات تھے۔ فرشتوں کے پرے خوشیوں سے بھرے آسمانوں سے زمین پر اترنے لگے اور دنیا کے جمود میں ایک بیدار انقلاب پوشیدہ طور پر کام کرتا ہوا نظر آنے لگا۔ ملہم غیب نے منادی کی کہ افضل البشر، خاتم الانبیاء، سراپردہ لاہوت سے عالم ناسوت میں تشریف لانے والے ہیں۔ رات نے کہا: میں نے شام سے اس کا انتظار کیا ہے، اس گوہر رسالت کو میرے دامن میں ڈال دیا جائے۔ دن نے کہا: میرا رتبہ رات سے بلند ہے، مجھے کیوں محروم رکھا جائے۔ دونوں کی حسرتیں قابل نوازش نظر آئیں کچھ حصہ دن کا لیا، کچھ رات کا۔ نور کے تڑکے نور علی نور کی نورانی آوازوں کے ساتھ دست قدرت نے دامن کائنات پر وہ لعل باہار رکھ دیا، جس کے ایک سرسری جلوے سے دنیا بھر کے ظلمت کدے منور اور روشن ہو گئے۔

سرزمین حجاز جلوہ حقیقت سے لبریز ہو گئی۔ دنیا جو سرور و جمود و کیفیت میں تھی، اک دم متحرک نظر آنے لگی۔ پھولوں نے پہلو کھول دیئے، کلیوں نے آنکھیں وا کیں، دریا بہنے لگے، ہوائیں چلنے لگیں، آتش کدوں کی آگ سرد ہو گئی، صنم خانوں میں خاک اڑنے لگی، لات و منات، ہبل، و عزات کی توقیر پامال ہو گئی، قیصر و کسریٰ کے فلک بوس بروج گر کر پاش پاش ہو گئے، درختوں نے سجدہ شکر سے سراٹھایا، رات کچھ روٹھی ہوئی سی، چاند کچھ شرمایا ہوا سا، تارے نادم و محبوب سے رخصت ہوئے اور آفتاب شان و فخر کے ساتھ مسرت و مباہات کے اجالے لئے ہوئے کرنوں کے ہار ہاتھ میں، قرس نور تھاں میں، ہزاروں ناز و ادا کے ساتھ افق مشرق سے نمایاں ہوا، حضرت عبداللہ کے گھر میں، آمنہ کی گود میں، عبدالمطلب کے گھرانے، ہاشم کے خاندان اور مکہ کے ایک مقدس مکان میں خلاصہ کائنات، فخر موجودات، محبوب خدا، امام الانبیاء، خاتم النبیین رحمۃ اللعالمین یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تشریف فرما کے عز و جلال ہوئے۔ سبحان اللہ ربیع الاول کی بارہویں تاریخ کتنی مقدس تھی جس نے ایسی سعادت پائی اور پیر کا روز کتنا مبارک تھا جس میں حضور ﷺ نے نزول و اجلال فرمایا: **فتبارک اللہ احسن الخالقین**.

”جس طرح جسم کی غذا اور زمین کی مادی حیات و نمو کے لئے آسمانوں پر بدلیاں

پھیلتیں، چمکتیں اور موسلا دھار پانی برستا ہے، ٹھیک اسی طرح روح و قلب کی فضا میں بھی تغیرات ہوتے ہیں۔ یہاں اگر زمین کی مٹی، پانی کے لئے ترستی ہے، تو وہاں بھی انسانیت کی محرومی، ہدایت کے لئے تڑپنے لگتی ہے۔ یہاں پتے جھڑتے ہیں، ٹہنیاں سوکھنے لگتی ہیں اور پھولوں کے رنگین ورق بکھر جاتے ہیں تو تم کہتے ہو کہ آسمان کو رحم کرنا چاہئے۔ وہاں جب سچائی کا درخت مرجھا جاتا ہے، نیکی کی کھیتیاں سوکھ جاتی ہیں، عدالت کا باغ ویران ہو جاتا ہے اور خدا کے کلمہ حق و صدق کا شجرہ طیبہ، دنیا کے ہر گوشہ اور ہر حصہ میں بے برگ و بار نظر آنے لگتا ہے تو اس وقت روح انسانیت چیختی ہے کہ خدا کو رحم کرنا چاہئے۔ یہاں زمین پر موت طاری ہوتی ہے تو خدا کی بارش اسے زندگی بخشی ہے، وہاں انسانیت ہلاک ہو جاتی ہے تو خدا کی ہدایت پھر اسے اٹھا کر بٹھا دیتی ہے۔

عالم انسانیت کی فضاء روحانی کا ایک ایسا ہی انقلاب تھا جو چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں ظاہر ہوا۔ وہ رحمت الہی کی بدلیوں کی ایک عالم گیر نمود تھی، جس کے فیضان عام نے تمام کائنات ہستی کو سرسبزی و شادابی کے بشارت سنائی اور زمین کی خشک سالیوں اور محرومیوں کی چوٹیوں پر کہا تھا کہ میں اپنی قدرت کی بدلیوں کے اندر آتشیں بجلیوں کے ساتھ آؤں گا اور دس ہزار قدسیوں کے ساتھ میرے جاہ و جلال الہی کی نمود ہوگی۔ سو بلا آخروہ آگیا اور سعیر اور فاران کی چوٹیوں پر اس کے ابر کرم کی بوندیں پڑنے لگیں۔

یہ ہدایت الہی کی تکمیل تھی، یہ شریعت ربانی کے ارتقاء کا مرتبہ آخری تھا، یہ سلسلہ ترسیل رسل و نزول صحف کا اختتام تھا، یہ سعادت بشری کا آخری پیام تھا، یہ وراثت ارضی کی آخری بخشش تھی، یہ امت مسلمہ کے ظہور کا پہلا دن تھا اور اس لئے یہ حضرت ختم المرسلین و رحمۃ اللعالمین محمد بن عبداللہ کی ولادت باسعادت تھی۔

یہی واقعہ ولادت نبوی ہے، جو دعوت اسلامی کے ظہور کا پہلا دن تھا اور یہی ماہ ربیع الاول ہے جس میں اس امت مسلمہ کی بنیاد پڑی، جس کو تمام عالم کی ہدایت و سیادت کا منصب عطا ہونے والا تھا۔ یہ ریگستان حجاز کی بادشاہت کا پہلا دن نہ تھا، اس میں صرف نسلوں اور ملکوں کی

دعوت نہ تھی۔ جیسا کہ ہمیشہ ہوا ہے اور جیسا کہ دنیا کی تمام تاریخ کا انتہائی سرمایہ ہے، بلکہ یہ تمام عالم کی ربانی بادشاہت کا یوم میلاد تھا۔ یہ تمام دنیا کی ترقی و عروج کے بانی کی پیدائش تھی۔ یہ تمام کرہ ارضی کی سعادت کا ظہور تھا۔ یہ تمام نوع انسانی کے شرف و احترام کا قیام عام تھا۔ یہ انسانوں کی بادشاہتوں، قوموں کی بڑائیوں اور ملکوں کی فتوحات کا نہیں، بلکہ خدا کی ایک ہی اور عالم گیر بادشاہت کے عرش و جلال و جبروت کی آخری اور دائمی نمود تھی۔

پس یہی دن سب سے بڑا ہے کیونکہ اسی دن کے اندر دنیا کی سب سے بڑی بڑائی ظاہر ہوئی۔ اس کی یاد نہ تو قوموں سے وابستہ ہے اور نہ نسلوں سے، بلکہ وہ تمام کرہ ارضی کی ایک عام اور مشترکہ عظمت ہے، جس کو وہ اس وقت تک نہیں بھلا سکتی جب تک کہ اس سچائی اور نیکی کی ضرورت ہے اور جب تک کہ اس کی زمین اپنی زندگی اور بقاء کے لئے عدالت اور صداقت کی محتاج ہے۔“

میلاد النبی ﷺ

کا پیغام دنیائے انسانیت کے نام

(علی اکبر قادری الازہری)

۱۲ ربیع الاول تاریخ انسانی کا ہی نہیں کائنات عالم کا بھی عظیم ترین دن ہے۔ یہ دن توحید باری تعالیٰ کی پرچم کشائی اور ظلم و ستم میں جکڑی ہوئی اقوام اور سسکتی ہوئی انسانیت کی رہائی کا دن ہے۔ یہ دن صد اقتوں کا امین اور سعادتوں کا پیامبر ہے۔ اس کے بعد آنے والے وقت نے یہ ثابت کر دیا کہ واقعی اس مطلع صبح ازل نے تاریخ انسانی کو فیصلہ کن موڑ پر لاکھڑا کیا تھا۔ وہ دن دنیا کے لئے نئی روشنی کا دن تھا۔ ایک ایسی روشنی جس نے تاریخ انسانی کو افراط و تفریط سے ہٹا کر اعتدال و توازن کے صراط مستقیم پر گامزن کیا اور اسے جہالت کے ان گنت دبیز پردوں سے نکال کر زندگی کی روشن راہوں پر لایا۔ تمام طبقاتی، نسلی، لسانی اور جغرافیائی بتوں کو توڑ کر صفحہ ہستی پر ایسے نئے خدائی نظام نے جنم لیا جس کے تحت محبت و مروت کے جذبوں کی نشوونما ہوئی۔ بتکدہ عالم میں توحید ربانی کے نغمے گونجنے لگے اور صدیوں سے غافل انسان اپنے خالق و مالک کی دہلیز پر جھک گیا۔

لاکھوں اور کروڑوں درود و سلام ہوں اس ذات اقدس ﷺ پر جس کے سر انور پر خود خالق کائنات نے رحمۃ للعالمین کا تاج سجا کر پوری انسانیت کیلئے سرچشمہ ہدایت و رحمت بنایا اور آپ ﷺ کو خاتم المرسلین کے منصب جلیلہ پر فائز فرمایا۔ آغاز تخلیق کائنات سے لے کر آج اور آج سے قیامت و مابعد تک جس کو جو کچھ ملا یا ملے گا، آپ ﷺ کے فیضان کرم کا تصدق ہوگا بلکہ ظہور ہات سے لے کر اس میں پھیلی ہوئی ہر چیز کا وجود اور ان اشیاء میں موجود نور و نکہت، رنگ و بو اور نشیمن، ری رعنائیاں آپ ﷺ کے دم قدم سے قائم و دائم ہیں۔ اقبال کی زبان میں.....

عالم آب و خاک میں ترے ظہور سے فروغ

ذره ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب

حضرات محترم! میلاد النبی ﷺ کی اس صبح سعادت سے آج تک تقریباً ساڑھے چودہ سو سال سے زائد کا طویل عرصہ بیت چکا ہے۔ آپ ﷺ کے نام لیوا ہر سال اس صبح سعید کا استقبال حتی المقدور جذبہ ایمانی اور ملی جوش و خروش سے کرتے آئے ہیں۔ یوم میلاد کو کما حقہ منانے کیلئے اس سے لاکھوں درجے جوش و جذبہ، جشن، تقریبات اور جلوس وغیرہ کا اہتمام ہونا چاہئے کیونکہ یہ دن امت محمدیہ ﷺ کیلئے سال بھر میں افضل ترین دن ہے۔ اسے شایان شان طریقے سے منانے کیلئے جتنی کوشش، محنت اور جانی و مالی قربانی ہو سکے کرنی عین تقاضائے ایمان ہے لیکن ایک زندہ و باشعور امت ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اس دن کو بطور عید منانے کے ساتھ ساتھ یوم تجدید عہد کے طور پر بھی منائیں۔

ہمارے سوچنے سمجھنے اور غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ہماری زندگیوں میں یہ ماہ مبارک جتنی مرتبہ پلٹ کر آیا، کیا ہم نے ایک مرتبہ بھی اس کے دامن میں تشریف لانے والی ہستی نبی اکرم ﷺ کے پیغام پر کان دھرے؟ کیا ہم نے جشن میلاد النبی ﷺ مناتے ہوئے کبھی سوچا کہ آج کے دن پیدا ہونے والے نبی اکرم ﷺ و آخر کا مقصد بن عثت کیا تھا؟ انہوں نے زندگی بھر کیا امور سرانجام دیئے ہم پر کیا فرائض عائد ہوتے ہیں اور ان کے نام لیوا ہونے کی حیثیت سے ہم نے ان کے پاکیزہ مشن کیلئے کتنی قربانیاں دی ہیں؟ اس سے پہلے کہ آج ہم اپنی ذمہ داریوں کا مختصر جائزہ لیں یہ اچھی طرح ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو کس لئے مبعوث فرمایا اور زندگی بھر آپ ﷺ نے اس مقصد کی تکمیل کے لئے کیا کچھ کیا۔

قرآن حکیم میں حضور ﷺ کی بعثت مبارکہ کا مقصد و مدعا یوں بیان ہوا ہے۔ ”وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے اپنے رسول اللہ ﷺ کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ وہ اس (دین) کو سب ادیان (باطلہ) پر غالب کر دے، خواہ مشرک لوگ اس کی کتنی ہی

مخالفت کیوں نہ کریں“ (الصّف: ۹)

گویا آپ ﷺ کی بعثت مبارکہ کا مقصد محض دعوت و تبلیغ ہی نہیں بلکہ دین حق کا عملی نفاذ اور اسے دیگر ادیان باطلہ پر غالب و فائق کرنا بھی تھا۔ یہی وہ ذمہ داری تھی جسے سرکارِ دو جہاں ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں کما حقہ پورا فرمایا۔ اس راہ میں خواہ آپ ﷺ کو اپنا جسم انور لہولہان کرنا پڑا، گلے مبارک میں پھندے ڈلوانے پڑے، تین تین سال شعب ابی طالب میں اپنے خاندان اور مشنری ساتھیوں سمیت بھوکے پیاسے رہنا پڑا، معاشرتی بائیکاٹ ہوا، طائف کے بازاروں میں پتھروں کی بارش برداشت کرنا پڑی، مکہ جیسا وطن چھوڑا، عزیز واقارب، دوست احباب چھوڑ کر ہجرت فرمائی، سیدنا صدیق اکبرؓ کے ہمراہ تین دن رات غار ثور کی تاریکیوں میں بسر کئے، مدینہ پہنچے تو بے شمار معاشرتی، معاشی اور سیاسی معاملات نمٹانے کے ساتھ ساتھ کثرت سے اسلام دشمنوں کی سازشوں اور کفار کے مسلسل حملوں کا نہ صرف مقابلہ کیا بلکہ ہر بار ان کو عبرت ناک شکست دی۔

تاریخ انسانیت میں دس سالہ مختصر عرصے میں کسی قیادت، جماعت یا ریاست کو اتنی کثرت سے اتنی سخت مزاحمت کا مقابلہ نہیں کرنا پڑا۔ یاد رہے کہ اس دس سالہ مدنی دور نبوت میں تقریباً چھوٹی بڑی ۱۰۰ جنگیں ہوئیں جن میں سے ۲۶ میں آپ ﷺ خود بطور سپہ سالار شریک ہوئے۔ یہ سب کچھ کیوں ہوتا رہا؟ کیا کفار مکہ کو مسلمانوں کی مذہبی رسومات سے خطرہ تھا؟ ہرگز نہیں۔ مسلمان اپنی جگہ اللہ اللہ کرتے رہتے اور اس بات پر معاہدہ کر لیتے کہ کعبۃ اللہ ہمارے حوالے کر دو، ہم پانچ وقت اذان دے کر نمازیں پڑھتے رہیں گے۔ سال میں ماہ رمضان آئے گا تو روزے رکھ لیا کریں گے۔ حسب توفیق زکوٰۃ ادا کر دیں گے اور حج کا مہینہ آئے گا تو ہم حج بھی کر لیں گے، بس یہی ارکان اسلام تھے جن کی ادائیگی بغیر جنگ و جدال کے آسانی ہو سکتی تھی۔

اگر اسلام محض ان ارکان اسلام پر عمل کر لینے، بعض معاملات میں حلال و حرام کی تمیز برتنے اور حسب ضرورت خدا کی راہ میں مستحقین پر تھوڑا بہت مال خرچ کر دینے کا ہی نام ہوتا تو حضور ﷺ اپنے جانثار صحابہؓ سمیت اپنے جسم تیروں سے چھلنی نہ کرواتے، صحابہ گھربار چھوڑ کر ہجرت

حبشہ اور بعد ازاں ہجرت مدینہ نہ کرتے۔ بڑی آسانی سے قریش مکہ کے ساتھ سمجھوتہ ہو سکتا تھا کہ تم ہمارے مذہب کو نہ چھیڑو، ہم تمہارے باطل اور منافقانہ نظام کو نہیں چھیڑتے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ پھر مسلمان جب ہجرت کر کے مکہ سے سینکڑوں میل دور جا بے تھے چاہئے تو یہ تھا کہ یہاں دونوں فریق کبھی نہ الجھتے لیکن جب تک مکہ فتح نہیں ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے فتح مبین کے ذریعے پورے عرب پر اسلام کا پرچم لہرا نہیں دیا، کفار نے مسلمانوں کے ساتھ اس وقت تک شدید مزاحمت جاری رکھی اس لئے کہ کفار کو اسلام کے اس انقلابی منشور سے خطرہ تھا جس کے تحت ہر سطح پر ان کی اجارہ داریاں ختم ہو رہی تھیں اور منصفانہ اسلامی نظام سیاست و معیشت کی موجودگی میں انہیں اپنے مذموم مفادات خطرے میں پڑتے نظر آ رہے تھے۔ چنانچہ جب سرزمین عرب اسلام کے زیر نگیں آچکا اور وہاں ایک فلاحی سیاسی قوت دنیا کے نقشے پر ابھر آئی تو حجتہ الوداع کے تاریخی موقع پر اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو آخری پیغام بھیجا۔ ”الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي“ ”محبوب آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی۔“

اگر دین محض عبادات و ریاضات کی ادائیگی اور تکمیل کا نام ہوتا تو اللہ تعالیٰ یہ آئیہ مبارکہ فتح مکہ کے بعد نہ اتارتے اور نہ ہی اس سیاسی غلبہ و تفوق کو اتمام نعمت سے تعبیر فرماتے۔ جب تک بعثت نبوی ﷺ کے اس حوالے سے مسلمان اپنی ذمہ داریاں نبھاتے رہے زمانہ گواہ ہے ہر جگہ اور ہر دور میں باعزت اور باوقار رہے، غالب و فائق رہے لیکن جیسے ہی ہماری نظروں سے مقصد بعثت نبوی ﷺ اوجھل ہوا ہم نے حالات سے سمجھوتہ کر لیا۔ ہم انفرادی، قومی اور بین الاقوامی سطح پر نہ صرف پستی کا شکار ہوئے بلکہ کفر و طاغوت ہم پر مسلط ہو گیا۔ آج جب ہم جشن میلاد النبی ﷺ مناتے ہیں تو ہمیں اس حقیقت پر بھی غور کرنا ہوگا کہ اس وقت پوری امت مسلمہ شکست خوردگی کے عالم میں زخموں سے کیوں کرا رہی ہے؟ مسلمان دنیا کے ہر خطے میں موجود ہیں لیکن یہ موثر قوت نہیں، ان کے پاس دولت کے انبار بھی ہیں مگر بے دست و پا ہیں۔ ان کا کوئی پرسان حال نہیں۔ فلسطین، لبنان، آذربائیجان، بھارت، کشمیر، بوسنیا، چیچنیا اور بے شمار دوسرے ممالک میں نہتے

مسلمانوں پر ظلم کی ناقابل بیان داستان دھرائی جا رہی ہے لیکن اسلام دشمنوں کو کوئی پوچھنے والا نہیں۔ یہ تو ہے مسلمانوں کا حال! دوسری طرف اس ترقی یافتہ سائنسی دور کا جائزہ لیں تو ہر انسان مضطرب ہے۔ اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے خطرناک آتشیں ہتھیاروں نے اسے غیر محفوظ کر دیا ہے۔ مادیت پرستی نے پوری دنیا میں حیات بخش روحانی اقدار کو مسمار کر دیا ہے۔ قتل و غارت گری بے حیائی، عریانی، فحاشی اور بدکاری کے ماحول نے موجودہ تہذیب کو صدیوں پیچھے دھکیل دیا ہے۔ الغرض انسانیت آج پھر سسک رہی ہے۔ عدل و انصاف کے دروازوں پر تالے پڑ گئے ہیں۔ آج پھر نسلی، لسانی اور جغرافیائی بتوں کی پوجا ہو رہی ہے۔ انسانوں نے پھر بے جہت منزلوں کا سفر شروع کر دیا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نیا نبی نہیں آئے گا جو اس بھٹکتی ہوئی انسانیت کو راہ راست پر لگائے۔ ان حالات میں مسلمانان عالم کا فرض ہے کہ وہ علم و عمل اور سیرت و کردار کے زیور سے آراستہ ہو کر اپنا تاریخی کردار ادا کریں اور مقصد بعثت نبوی ﷺ کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی تمام تر صلاحیتیں بروئے کار لائیں اور اسلام کا پیغام محبت و رسالت پوری دنیا میں پھیلا دیں۔

امت مسلمہ کے غیور نوجوانو! آج آقا ﷺ کا دین تمہیں پکار رہا ہے۔ حضور ﷺ کی پوری امت زبوں حالی کا شکار بنی آپ کی راہیں دیکھ رہی ہے۔ دین کے نام نہاد علمبردار (الاماشاء اللہ) خود غرضی، مفاد کوشی اور نفس پرستی کا شکار ہو چکے ہیں۔ اسلامی معاشروں میں اخلاقی و روحانی اقدار تیزی کے ساتھ ختم ہو رہی ہیں۔ کسی کو اصلاح احوال کی فکر نہیں کوئی ابتر احوال ملت پر دل گرفتہ نہیں..... ایسے میں آپ کے سامنے اب دو راستے ہیں....

☆ ایک یہ کہ آپ اپنی اس بے حسی اور منافقت کی زندگی کو جاری رکھیں اور یہ سوچنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کریں کہ امت مسلمہ کے افراد کی حیثیت سے آپ کی بھی کچھ ذمہ داریاں ہیں یا نہیں۔ اس کے برعکس

☆ دوسرا راستہ یہ ہے کہ آپ ملت اسلامیہ کو درپیش داخلی و خارجی اور نظریاتی و جغرافیائی چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ عظیم قوم کے عظیم فرزندوں کی طرح اٹھ

کھڑے ہوں اور اپنے اسلاف کے طریقوں پر عمل کرتے ہوئے خود کو اسلام کے مطلوبہ معیار کے مطابق ڈھالیں اور باہم متحد و متفق ہو کر دنیا پر چھائی ہوئی تمام استحصالی قوتوں کے خلاف سینہ سپر ہو جائیں۔ یہ دوسرا راستہ ہی دین حمیت و غیرت اور تقاضائے غلامی رسولؐ کو نبھانے کا راستہ ہے، اسی راستے پر چل کر مصطفوی انقلاب کا سوریا طلوع ہو سکتا ہے۔ یہ اتنا آسان کام نہیں کہ گھر بیٹھے کامیابی مل جائے۔ اس کیلئے آپ کو حضور ﷺ کے جانشین صحابہؓ کی طرح مصائب و آلام کی بٹھی سے گزرنا ہوگا، اس راستے میں بڑے نشیب و فراز آئیں گے، جگہ جگہ رکاوٹوں کے پہاڑ آپ کا راستہ روکیں گے۔ اپنوں اور بے گانوں کی مخالفت ہوگی، جان مال اور بیوی بچوں کی محبت کے حصار سے اوپر اٹھ کر اس دین کیلئے کمر بستہ ہونا پڑے گا۔ علم، ہنر، دولت اور جملہ ذاتی مفادات کی قربانی دینا ہوگی۔ (اگست ۹۵ء)

میلا دالنبی ﷺ

کارسازِ قدرت کا شاندارون

(مولانا نعیم الدین مراد آبادی)

”دائرہ کائنات کا مرکز، مجموعہ مخلوقات کا حرف اولین، گلزارِ خلاق کا سب سے نفیس پھول، آسمان و جود کا نیر اعظم، وہ تاباں و درخشاں نور عالم افروز ہے جس کے ظہور نے اپنے پر تو جمال کے فیضان سے کائنات کو مالا مال کر دیا۔ اس ہستی مقدس کا کوئی نظیر ہے نہ مثیل، نہ ہمتانہ عدیل، لاثانی نے لاثانی بنا دیا ہے، بے نظیر نے بے مثال پیدا کیا ہے۔ اس روح مصور، جان مجسم پر بے شمار درود جس کے وجود نے وجود بے کیف کا پتا دیا، جس کے حسن ملیح نے محبوب حقیقی کے حسن کا خطبہ پڑھا۔ جو آنکھ میں نہ اتر سکتا تھا، وہ دل میں سما یا، جس کا پتا نہ تھا، وہ رہنما ہوا۔

کائنات میں کسی ہستی کا ظہور، کسی نئے نقش کی نمود، کسی وجود کا نہاں خانہ عدم سے قدم نکالنا بڑی پر لطف بات ہے، جس کے لئے خوشیاں منائی جاتی ہیں، انتظار کھینچے جاتے ہیں، آنکھیں شوق دیدار کے لئے وا ہوتی ہیں، دلوں کو سرور کی لذت حاصل ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ انسانی مصنوعات، جو اپنے ہی جیسے افراد کی عقل و تدبیر کا نتیجہ ہیں، ان پر کس قدر خوشیاں کی جاتی ہیں۔ ریل جب ایجاد ہوئی، اس کی تعریف سے ہرزبان نے استلزاذ کیا۔ ہوائی جہاز کی خبریں کس شوق سے سنی جاتی ہیں۔ جب ادنیٰ درجے کی موجودات اور اپنے وہم و خیال کی بنیادوں پر تعمیر کی ہوئی عمارت تک کا عالم ہستی میں نمودار ہونا ایک وقعت رکھتا ہے اور فرح و انبساط کا موجب ہوتا ہے، تو کسی اعلیٰ مخلوق کا پیکر و جود میں ظاہر ہونا اور صنایع عالم کی قدرت کے کرشمے اور بدیع نگاری کے مرقع کا رونما ہونا کتنی شان و شوکت، کیسی عظمت و جلالت، کس قدر فرح و طرف کے لوازم اپنے ساتھ رکھتا ہوگا اور دنیا میں اس کے ظہور سے کیسی تجلی اور روشنی اور کیسی دھوم دھام ہوگی۔

ہر طرف کفر و ضلالت کی گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ کعبہ معظمہ اور بیت المقدس کے درو دیوار اس غم میں خون در دل تھے، حرم شریف فریاد کر رہا تھا، بیت اللہ ہمہ تن آنکھ بن کر اس مقدس آنے والے کی راہ تک رہا تھا، جس کے قدم پاک کے ساتھ اس کی عزت و عظمت، حق کا ظہور اور خلق کی اصلاح و درستی وابستہ تھی۔ صفا و مروہ گردنیں اٹھائے ہوئے اس ہادی اعظم کا راستہ دیکھ رہے تھے۔ جس کی تشریف آوری کا مژدہ مسیح و خلیل ہی نہیں بلکہ تمام انبیاء دیتے آئے تھے۔ سرزمین حجاز کا ذرہ ذرہ محبوب حق کے قدموں سے پامال ہونے کی تمنا میں دل پر ارمان بنا ہوا تھا۔ زمزم کا دل ایک بحرِ وجود و کرم کی یاد میں پانی پانی ہو رہا تھا۔

بیت المقدس کی آنکھیں اس مقتدائے عالم کا انتظار کر رہی تھیں، جس کے ورود سے اس کی دوبارہ آبادی متوقع تھی اور جو اس گروہ انبیاء کی امامت فرمانے والا تھا۔ بطحا کا ہر سنگریزہ اس عالم نواز ربانی کی قدم بوسی کا تمنائی تھا جس کی جلوہ افروزی کا غلغلہ ابتدائے عالم سے تمام دنیا میں مچا ہوا تھا۔

کار ساز قدرت نے اس وجود اقدس کو نرالے انداز کے ساتھ عجیب شان و شوکت سے ظاہر فرمایا۔ دنیا میں تبدیلیاں ہوئیں، قحط سالی رفع ہوئی، خشک اور چٹیل میدان سرسبز و شاداب ہوئے، سوکھے ہوئے درخت پھل لائے، دبلے جانور فر بہ ہو گئے، عالم کا نقشہ بدل گیا، دنیا کی کایا پلٹ گئی، نظام قدرت کے عظیم الشان تبدیل نے ایک بشر الہی کے ظہور کا پتہ دیا۔ بت خانوں میں ہلچل مچی، بت سر بخاک ہوئے، جھوٹی خدائی کی جھوٹی شوکت خاک میں ملی۔ باطل معبودوں کی رسوائی و خواری نے ان کے بطلان کی شہادت دی۔ آتش خانوں کی صد ہا سالہ آگ سرد ہوئی، عزت و جبروت والے بادشاہوں کے قصر و ایوان زلزلے میں آئے۔ فلک رفعت قلعوں کی کوہ سماں دیواریں شق ہوئیں، کنگرے سر بسجود ہوئے، شیاطین کے تحت الٹ گئے، ربانی انوار خطہ خاک کی طرف متوجہ ہوئے، آرزو مند ان جمال کی چشم تمنا وا ہوئی، نرگس منتظر کا فرش بچھا، رحمت الہی کا شامیانہ تنا، گلشن تمنا میں باد مراد چلی، بام کعبہ پر علم سبز نصب ہوا، کونین کے تاجدار کی آمد کا غلغلہ ہوا، جہان نور سے معمور ہوا، فرح و طرب نے عالم پر قبضہ کیا، شب غم نے بستر اٹھایا، صبح امید نے چہرہ دکھایا، ۱۲ ربیع الاول صبح صادق کے وقت نے طلوع فرمایا۔“

میلا دالنبی ﷺ

جب جنت زمیں پر اتری

(ماہر القادری)

”زندگی خواب ہے۔۔۔ اور بہت سے خواب سچ سچ زندگی بن جاتے ہیں۔ ہر کسی کو ایسے سچے خواب دکھائی نہیں دیتے۔ بہت سے لوگ خوابوں کو تصورات کی افسانہ طرازی اور اوہام کی بت گری بتاتے ہیں۔ لیکن اپنی اپنی وسعت فکر و خیال اور دل و نگاہ کی پاکیزگی کی بات ہے۔ بعض خواب اوہام کی شیشہ گری سے بلند ہوتے ہیں، حال و مستقبل کے برزخ کی اس طرح مثالی سیر کرائی جاتی ہے کہ آنے والے واقعات کا عکس آئینہ ادراک پر پڑنے لگتا ہے۔۔۔ یہ خواب دوسروں کی بیداریوں سے زیادہ سچے، کارآمد بلکہ مقدس ہوتے ہیں۔

اس دنیا میں بہت سے ایسے بھی ہیں جو جاگتے ہیں مگر ان کے دل سوتے رہتے ہیں۔ نفس و آفاق کی ایک نشانی میں بھی انہیں ہدایت کا کوئی اشارہ نہیں ملتا، ماضی اور حال کے واقعات کی رصدگاہ سے مستقبل کی ایک پرچھائیں بھی ان کو نظر نہیں آتی، ساری زندگی بے خبری میں گزر جاتی ہے۔۔۔ مگر کچھ سعید رو حیں عالم خواب میں بھی بیداری کی نعمتوں سے بہرہ مند ہوتی ہیں اور مستقبل ان کے سامنے آپ ہی آپ آکھڑا ہوتا ہے۔۔۔

آمنہ کو خواب نظر آنے لگے۔ نہایت ہی عجیب و مساک خواب! کبھی یہ کہ بی بی آمنہ کا جسم خاک کی یکبارگی آئینہ کی طرح جھلکنے لگا اور روئیں روئیں سے سرد شعائیں نکلنے لگیں، کبھی کانوں سے سنا کہ بہشت کی حوریں، آسمان کے فرشتے اور مقدس رو حیں مبارک باد دے رہی ہیں۔ کبھی سوتے میں ایسا محسوس کیا کہ وہ اپنے نورانی اور شفاف جسم کے ساتھ بلندی پر ہے۔ اونچے سے اونچے پہاڑ پست

نظر آتے ہیں۔ آمنہ کے تلوے ستاروں کو چھو رہے ہیں اور چاروں طرف تہنیت اور تبریک کے زمزمے چھڑے ہیں۔

دستور کے مطابق قبیلہ کی عورتیں آمنہ کی مزاج پرسی کے لئے آتیں تو انہیں کچھ ایسا نظر آتا جیسے بام کعبہ سے لے کر عبداللہ کے گھر تک نور کا شامیانہ تنا ہوا ہے، جسے کافوری شمعوں سے زیادہ اجلے اور روشن ہاتھ تھا مے ہوئے ہیں۔ گھروں میں چرچے ہونے لگے کہ آمنہ پر آسمان کی نورانی دیویاں بہت مہربان ہیں۔ وہب کی بیٹی، عبدالمطلب کی بہو، عبداللہ کی شریک حیات اور ہونے والے بچہ کی ماں آمنہ خود زہرہ و مشتری بنی جا رہی ہے۔

۔۔۔۔۔ ”اے لو! ستارے زمین پر جھک آئے۔ یہ آج کیا ہو رہا ہے۔۔۔۔۔ عبداللہ کی پھوپھی نے کہا۔“

۔۔۔۔۔ ”میں بھی تو یہی دیکھ رہی ہوں کہ جتنی روشن یہ پچھلی رات ہے اتنے اجلے تو دن بھی نہیں ہوتے۔“۔۔۔ ایک بوڑھی عورت نے جواب دیا۔

۔۔۔ ام معبد! اور یہ خنک ہوائیں، باد صبح گا ہی کے جھونکے، نسیم سحر کی اٹکھیلیاں، درو دیوار جھومے جا رہے ہیں، طائف کے سبزہ زاروں اور باغیچوں کی بھی میں نے صبحس دیکھی ہیں پر آج کی صبح تو سب سے عجیب ہے۔۔۔ اور خوشبو کی لپٹیں جیسے یمن کا تمام عطر جمع کر کے کسی نے چھڑک دیا ہے۔ کاش! اس رات کی صبح نہ ہوتی اور ہم سدا یہی منظر دیکھتے رہتے۔۔۔ تیسری عورت نے دوپٹے کا آنچل موڑتے ہوئے کہا۔

قریش کے جن گھرانوں میں لوگ آج جلد اٹھ بیٹھے تھے وہ اپنے بتوں کو تھامتے تھامتے اور اٹھاتے اٹھاتے تھک جاتے تھے۔۔۔ مگر بت کس طرح کھڑے رہنے کے لئے تیار نہ تھے۔ ان کی پیشانیاں آپ ہی آپ سجدے میں جھکی جا رہی تھیں۔

۔۔۔ آج کیا ہو گیا ہے میرے معبود کو، لیٹے جاتے ہیں، گرے جاتے ہیں، شاید نیند آرہی ہے مگر بت تو سویا نہیں کرتے۔ کہیں مجھ سے ناراض تو نہیں ہو گئے، لاؤ پھر ایک بار خلوص

عقیدت کے ساتھ سجدہ کروں۔۔۔ بوڑھے قریشی نے بت کو دیوار کے سہارے کھڑا کر کے سجدہ کیا اور پھر جو سراٹھایا تو بت کا ماتھا بھی زمین پر دیکھا۔ اتنے میں ایک عورت دوڑی ہوئی آئی اور بوڑھے کا ہاتھ تھام کر بولی۔

۔۔۔۔ ”میرے ساتھ چل کر دیکھو، فریسہ کا معبود، زہیر کا حاجت روا، قیس کا بت اور خود میرا خدا سب کے سب خاک پر پیشانی کے بل گرے پڑے ہیں۔“

اس پر بوڑھے عرب نے عورت کا ہاتھ جھٹک کر کہا:

۔۔۔۔ ”میں خود اس پریشانی میں مبتلا ہوں، میرے معبود کو نہیں دیکھ رہی ہو، خاک پر سر رکھا ہے! تم اپنے معبودوں کو سنبھالو، میں اپنے خدا کو تھامتا ہوں۔“

جہاں عبدالمطلب کے گھر میں آمنہ پر سرور آمیز غنودگی سی طاری تھی، اسی عالم میں اس کے کانوں نے سنا:

۔۔۔۔ ”یہ اسماعیل ذبح اللہ کی ماں ہاجرہ ہیں۔“

آواز تھوڑی دیر کے لئے رک گئی اور وقفہ کے بعد زیادہ شیریں لہجہ میں کسی نے کہا:

۔۔۔۔ ”ام احمد! دعائے ابراہیم مبارک!“

پھر فضا میں قدرے سکوت کے بعد ایک صدا گونجی:

۔۔۔۔ ”آمنہ! یہ عیسیٰ روح اللہ کی ماں مریم ہیں، کنواری مریم! شہر جلیل کے مبلغ کی

والدہ محترمہ!۔۔۔۔

پھر دوسری آواز:

۔۔۔۔ ”ام احمد! نوید مسیحا مبارک!“

ابھی دن رات ملے جلے تھے اس لئے دونوں کی تقدیروں کو ایک ساتھ چمکنا تھا۔ سپیدہ

سحر نمودار ہو ہی رہا تھا، غنچوں کی نازک گرہیں کھل رہی تھیں، لالہ و گل کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر رہی

تھی، بنفشہ و شقیق کی نازک پتیوں پر شبنم کے موتی ڈھلک رہے تھے۔ سرو و شمشاد نے پھولوں کی

مہک پا کر انگڑائی لی۔ طائران خوشنوا کی چہکاروں سے تمام فضا نغمہ زار بن گئی، جنت آج سچ سچ زمین پر اتر آئی تھی۔ صفا کی وادی، مردہ کے سنگریزے، قیس کی چوٹیاں اور عرفات کا میدان نور کی جھلکیوں میں جھم جھم کر رہا تھا۔

ستارے جھلملا رہے تھے، کلیاں چمک رہی تھیں اور پھول مہک ہی رہے تھے کہ اتنے میں گھر کی عورتیں خوشی سے بے تاب ہو کر پکاریں:

--- "کوئی عبدالمطلب کو جا کر مبارک باد دو!"

عبدالمطلب اس مژدے کے سنتے ہی تیزی کے ساتھ آئے، خوشی کے مارے پاؤں بہکے بہکے سے پڑ رہے تھے۔ عبدالمطلب کے رخساروں کی جھریوں میں مسرت جھل مل، جھل مل کر رہی تھی۔ آمنہ نے فرط غیرت سے چادر منہ پر ڈال لی۔ عبدالمطلب نے پوتے کو دیکھا، پیشانی کو چوما۔ ان کی آنکھوں میں بجلیاں سی چمک رہی تھیں۔

--- سید القریش! اتنا نورانی چہرہ آپ نے آج تک دیکھا نہ ہوگا۔۔۔ عورتوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

--- لاریب نہ صرف میں نے شاید دنیا میں کسی آنکھ نے ایسے جلوے نہ دیکھے ہوں، چاند، سورج، کہکشاں، قوس قزح، پھول، غنچے، حیران ہوں کہ کس چیز سے اس نونہال کے چہرے کو تشبیہ دوں! اس کے حسن و جمال کے سامنے تو یہ سب پھیکے اور بے رنگ ہیں! اور یہ باتیں مجھ سے محبت میں نہیں کہلواری ہیں، یہ حقیقت ہے جو عبدالمطلب کی زبان سے آپ ہی آپ بول رہی ہیں۔۔۔ عبدالمطلب کے جواب پر عورتوں میں باہم سرگوشیاں ہونے لگیں۔ جیسے کوئی اپنے دل کی بات کہنا بھی چاہے اور کسی سبب سے کھل کر نہ کہہ سکے۔

--- یہ کیا سرگوشیاں ہو رہی ہیں! اچھا! گیت گانا چاہتی ہو، میں چلا جاؤں، مجھ بوڑھے کے سامنے دف بجاتے ہوئے شرم آتی ہوگی۔۔۔ عبدالمطلب کے کہنے پر عورتیں بولیں:

"یا ابا عبد اللہ! رات ہم نے اپنی ان آنکھوں سے جو کیفیت دیکھی ہے، اگر کسی کے

سامنے بیان کریں تو لوگ کہیں گے کہ یہ عورتیں دیوانی ہو گئی ہیں، کسی نے ان پر جادو کر دیا ہے، ان کے دماغ میں خلل آ گیا ہے، رات کا سماں لفظوں میں ادا نہیں ہو سکتا، وہ دیکھنے ہی کی چیز تھی، کہنے کی نہیں! اور کوئی کہنا بھی چاہے تو وہ کیفیتیں لفظوں میں کہاں سما سکیں گی۔۔۔ عبدالمطلب نے مسکرا کر جانا چاہا۔

۔۔۔۔ ”ابن عبداللہ کہا کریں اس ہاشمی نونہال کو؟“۔۔۔ ایک خاتون نے دریافت کیا۔

۔۔۔۔ اچھا! نام کی طرف اشارہ ہے! بہت خوب! عبداللہ کے لخت جگر اور آمنہ کے

نور نظر کا نام ہم نے رکھا۔ احمد ہاں محمد بھی، تمام دنیا میں تعریف کی جائے گی، میرے چاند کی! (فضا

میں معاً ایک دھیمسا سا غیبی نغمہ گونجا۔۔۔ زمینوں میں ہی نہیں آسمانوں میں بھی اس کی حمد و ستائش

کے نغمے بلند ہوں گے) عبدالمطلب کا جواب سن کر آمنہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی جیسے اس

کے دل کی بات عبدالمطلب کی زبان پر آ گئی۔

مقصود کائنات ﷺ

کا جشن ولادت

(غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی)

ربیع الاول کا نورانی مہینہ، وہ مقدس مہینہ ہے جس میں سید الطہیرین و الطاہرین، سید المرسلین جناب احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اس دنیا میں جلوہ گر ہوئے۔

اے ماہ ربیع الاول تیری عظمتوں کو سلام، تیرے دامن میں اللہ کے محبوب کی ولادت باسعادت کے جلوے نظر آ رہے ہیں۔ میرا ایمان ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت نے حقائق کائنات کو منور کر دیا۔ حضور اکرم ﷺ کی ذات مقدسہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا: هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ. ”وہی ہے اللہ جس نے اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھ بھیجا“ یہاں حضور نبی کریم ﷺ کو بھیجنے کا ذکر ہے۔ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا. ”اللہ نے ایمان والوں پر بڑا احسان فرمایا کہ ان میں سے رسول بھیجا۔ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ نُوْرًا وَكِتَابٌ مُّبِينٌ“ تمہارے پاس نور آیا اور روشن کتاب آئی۔“

یا ایہا النبی انا ارسلنک شاہدا ”اے پیارے نبی! ہم نے آپ کو شاہد بنا کر بھیجا“۔ قرآن پاک کے عنوانات کو دیکھئے کہ حضور اکرم ﷺ کے آنے، بھیجے جانے، مبعوث ہونے اور جلوہ گر ہونے کے لئے کیسے کیسے عنوانات اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بیان فرمائے ہیں اور اس سے حضور ﷺ کے تشریف لانے کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے۔ ایک اور مقام پر فرمایا۔ وما ارسلنک الا رحمة للعالمین. اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو (اے محبوب) مگر رحمت سارے جہانوں کے لئے“ (الانبیاء: ۱۰۷) نبی کریم ﷺ کی ذات مقدسہ تمام کائنات کے لئے رحمت ہے

اور حضور نبی اکرم ﷺ تمام عالم کے لئے ہدایت بن کر تشریف لائے اور قرآن نے صاف کہا:
 هو الذی ارسل رسوله بالهدی ”وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت کے
 ساتھ بھیجا“ حضور نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت کا مضمون جب ذہن میں آتا ہے تو تین
 چیزیں اپنے ساتھ لاتا ہے۔

۱۔ خلقت محمدی ﷺ، ۲۔ ولادت محمدی ﷺ، ۳۔ بعثت محمدی ﷺ۔

خلقت سے مراد ہے ساری کائنات سے پہلے حضور نبی کریم ﷺ کا پیدا ہونا، زبان
 نبوت نے فرمایا۔ اول ما خلق اللہ نوری۔ سب سے پہلے اللہ نے میرا نور پیدا کیا“ ایک اور
 حدیث میں ارشاد ہوا یا جابر اول ما خلق اللہ نور نبیک (روح المعانی) ”اے جابر جو چیز
 اللہ نے سب سے پہلے پیدا کی وہ تیری نبی کا نور ہے“۔ امام مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ
 اللہ علیہ نے مکتوبات شریف میں ایک حدیث نقل کی ہے

قال رسول اللہ ﷺ خلقت من نور اللہ۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا میں اللہ کے

نور سے پیدا کیا گیا ہوں۔ یہ ہمارا عقیدہ ہے، ہمارا مسلک ہے، ہمارا مذہب ہے کہ حضور نبی
 کریم ﷺ نور ہیں اور حضور ﷺ، اللہ کے نور سے پیدا ہوئے اور حضور ﷺ نے فرمایا۔ انا اولہم
 خلقا ”میں سب سے پہلے پیدا ہوا ہوں“ و آخرہم بعثنا ”اور سب نبیوں کے بعد آیا“۔ حضور
 کریم ﷺ نے اپنی اولیت کا ذکر اور مقامات پر بھی فرمایا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کنت نسا
 و آدم بین الماء والطين ”یعنی میں نبی تھا جب آدم مٹی اور پانی میں تھے“ ایک اور مضمون اسی
 حدیث کا ترمذی شریف میں بروایت حسن، امام ترمذی نے روایت کیا قال رسول اللہ ﷺ کنت
 نبیا و آدم بین الروح والجسد ”فرمایا میں نبی تھا اور آدم علیہ السلام ابھی جسد اور روح کے مرحلے
 میں تھے“ یعنی ان کی روح ان کے جسم میں داخل نہیں ہوئی تھی اس وقت بھی میں نبی تھا۔

بعض لوگوں نے یہ کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کی روح ان کے بدن
 میں نہیں پڑی تھی تو میں اللہ کے علم میں نبی تھا۔ اب کوئی ان سے پوچھے کہ خدا کے بندو! کیا اس

وقت حضور نبی کریم ﷺ ہی اللہ کے علم میں تھے اور کوئی نبی اللہ کے علم میں نہیں تھا؟ بھائی یہ کیا تماشا ہے اور اگر حضور نبی کریم ﷺ کے علاوہ سب نبی اللہ کے علم میں تھے تو پھر حدیث کا کیا مطلب ہوا؟ اس لئے محققین نے صاف کہا کہ کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد کا مفہوم یہ ہے کہ میں مسند نبوت پر جلوہ گر تھا اور ارواح انبیا علیہم السلام کو نبوت کا فیض عطا فرمایا جا رہا تھا۔

ہمارا مسلک ہے کہ حضور ﷺ مبداء کائنات ہیں، حضور مخزن کائنات ہیں، حضور منشاء کائنات ہیں اور مجھے کہنے دیجئے کہ حضور مقصود کائنات ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے۔ لولاک لما خلقت الدنیا ”یعنی اے پیارے حبیب تو نہ ہوتا تو میں دنیا کو نہ بناتا“۔ ایک حدیث میں آیا لولاک لما خلقت الافلاک ”یعنی میرے نبی اگر تجھے پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو بھی پیدا نہ کرتا“۔ اور تفسیر حسینی میں ایک اور حدیث نقل کی گئی۔ لولاک لما اظہرت الربوبیہ ”پیارے اگر تو نہ ہوتا تو اپنے رب ہونے کو ظاہر نہ کرتا“ اب بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ احادیث ضعیف ہیں، یہ نہیں کہتے کہ ہمارا عقیدہ ضعیف ہے اور میں تو حضور نبی کریم ﷺ کے اول ہونے کا مضمون قرآن سے سمجھتا ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں صاف فرمایا ہے، وما ارسلناک الا رحمة للعالمین ”پیارے حبیب ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر سارے عالموں کے لئے رحمت بنا کر“ اب بتائیے کہ سارے عالموں میں سوائے اللہ کے سب کچھ شامل ہے یا نہیں؟ جو ہم سے پہلے تو وہ بھی العالمین میں شامل ہیں اور جو ہمارے بعد آئیں گے وہ بھی العالمین میں شامل ہیں جو اب موجود ہیں وہ بھی العالمین میں شامل ہیں تو بتائیے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا حضور ﷺ سب کیلئے رحمت کرنے والے ہیں کہ نہیں؟ اور ضرور ہیں۔

رحمت مصدر ہے اور راحم کے معنی میں ہے۔ صاحب روح المعانی علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی نے وما ارسلناک الا رحمة للعالمین کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھا ہے وما ارسلناک الا راحما للعالمین ”یعنی اے پیارے حبیب ہم نے آپ کو نہیں بھیجا۔ مگر سارے عالموں کے لئے رحم کرنے والا بنا کر۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ سارے عالموں میں اللہ کے سوا

سب کچھ شامل ہے کہ نہیں، زمین بھی، آسمان بھی، فرش بھی، عرش بھی، ملک بھی، فلک بھی، تمام جواہر بھی، اعراض بھی، عناصر بھی، تمام عالم اجسام، تمام عالم ارواح، موالید ثلاثہ، عالم خلق، عالم امر، عالم تحت، عالم فوق، کل کائنات، العالمین میں داخل ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے پیارے میں نے آپ کو سارے عالموں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔

میرے عزیزو! یہ بات ہمارے سامنے قرآن کی آیت سے واضح ہے کہ آپ سارے عالموں کے لئے رحمت ہیں اور رحمت مصدر ہے اور فاعل کے معنی میں ہے۔ یعنی آپ سارے عالموں کے لئے راحم ہیں جو سارے عالموں کے لئے رحمت کرنے والے ہوں تو ایمان سے کہنا کہ سارے عالموں کی حاجت ان کے دامن سے وابستہ ہوگی کہ نہیں، بے شک ہوگی۔ صاحب روح المعانی نے عارفین کا ایک قول نقل کیا ہے اور یہ بتایا کہ حضور ﷺ کے رحمۃ للعالمین ہونے کی وجہ کیا ہے؟ فرماتے ہیں وجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ اصل ہیں اور العالمین فرع، اصل جڑ کو کہتے ہیں اور فرع شاخ کو۔ اب یہ بتائیں جڑ نہ ہو کیا شاخیں باقی رہیں گی؟ اگر درخت سوکھ جائے، تو کیا شاخیں ہری رہیں گی، یقیناً نہیں۔ ارے درخت کی جڑ سے تو سارا کام ہوتا ہے، جڑ تنے کو غذا پہنچاتی ہے اور جڑ کی پہنچائی ہوئی غذا تنے سے شاخوں میں پہنچتی ہے اور پھر پھولوں اور پھلوں میں پہنچتی ہے تو معلوم ہوا کہ سارا تنہا اس جڑ کا محتاج ہے اور شاخیں اس جڑ کی محتاج ہیں اور ہر پتہ اور ہر پھول اور پھل اس کا محتاج ہے۔ جب تک اس جڑ کا فیض جاری ہے تو شاخیں ہری ہیں اور اگر جڑ کا فیض ختم ہو جائے تو شاخیں بھی سوکھ جائیں گی۔ جس طرح جڑ کو شاخوں کے ساتھ طبعاً رحمت کا جذبہ دینا پایا جاتا ہے اسی طرح حضور ﷺ کی ذات پاک میں العالمین کے ہر ذرے کے لئے رحمت کا جذبہ پایا جاتا ہے۔

میرے آقا حضرت محمد ﷺ تمام کائنات کے ذرے ذرے کے لئے اصل ہیں اور اس کائنات کا ہر ذرہ ذرہ ہر فرد اور ہر گل جو ہمیں نظر آتا ہے خواہ وہ زمین کے اوپر ہے خواہ زمین کے نیچے ہے، وہ ہواؤں میں ہے، وہ فضاؤں میں ہے، وہ خلاؤں میں ہے، وہ دریاؤں میں ہے،

وہ پہاڑوں میں ہے، وہ کہیں ہے زمین میں ہے، آسمان میں ہے، تحت میں ہے، فوق میں ہے، جہاں بھی کوئی ذرہ ہے، مصطفیٰ ﷺ کی جڑ کے لئے شاخ ہے اور حضور ﷺ کا فیض اسی طرح کائنات کے ہر ذرے کو پہنچ رہا ہے، جیسے جڑ کا فیض شاخ کے ہر جز کو پہنچ رہا ہے۔ اب بتائیے کہ جڑ پہلے ہوگی یا شاخ، یقیناً جڑ پہلے ہوگی۔ یوں کہئے کہ شاخیں العالمین ہے اور جڑ حضور ﷺ ہیں، تو حضور ﷺ پہلے ہوئے اور العالمین بعد میں۔ اب آپ بتائیں کہ شاخ کو جڑ کی حاجت ہے کہ نہیں؟ یقیناً ہے، تو یوں کہئے کہ ساری کائنات کو مصطفیٰ ﷺ کی حاجت ہے اور کائنات کی ہر چیز حضور کی محتاج ہے اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ جس کی حاجت ہو وہ پہلے ہوتا ہے اور حاجت والا بعد میں ہوتا ہے تمام کائنات کو حضور ﷺ کی حاجت ہے اس لئے حضور ﷺ پہلے ہیں اور کائنات بعد میں ہوئی۔ میرا تو ایمان ہے کہ اگر حضور ﷺ نہ ہوں تو کائنات زندہ نہیں رہ سکتی۔

وہ جو نہ تھے تو کچھ بھی نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو

جان ہیں، وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

یہ کیا تصور ہے کہ وہ مر کر مٹی میں مل گئے (نعوذ باللہ) ارے وہ مر گئے تو ہم کیسے زندہ رہ گئے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ پاور ہاؤس میں تو بجلی ہے نہیں مگر میرے گھر کے تمام بلب روشن ہیں، کیا آپ اس کی بات کو مان لیں گے؟ یقیناً نہیں۔ اے خدا کے بندے یہ تو ہو سکتا ہے کہ پاور ہاؤس میں بجلی موجود ہو اور تیرے گھر میں اندھیرا ہو۔ اس لئے کہ تو نے فننگ صحیح نہ کروائی ہو اور شاید فننگ بھی کرائی ہو تو کنکشن نہ لیا ہو اور ممکن ہے کنکشن بھی لیا ہو تو ابھی بلب نہ لگایا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بلب بھی لگا ہو مگر فیوز ہی اڑ گیا ہو۔ مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ پاور ہاؤس میں تو بجلی نہ ہو اور تیرے گھر میں روشنی ہو۔ یہ تو ممکن ہے کہ حضور ﷺ زندہ ہوں اور ہم مردہ ہو جائیں لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ حضور ﷺ معاذ اللہ مردہ ہوں اور ہم زندہ رہیں کیونکہ حضور ﷺ اصل ہیں، حضور مخزن حیات ہیں، منبع حیات ہیں، معدن حیات اور ساری کائنات کے لئے بنیاد ہیں اور بنیاد کے بغیر کوئی شے زندہ نہیں رہ سکتی۔

یہاں شاید کسی کے دل میں یہ شبہ پیدا ہو کہ حضور اکرم ﷺ پانی بھی پیتے تھے۔ حضور ﷺ زمین پر چلتے تھے، ہوا میں سانس لیتے تھے تو پھر حضور ﷺ کو بھی ان ساری چیزوں کی حاجت ہوئی۔ اگر ہمیں حاجت ہے تو پھر حضور ﷺ کو بھی حاجت ہوئی۔ اگر کوئی اپنے ذہن میں یہ تصور رکھتا ہے تو معراج کی رات کا تصور قائم کرے۔ اگر زمین ہمارے پاؤں تلے نہ ہو تو ہم کیسے ٹھہریں گے، ہوا نہ ہو تو ہم سانس کہاں لیں گے، پانی نہ ہو تو ہماری زندگی کیسے برقرار رہے گی لیکن جب معراج کی رات آئی تو مسئلہ حل ہو گیا، کیا ہوا، ایمان سے کہنا زمین نیچے رہی مصطفیٰ ﷺ اوپر چلے گئے، تم زمین چھوڑ کر ذرا اوپر جا کر تو دکھاؤ۔ معراج کی رات یہ مسئلہ حل ہو گیا اور بتا دیا کہ دیکھ لو زمین نیچے ہے، مصطفیٰ ﷺ اوپر ہیں، اگر وہ اس کے محتاج ہوتے تو اس کے بغیر کیسے رہ گئے، سمجھ لو کہ مصطفیٰ ﷺ ان کے محتاج نہیں اور جب حضور ﷺ معراج پر گئے تو ایمان سے کہنا کہ پانی نیچے رہا کہ نہیں رہا۔ آگ نیچے رہی، ہوا نیچے رہی۔ پتہ چلا کہ حضور ﷺ نہ آگ کے محتاج تھے نہ پانی کے محتاج تھے، نہ ہوا کے محتاج تھے اور نہ زمین کے محتاج تھے۔ شاید کوئی یہ گمان کرے کہ حضور ﷺ آسمان کے محتاج ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا پیارے پہلے آسمان کو چھوڑ کر دوسرے پر آ جا تو آسمان کا محتاج نہیں ہے اور شاید کوئی یہ سمجھتا کہ دوسرے کے محتاج ہیں اللہ نے تیسرے پر بلایا، پھر چوتھے پر بلایا، پانچویں، چھٹے اور ساتویں پر بلایا، پھر عرش پر بلایا، حضور ﷺ جب عرش پر پہنچے تو شاید لوگ یہ سمجھتے کہ یہ عرش کے محتاج ہیں۔ اللہ نے فرمایا پیارے عرش کو نیچے چھوڑ دے تو اوپر چلا آ۔

اگر مجھ سے پوچھتے ہو تو میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ حضور ﷺ تو وہاں گئے جہاں نہ مکان تھا نہ لامکان۔ کیا مطلب ہوا، مکان نیچے رہا، حضور ﷺ اوپر ہوئے لامکان نیچے رہا مصطفیٰ ﷺ اوپر ہوئے۔ معلوم ہوا کہ جو کسی کا محتاج ہو وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتا اور ہمارے نبی کریم ﷺ نہ زمین کے محتاج ہیں نہ آسمان کے نہ وہ مکان کے محتاج ہیں نہ لامکان کے، ارے وہ تو ساری کائنات میں کسی کے محتاج نہیں وہ تو فقط خالق کائنات کے محتاج ہیں۔ یہاں ایک شبہ پیدا ہو گیا کہ جو کسی کا محتاج ہو وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتا کیونکہ پرندہ ہوا کا محتاج ہے اور مچھلی پانی کی

محتاج ہے۔ پرندوں کو ہوا سے الگ کر دو تو پرندے ہوا کے بغیر مرجائیں گے۔ اسی طرح اگر مچھلی کو پانی سے الگ کر دو تو پانی کے بغیر مچھلی مر جائے گی۔

اگر یہ بات ہے تو شبہ یہ ہے کہ معراج کی رات حضور ﷺ ساری کائنات کو چھوڑ کر لامکان پر چلے گئے بلکہ لامکان کو بھی چھوڑ کر اوپر چلے گئے۔ تو اگر یہ کائنات حضور ﷺ کی محتاج تھی تو یہ حضور ﷺ کے بغیر کیسے رہ گئی؟ کیونکہ جو کسی کا محتاج ہوتا ہے وہ اس کے بغیر رہ نہیں سکتا۔ یہ کیا بات ہوئی کہ حضور ہیں نہیں اور زمین ہے، حضور ہیں نہیں اور آسمان ہے، حضور ہیں نہیں اور پانی ہے، حضور ہیں نہیں اور آگ ہے، حضور ہیں نہیں اور ہوا ہے، حضور ہیں نہیں اور جواہر ہیں، حضور ہیں نہیں اور اجسام ہیں، حضور ہیں نہیں اور ارواح ہیں، حضور ہیں نہیں اور عرش ہے، حضور ہیں نہیں اور فرش ہے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے یہ تو حضور ﷺ کے محتاج ہیں تو اگر حضور نہیں تو یہ کیسے رہ گئے؟ بس یہ بات آپ کو سمجھانا چاہتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ قرآن کریم نے ان سب مسائل کو ہمارے سامنے رکھ دیا اور فرمایا۔ یضرب اللہ الامثال للناس ”یعنی اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے“ اللہ کی بیان کی ہوئی مثالوں کو دیکھو اور حقائق کو سمجھو۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا۔ وکذلک نری ابراہیم ملکوت السموات والارض ولیکون من الموقنین۔ (الانعام: ۷۵)

”اور اسی طرح دکھائی ہم نے ابراہیم کو ساری بادشاہی (کل مخلوقات) آسمانوں اور زمینوں کی اور اس لئے کہ (علم الیقین کے ساتھ) عین الیقین والوں میں سے (بھی) ہو جائے“ اور اپنے پیارے حبیب ﷺ کے بارے میں فرمایا۔ انا ارسلنک شہدا و مبشرا و نذیرا وداعیا الی اللہ باذنہ سر اجا منیرا۔ (سورہ احزاب: ۴۵)

”پیارے حبیب ہم نے آپ کو شاہد بنا کر بھیجا، ہم نے آپ کو مبشر بنا کر بھیجا، ہم نے آپ کو نذیر بنا کر بھیجا ہے اور حبیب ہم نے آپ کو سراج منیر بنا کر بھیجا۔“

اللہ تعالیٰ نے میرے آقا حضور پر نور ﷺ کو سراج کس کے لئے بنایا؟ یقیناً العالمین

کے لئے بنایا۔ اللہ فرماتا ہے۔ تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا
 ”بڑی برکت والا ہے وہ جس نے فیصلہ کرنے والی کتاب اپنے (مقدس) بندے پر اتار دی تاکہ وہ
 تمام جہانوں کے لئے ڈرانے والا ہو“۔ (الفرقان: ۱) تو بھائی جیسا ماحول ہوگا سراج بھی ویسا ہوگا کوئی
 کسی چھوٹے کمرے کا چراغ ہوگا، کوئی کسی بڑے ہال کا چراغ ہوگا، کوئی پورے گھر کا چراغ ہوگا، کوئی
 پورے شہر کا چراغ ہوگا اور کوئی پورے ملک کا چراغ ہوگا۔ لیکن محمد مصطفیٰ ﷺ تو ساری کائنات کے
 چراغ ہیں۔ اب بتائیے کہ چراغ ایک جگہ ہوتا ہے اس کی لو ایک جگہ ہوتی ہے لیکن اس کی روشنی کہاں
 تک جاتی ہے اس کی روشنی زمین پر بھی ہوتی ہے اور زمین کی ہر چیز پر بھی۔ میرے آقائے
 نامدار ﷺ تو سراج منیر ہیں۔ تو سمجھ لو کہ میرے آقا کفرش پر ہیں تو ان کی روشنی عرش پر جا رہی ہے۔
 اگر وہ چراغ مکان میں ہے تو اس کی روشنی لامکان تک جاتی ہے اور اگر وہ چراغ لامکان میں ہے تو
 مکان تک اس کی روشنی جا رہی ہے تو جہاں اس کی روشنی ہے وہاں حضور ﷺ موجود ہیں اور جب
 موجود ہیں تو سوال یہ پیدا ہی نہیں ہوتا کہ ان کے بغیر کائنات زندہ رہ سکے۔ اے زبان نبوت تجھ پر
 کروڑوں درود و سلام، حضور ﷺ نے فرمایا۔ من رانی فقد رای الحق ”جس نے مجھے دیکھا اس
 نے حق دیکھا“ یہ حدیث متفق علیہ ہے بخاری میں بھی ہے اور مسلم شریف میں بھی ہے۔

ہم حضور ﷺ کو خدا کا شریک نہیں مانتے، ہم حضور ﷺ کو خدا تعالیٰ کا مثل نہیں
 مانتے، ہم حضور ﷺ کو خدا کا نظیر نہیں مانتے تعالیٰ اللہ عن ذلک علوا کبیرا ”اللہ تعالیٰ نظیر
 سے پاک ہے“ وہ مثل سے پاک ہے وہ شریک سے پاک ہے۔ ارے حضور ﷺ کے شریک نہیں
 ہیں واللہ باللہ ثم تاللہ! حضور تو خدا کی ذات و صفات کا آئینہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے جمال
 الوہیت کو اپنے حبیب ﷺ کی ذات میں ظاہر کیا۔ میں حیران ہوں کہ اگر یہ شرک ہے تو پھر ساری
 کائنات شرک سے بھری پڑی ہے۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ میں کوئی خوبی ہے تو وہ کس کی
 ہے میری اور تمہاری ہے یا خدا کی دی ہوئی ہے؟ یقیناً خدا کی عطا کردہ ہے تو جب خدا کا کمال تم میں
 اور مجھ میں ظاہر ہو تو کوئی شرک نہیں اور حضور ﷺ میں ظاہر ہو تو شرک ہو جائے کیا تماشہ ہے؟

میرے دوستو! ہم حضور ﷺ کو خدا کا جز نہیں سمجھتے۔ بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ”تم تو حضور ﷺ کو خدا کے نور سے مانتے ہو تو جتنا نور حضور میں آیا اتنا نور خدا میں کم ہو گیا۔ لہذا تم نے حضور کو خدا کے نور سے مان کر خدا کے نور کو ناقص کر دیا لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

دیکھئے یہ بات تو تب ہو کہ جب خدا کوئی جز ہو، وہ تو جز سے پاک ہے اور مجھے کہنے دیجئے وہ جز ہی نہیں بلکہ وہ تو کل سے بھی پاک ہے۔ نہ خدا کو جز کہہ سکتے ہیں اور نہ کل کہہ سکتے ہیں۔ ہاں وہ جز کا خالق ہے اور کل کا بھی خالق ہے۔ خود نہ جز ہے نہ کل ہے۔ جز اس لئے نہیں اگر ہم خدا کو جز مان لیں تو ترکیب ہوگی اور جہاں ترکیب ہوگی وہاں حدوث ہوگا، اگر حدوث ہو تو خدا تعالیٰ کا وجود ختم ہو گیا اور اگر ہم خدا کو کل مان لیں گے تب بھی یہی بات ہوگی۔ کیونکہ کل کے معنی تو یہ ہیں کہ بہت سے اجزاء کو جمع کر لو اور سب کو ملا لو۔ اجزاء کے مجموعے کا نام کل ہوتا ہے۔ اجزاء ہوں گے تو مجموعہ ہوگا اور اگر مجموعہ نہیں تو کل نہیں اور اجزاء نہیں تو کل نہیں۔ اگر خدا کو کل کہو گے تو پہلے اجزاء ماننے پڑیں گے۔ ایمان سے کہنا کہ کیا خدا کے اجزاء ہیں، اگر اجزاء نہیں تو مجموعہ کہاں سے آئے گا۔ مجموعہ نہیں تو کل کس کو کہو گے۔ اس لئے مان لو کہ خدا کل نہیں، خدا تو ہر کل کا خالق ہے۔ لہذا حضور ﷺ خدا کا جز نہیں ہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور ﷺ خدا کے نور سے کیسے پیدا ہو گئے کیونکہ خدا کا نور تو کبھی جز نہیں ہوا۔

دیکھئے سورج آسمان پر چمک رہا ہے، آپ نیچے زمین پر آئینہ رکھ دیں۔ ایمان سے کہنا کہ اس شیشے میں سورج چمکتا ہوا نظر آئے گا یا نہیں؟ اس آئینے میں روشنی اور نور آئے گا یا نہیں؟ یقیناً آئے گا۔ اب بتائیے کہ اس میں جو روشنی ہے وہ سورج کی ہے یا نہیں؟ اب اگر کوئی یہ کہے کہ نہیں جناب یہ سورج کی روشنی نہیں اگر یہ سورج کی روشنی ہے تو جتنی روشنی اس میں آئی اتنی روشنی سورج میں کم ہونی چاہئے، کیا آپ اس بات کو مان لیں گے؟ یقیناً نہیں مانیں گے آپ دوسرا آئینہ رکھ دیں، تیسرا رکھ دیں، لاکھوں بلکہ کروڑوں شیشے زمین پر بچھا دیں، ہر آئینہ میں پورا سورج نظر آئے گا، مگر وہاں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ اگر کوئی یہ کہے کہ نہیں صاحب کمی تو ہو ہی گئی تو میں ان سے یہ پوچھتا ہوں کہ ایک دو شیشے رکھنے سے کچھ کمی ہو اور اگر ہزاروں لاکھوں شیشے رکھ دیئے جائیں تو سورج کا بالکل صفایا ہی

ہو جائے اور سورج کا سارا نور ان آئینوں میں تقسیم ہو کر ختم ہو جائے تو بھائی اگر کروڑوں شیشے بھی دیئے جائیں تو وہاں کمی نہیں آئے گی، جب وہاں کمی نہیں آئے تو پتہ چلا کہ شیشہ جو سورج کے نیچے رکھا ہے وہ سورج کا جز نہیں ہے اور سورج جو اس میں چمکتا ہوا نظر آ رہا ہے آپ اس شیشے کے نور کو کیا کہیں گے، سورج کا جز نہیں کہہ سکتے بلکہ سورج کا جلوہ کہیں گے کیونکہ نہ تو اصل سورج شیشے میں آیا اور نہ ہی شیشہ سورج کا حصہ بنا بلکہ شیشہ سورج کے نور کا مظہر بنا۔

میرے آقا حضور ﷺ نے فرمایا انسی مرآة جمال الحق ”یعنی میں تو حق کے جمال کا آئینہ ہوں“ شیشے میں جو نور نظر آئے گا وہ آفتاب کا نور ہوگا اور مصطفیٰ ﷺ میں جو نور نظر آئے گا وہ خدا کا نور ہوگا۔ بس میں یہ کہتا ہوں کہ حضور ﷺ میں جو علم نظر آیا وہ حضور کا نہیں بلکہ خدا کا علم ہے۔ جو قدرت حضور میں نظر آئی وہ حضور کی نہیں وہ خدا کی ہے۔ اگر حضور میں خدا کی قدرت کا ظہور نہ ہوتا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ جبل ابوقیس پر حضور ﷺ نے چاند کو انگلی کا اشارہ فرمایا اور چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ یہ حضور کی قدرت نہ تھی بلکہ خدا کا ظہور تھا۔ ہمیں دین ملا تو رسول اللہ کی زبان سے، خدا کی معرفت ملی تو رسول کی زبان سے، قرآن ملا تو رسول کی زبان سے، قرآن اللہ کا کلام ہے لیکن اللہ کا کلام ہونے کے باوجود وہ رسول کا کہا ہوا ہے، میں نہیں کہتا قرآن کہتا ہے، انہ لقول رسول کریم ”یعنی قرآن (کلام میرا ہے) قول رسول کریم کا ہے“ اگر رسول کریم کہہ کر نہ بتاتے تو تمہیں کیا پتہ چلتا کہ کیا ہے۔ لہذا خدا کے کلام کا جلوہ، حضور کے کلام میں، اللہ تعالیٰ کے علم کا جلوہ، حضور کا علم، اللہ تعالیٰ کی قدرت کا جلوہ، حضور کی قدرت میں، اللہ تعالیٰ کی سمع کا جلوہ حضور ﷺ کی سمع میں سبحان اللہ! وہ کیسی سمع ہے! بخاری شریف کی حدیث ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ معراج سے واپس تشریف لائے تو حضرت بلالؓ کو بلایا اور فرمایا! بلال تو وہ عمل تو بتا جو تو کرتا ہے میں نے جنت میں اپنے آگے تیرے چلنے کی آواز سنی ہے؟ یہاں لوگوں نے کہا اگر حضور ﷺ کو علم ہوتا تو آپ حضرت بلالؓ سے کیوں پوچھتے، ارے یہ بات نہ تھی کیونکہ بلال نے تو ایسا کوئی عمل نہیں کیا جس کا حضور ﷺ کو علم نہ ہو جس عمل کرنے سے حضرت بلالؓ کو یہ مرتبہ ملا اگر اس عمل کا علم حضور ﷺ کو نہ ہو تو عمل کرنے والا جنت میں کیسے جاسکتا ہے دراصل بات یہ تھی کہ بلال تم خود اپنے منہ سے کہو

تا کہ اس اہمیت والے عمل کا پتہ چلے اور لوگوں کو شوق پیدا ہو۔ یہ ایک نفسیاتی بات ہے۔ حضرت بلالؓ نے کہا کہ میرے آقا تاحیۃ الوضو بھی پڑھتا ہوں اور تاحیۃ المسجد بھی پڑھتا ہوں۔

اب یہاں میں ایک بات آپ سے پوچھتا ہوں کہ جب حضور کریم ﷺ معراج پر تشریف لے گئے تو کیا حضرت بلال ساتھ گئے تھے؟ یقیناً نہیں گئے تھے اور جب گئے نہیں تو وہاں تھے نہیں اور جب تھے نہیں تو چلے بھی نہیں اور جب چلے نہیں تو چلنے کی آواز پیدا نہیں ہوئی اور جب پیدا نہیں ہوئی تو حضور ﷺ نے کیا سنا؟ تو یہ کیا بات ہوئی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ بلال زمین پر چل رہے تھے حضور نے وہاں ان کی آواز سن لی اگر یہ بات ہے تو یہ بھی تمہارے لئے مصیبت ہے تو تم کہتے ہو کہ رسول ﷺ کو یا رسول اللہ مت کہو کیونکہ آپ دور سے نہیں سنتے تو بھائی جو جنت میں رہ کر یہاں کی بات سن لے تو وہ یا رسول اللہ کی آواز کیسے نہیں سنیں گے۔ مگر یہاں تو زمین پر چلنے کی بات نہیں۔ حضور ﷺ فرما رہے ہیں اے بلال میں تیرے چلنے کی آواز اپنے کانوں سے سن رہا ہوں۔ بات تو جنت میں چلنے کی ہے اور حضرت بلال حضور ﷺ کے ساتھ گئے نہیں تو یہ کیا ہو گیا؟

اب میرے ذوق کی بات ہے کوئی مانے یا نہ مانے مجھے چھوڑ دیں۔ بات یہ ہے کہ حدیث میں آتا ہے کہ جنت میں کوئی نبی داخل نہ ہوگا جب تک حضور کی امت داخل نہ ہو جائے۔ حضور ﷺ کی حدیث ہے ”سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹانے والا میں ہوں“ اور حضور ﷺ بڑی شان سے جنت میں جائیں گے۔ حضور اپنی اونٹنی (ناقہ) پر سوار ہوں گے اور اس کی مہار بلالؓ کے ہاتھ میں ہوگی۔ اب ایمان سے کہنا کہ جس کے ہاتھ میں مہار ہو وہ پہلے آگے ہوگا کہ نہیں؟ یقیناً وہ آگے ہوگا۔ شاید آپ دل میں یہ سوچیں کہ ہم تو سنتے تھے کہ حضور ﷺ سے پہلے تو نبی بھی نہیں جائیں گے یہاں تو بلال پہلے چلے گئے۔ تو سنئے حضرت بلالؓ پہلے نہیں گئے یہ تو مہار کی برکت ہے مہار چھوڑ دیں پھر دیکھیں بلال کیسے جنت میں جاتے ہیں۔ حقیقت میں تو حضور ﷺ پہلے جا رہے ہیں، ورنہ بلالؓ تو حضور کے ساتھ لگ کر جا رہے ہیں تو حضور ﷺ ناقہ (سواری) پر سوار ہوں گے، حضرت بلالؓ کے ہاتھ میں مہار ہوگی۔ بلال آگے آگے چلتے ہوں گے۔ جب جنت میں چلیں گے تو آواز پیدا ہوگی تو جو آواز لاکھوں برس بعد پیدا ہوگی حضور ﷺ نے پہلے وہ سن لی۔ سبحان اللہ! میرے آقا آپ کی قوت سمع پر لاکھوں سلام۔

میلا دالنبی ﷺ

کی تاریخی حیثیت اور عالم اسلام کے معمولات

(محمد مظفر عالم صدیقی)

مکہ مکرمہ میں میلا دالنبی ﷺ

روز پیدائش نبی کریم مکہ مکرمہ میں بڑی خوشی منائی جاتی اور اس کو عید یوم ولادت رسول اللہ کے نام سے موسوم کیا جاتا۔ حرم شریف میں حنفی مصلیٰ کے پیچھے مکلف فرش بچھایا جاتا۔ شریف مکہ اور کمانڈر حجاز مع اسٹاف لباس فاخرہ زیب تن کر کے آ موجود ہوتے اور نبی کریم کی جائے ولادت پر نعت خوانی کر کے آتے۔ حرم شریف سے مولدالنبی تک دورویہ لائینوں کی قطاریں روشن کی جاتیں۔ جائے ولادت اس روز بقیعہ نور بنی ہوتی۔ ۱۲ ربیع الاول بعد نماز عشاء حرم شریف میں محفل میلاد منعقد ہوتی۔ ۱۲ ربیع الاول کی مغرب سے ۱۲ ربیع الاول کی عصر تک ہر نماز کے وقت ۲۱ توپ سلامی قلعہ جیاد سے ترکی توپ خانہ سر کرتا۔

مکہ مکرمہ میں مولدالنبی پر محفل میلاد کے انعقاد کا ذکر متعدد علماء نے کیا ہے۔ علامہ ابن جوزی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شیخ قطب الدین الحنفی، جمال الدین محمد بن جار اللہ بن ظہیرہ، مفتی عنایت احمد کوری اور شیخ محمد رضا مصری نے ۱۲ ربیع الاول کو مکہ مکرمہ میں میلاد منائے جانے کے سلسلہ میں اپنی کتب میں نشان دہی کی ہے۔ نیز مولدالنبی کی زیارت اہل مکہ کا صدیوں پرانا معمول تھا۔ برکات مولدالنبی ﷺ کے حوالے سے امام قطب الدین حنفی (المتوفی ۹۸۸ھ) رقم طراز ہیں

”مولد پاک معروف مشہور جگہ ہے۔ اب تک اس کی زیارت کی جاتی ہے۔ وہاں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اہل مکہ وہاں ہر سو موارد ذکر کی محفل سجاتے ہیں اور ہر سال بارہ ربیع الاول کی رات اس کی زیارت کی جاتی ہے۔“

مدینہ منورہ میں عید میلاد النبی ﷺ

بارہویں ربیع الاول کو مدینہ منورہ میں محفل میلاد مسجد نبوی میں ہوتی ہے۔ (۱)

سید محمد سلطان شاہ کے پاس مدینہ منورہ کے نور حزیں کی ایک تحریر موجود ہے، جس میں انہوں نے بتایا کہ مدینہ منورہ میں بارہ ربیع الاول کو عید میلاد النبی اہل محبت اپنے اپنے گھروں میں اپنی اپنی حیثیت کے مطابق مناتے ہیں۔ لوگ حرم نبوی میں جوق در جوق آتے ہیں اور ایام حج کا سا منظر ہوتا ہے۔

حکیم محمد موسیٰ امرتسری بتاتے ہیں کہ مولانا احمد رضا خان بریلوی کے خلیفہ شاہ ضیاء الدین احمد مدنی روزانہ محفل میلاد کراتے تھے۔ مولوی نور اللہ بصیر پوری نے بھی اس کی تصدیق میں لکھا ہے کہ مولانا ضیاء الدین نے قریباً ۷۵ سال جنت البقیع میں دفن ہونے کی آرزو میں دیار حرم میں گزار دیئے اور انہوں نے آقا کی محفل میلاد میں کبھی کوتاہی نہیں ہونے دی۔

بغداد میں میلاد النبی ﷺ

بغداد میں میلاد النبی کی ابتداء کے بارے میں مولانا حسن ثنی ندوی لکھتے ہیں:

”عہد عباسی میں جب سلطان ملک شاہ سلجوقی کو عروج ہوا تو اس کے ایک سردار ابن آبق خوارزمی نے ۴۶۸ھ میں دمشق کو فتح کیا اور خلیفہ مقتدی بامر اللہ اور سلطان ملک شاہ سلجوقی کے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ یہ وہی خلیفہ ہے جس کے زمانے میں دوسری طرف یوسف بن تاشفین کو عروج ہوا اور اس نے درخواست بھیجی کہ جس قدر ملک میرے قبضہ میں ہے اس کی سند مجھ کو دے کر سلطان کا لقب مرحمت ہو۔ مقتدی نے اسے سند بھیجی۔ سلطان کا لقب اور امیر المؤمنین کا خطاب عطا کیا۔ اسی یوسف بن تاشفین نے شہر مراکش کی بنیاد رکھی تھی۔ سلطان ملک شاہ سلجوقی اپنی مہمات سے فارغ ہو کر ساہنا سال کے بعد جب بغداد پہنچا تو یہ ۴۸۴ھ تھا۔ اس نے ۴۸۵ھ میں ایک مجلس مولود دھوم دھام سے بغداد میں منعقد کی۔ اس کا بڑا چرچا ہوا۔ یہ ایک سرکاری اہتمام کی مجلس تھی۔ اس لئے اس کو تاریخ کے صفحات میں جگہ ملی۔ عید میلاد النبی کا آغاز اس سے کہیں پہلے ہو چکا تھا۔“ (۲)

جنوبی افریقہ میں عید میلاد النبی ﷺ

جنوبی افریقہ کے مسلمان بھی عید میلاد النبی پورے مذہبی جوش و خروش اور

دھوم دھام سے مناتے ہیں۔ ابراہیم عمر جیلو نے اپنے ایک مضمون تین عیدیں (Three Eids) میں جشن میلاد النبی کا ذکر کیا ہے۔ ان کا یہ مضمون ڈربن (Durban) سے شائع ہونے والے ”دی مسلم ڈائجسٹ“ کی اشاعت دسمبر ۱۹۴۴ء میں شائع ہوا تھا۔“ (۳)

شہر اربل میں عید میلاد النبی ﷺ

شہر اربل میں قدیم زمانے میں عید میلاد النبی منائی جاتی تھی۔ اس دن غرباء کو صدقات دیئے جاتے تھے اور ورساء خیرات دیتے تھے۔ شیخ امام ابو شامہ نے لکھا ہے:

”ہمارے زمانے میں شہر اربل میں نبی کریم کی ولادت باسعادت کے دن جو صدقات، اظہار زینت اور خوشی کی جاتی، اس سے فقراء کی خدمت کے علاوہ نبی کریم کی محبت، جلال اور تعظیم کا اظہار ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بصورت رحمۃ للعالمین جو عظیم نعمت عطا فرمائی اس پر شکریہ بھی ہے۔“ (۴)

مصر میں عید میلاد النبی ﷺ

مصر میں بھی قدیم دور سے سرکاری سطح پر عید میلاد النبی منائی جا رہی ہے۔ شیخ محمد رضا لکھتے ہیں:

”ہمارے زمانے میں بھی مسلمانان عالم اپنے اپنے شہروں میں میلاد کی محفلیں منعقد کرتے ہیں۔ مصر کے علاقوں میں یہ محفلیں مسلسل منعقد کی جاتی ہیں اور ان میں برابر میلاد نبوی سے متعلق بیانات ہوتے ہیں۔ فقراء و مساکین کو خیرات تقسیم کی جاتی ہے۔ خاص شہر قاہرہ میں اس روز ظہر کے بعد ایک پیادہ جلوس کمشنر آفس کے سامنے سے گزرتا ہوا عباسیہ میدان کی طرف روانہ ہوتا ہے۔ یہ جلوس مقامات غوریہ، اشرافیہ، کونکہ بازار اور حسینہ سے گزرتا ہوا عباسیہ میدان میں ختم ہوتا ہے۔ عباسیہ میں وزراء و حکام کے لئے شامیانے نصب کئے جاتے ہیں۔ شاہ وقت یا ان کے نائب جلسہ گاہ میں حاضر ہوتے ہیں۔ شاہ کی آمد پر فوج سلامی دیتی ہے پھر صوفیاء و مشائخ اپنے اپنے جھنڈے لے کر وہاں حاضر ہوتے

ہیں جن کا بادشاہ استقبال کرتے ہیں۔ پھر شاہ خود شیخ المشائخ کے شامیانی میں حاضر ہو کر ذکر میلاد النبیؐ سنتا ہے۔ اختتام محفل پر مولود خواں کو بادشاہ شاہانہ خلعت عطا کرتا ہے پھر حاضرین میں شیرینی و شربت تقسیم ہوتا ہے۔ اس کے بعد شاہانہ سواری پر بادشاہ کی مراجعت توپوں کی گونج میں ہوتی ہے۔ اس دن تمام دفاتر میں تعطیل ہوتی ہے۔ بہترین آتش بازی چھوڑی جاتی ہے۔“ (۵)

ایڈورڈ ولیم لین رنج الاول ۱۲۵۰ھ میں قاہرہ گیا۔ اس نے وہاں منائے جانے والے جشن میلاد النبیؐ کا ذکر اپنی کتاب (Modern Egyptians) میں ان الفاظ میں کیا ہے:

”رنج الاول کا چاند نظر آتے ہی قاہرہ میں جشن میلاد النبیؐ کی تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں۔ قاہرہ کے جنوب مغرب کی جانب محلّہ ”برکتہ الاذبکیہ“ کے ایک بڑے میدان میں یہ جشن منایا جاتا ہے۔ تماشا یوں اور خصوصاً درویشوں کے لئے یہاں کئی بڑے بڑے ڈیرے اور شامیانی نصب کر دیئے جاتے ہیں اور بارہویں رنج الاول کے دن تک ذکر و شغل کے لئے ان درویشوں کی آمد و رفت جاری رہتی ہے۔“ اس سے صدیوں پہلے محفل میلاد پر خرچ ہونے والے اخراجات کے بارے میں ”انوار ساطعہ“ میں ہے کہ ۸۶ھ میں مصر کے شہنشاہ نے محفل میلاد کے اہتمام کے لئے دس ہزار مثقال سونا خرچ کیا۔ (۶)

اس دور کے معروف بین الاقوامی عالم حسن البنا شہید مصری بانی جماعۃ اخوان المسلمون مصر، عید میلاد النبیؐ کے جلوس میں شمولیت کا ایک نہایت ہی پرورد، روح پرور، ایمان افروز واقعہ اپنی ڈائری میں درج کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔ ”مجھے یاد ہے کہ جب رنج الاول کا مہینہ آتا ہے تو یکم رنج الاول سے لے کر ۱۲ رنج الاول تک معمولاً ہر رات ہم حصافی اخوان، میں سے کسی ایک کے مکان پر محفل ذکر منعقد کرتے اور میلاد النبیؐ کا جلوس بنا کر باہر نکلتے، اتفاق سے ایک رات برادر م شیخ ثلثی الرجال کے مکان پر جمع ہونے کی باری آگئی، ہم عادتاً عشاء کے بعد ان کے مکان پر حاضر ہوئے، دیکھا پورا مکان خوب روشنیوں (چراغوں) سے جگمگا رہا ہے، اسے خوب صاف و شفاف اور آراستہ و پیراستہ کیا جا چکا ہے۔ شیخ ثلثی الرجال نے رواج کے مطابق حاضرین کو شربت

اور قہوہ اور خوشبو پیش کی اس کے بعد ہم جلوس بنا کر نکلے اور بڑی مسرت و انبساط کے ساتھ مروجہ مناقب اور نظمیں (میلاد یہ نعیتیں) پڑھتے رہے۔ جلوس ختم کرنے کے بعد ہم شیخ ثلحی الرجال کے مکان پر واپس آگئے اور چند لمحات ان کے پاس بیٹھے رہے جب اٹھنے لگے تو شیخ ثلحی الرجال نے بڑے لطافت آمیز اور ہلکے پھلکے تبسم کے ساتھ اچانک اعلان کیا ”انشاء اللہ کل آپ حضرات میرے ہاں علی الصبح تشریف لے آئیں تاکہ ”روحیہ“ کی تدفین کر لی جائے۔“

روحیہ شیخ ثلحی کی اکلوتی بیٹی ہے، شادی کے تقریباً گیارہ سال بعد اللہ تعالیٰ نے شیخ کو عطا کی ہے، اس بیٹی کے ساتھ انہیں اس قدر شدید محبت و وابستگی ہے کہ دوران کام بھی اسے جدا نہیں کرتے یہ بیٹی نشوونما پا کر اب جوانی کی حدود میں داخل ہو چکی ہے شیخ نے اس کا نام روحیہ تجویز کر رکھا ہے کیونکہ شیخ کے دل میں اسے وہی مقام حاصل ہے جو جسم میں روح کو حاصل ہے۔ شیخ کی اس اطلاع پر ہم حیران رہ گئے، غرض کیا:

روحیہ کا کب انتقال ہوا! فرمانے لگے آج ہی مغرب سے تھوڑی دیر پہلے، ہم نے کہا آپ نے ہمیں پہلے کیوں نہ اطلاع کر دی کم از کم میلاد ﷺ کا جلوس کسی اور دوست کے گھر سے نکالتے؟ کہنے لگے جو کچھ ہوا بہتر تھا اس سے ہمارے حزن و غم میں تخفیف ہوگئی اور سوگ مسرت میں تبدیل ہو گیا، اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت درکار ہے۔ (۷)

یمن اور شام میں میلاد النبی ﷺ

یمن اور شام میں میلاد النبی کے بارے میں علام ابن جوزی رقمطراز ہیں:

”میلاد النبی ہمیشہ سے حرمین شریفین یعنی مکہ و مدینہ، مصر و یمن و شام، تمام بلاد عرب اور مشرق و مغرب ہر جگہ کے رہنے والے مسلمانوں میں جاری ہے۔ میلاد النبوی کی محفلیں قائم کرتے ہیں اور ربیع الاول کا چاند دیکھتے ہی خوشیاں مناتے، عمدہ عمدہ لباس پہنتے، زیب و زینت اور آرائشی کرتے، عطر و گلاب چھڑکتے، سرمہ لگاتے اور ان دنوں خوب خوشی و مسرت کا اظہار کرتے ہیں اور جو کچھ میسر ہوتا ہے نقد و جنس وغیرہ میں سے خوب دل کھول کر خرچ کرتے ہیں اور میلاد مبارک کے سننے اور پڑھنے پر زیادہ تڑک و اہتمام

کرتے ہیں اور اس اظہار مسرت و خوشی کی بدولت خوب اجر و ثواب اور خیر و برکت، سلامتی و عافیت، کثرت رزق، مال و دولت، اولاد اور پوتوں نواسوں میں زیادتی ہوتی ہے اور آبادی و شہروں میں امن و امان اور سلامتی اور گھروں میں سکون و قرار نبی کریم ﷺ کی محفل میلاد کی برکت سے رہتا ہے۔“ (۸)

لیبیا میں میلاد النبی ﷺ

لیبیا میں ہر سال عید میلاد النبی نہایت تزک و احتشام سے منائی جاتی ہے۔ ربیع الاول کا چاند نکلتے ہی تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں۔ کاروباری مراکز میں لوگوں کا ہجوم دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ گھروں اور دکانوں کی آرائش کے لئے خصوصی گلدستے تیار کئے جاتے ہیں۔ ہر شخص اپنے معیار کے مطابق ان کی خریداری ضرور کرتا ہے۔ یہ گلدستے آویزاں کئے جاتے ہیں اور شب میلاد گھروں میں ان کی سجاوٹ عید میلاد کی روایت کا ایک حصہ ہیں۔ لیبیا میں عید میلاد کا ذکر کرتے ہوئے ہفت روزہ ”احوال“ کراچی نومبر ۸۹ء نے طرابلس کے بارے میں لکھا ہے: ”روشنیوں کا موجیں مارتا سمندر لیبیا کی راج دھانی طرابلس کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے تھا۔ یہ شہر جسے اصحاب رسول کی پابوسی کا شرف حاصل ہے، دل کی آنکھیں اس مادی روشنی کے ساتھ ساتھ نجوم ہدایت کے قدموں کا لمس پانے والے مقدس ذروں کی ضیاء پاشیوں کا مشاہدہ بھی کر رہی تھیں۔ یہ ساری آرائش و زیبائش ربیع الاول کی عید میلاد کے انتظار میں برقرار رکھی گئی تھی چنانچہ لوگوں نے اپنے اپنے گھروں کو طرح طرح کی آرائشی چیزوں، برقی قمقموں اور روایتی موسمی شمعوں سے بھی سجا رکھا تھا۔“

عہد شاہ جہاں میں میلاد النبی ﷺ

سلاطین دہلی اور شاہان مغلیہ کے زمانہ میں ۱۲ ربیع الاول کو عید میلاد کی تقریب نہایت شان و شوکت سے منائی جاتی تھی۔ یہ دن نبی کریم کی ولادت مقدسہ کی نسبت سے اسلامی ممالک میں عیدین سے بھی زیادہ مذہبی عقیدت و احترام اور نہایت تزک و احتشام سے منایا جاتا چلا آ رہا ہے۔ اس دن ذکر رسول ہوتا تھا۔ مواعظ حسنہ کے ذریعے سیرت طیبہ بیان کی جاتی تھی اور عمل کی

تلقین کی جاتی تھی۔ اظہار مسرت اور مجلسی تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے شریخی اور مٹھائیاں تقسیم کی جاتی تھیں۔ فقراء و غرباء کو کھانا کھلایا جاتا تھا۔ یہ تقریب ہر دور میں منائی جاتی تھی۔ ملا عبد الحمید نے شاہ جہانی عہد میں میلاد النبیؐ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے :

”اس مبارک اور سعید مجلس میلاد کو پورے اہتمام سے ترتیب دیا گیا، جس میں علماء و مشائخ اور دیگر معززین مدعو کئے گئے۔ شاہ جہاں بذات خود بڑی تعظیم کے ساتھ مسند پر آ کر بیٹھا۔ بارہ ہزار روپے تقسیم کئے اور لوگوں کو ان کی حیثیت و مرتبہ کے مطابق شال مرحمت کئے گئے اور ایک بڑی جماعت کو پر تکلف دعوت دی گئی اور عطریات کے علاوہ دیگر اشیاء تقسیم کر کے خوشی کا اظہار کیا گیا۔“ (۹)

دہلی، آگرہ، لکھنؤ وغیرہ میں عید میلاد النبیؐ

دہلی، آگرہ، لکھنؤ اور برصغیر کے تمام شہروں اور قصبات میں ہر جگہ محافل میلاد منعقد ہوتی تھیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کہ عید کا زمانہ آ گیا ہے، گھر گھر، محلے محلے میں یہ محفلیں جمتیں اور ذکر ولادت رسولؐ سے تمام فضا گونج اٹھتی۔ ہر سال سیرت پاکؐ کے جاننے والے نئے نئے میلاد نامے لکھتے اور بہتر سے بہتر والہانہ عقیدت کے ساتھ محافل میلاد میں آپؐ کی ولادت، سیرت مقدسہ اور شمائل و خصائل بیان کرتے اور ہدیہ درود و سلام پیش کرتے۔

برصغیر میں جشن اور محافل میلاد

۱۲۷۰ھ میں سلطان غیاث الدین بلبن کے لڑکے سلطان محمد کے عہد میں ملتان میں جلوس عید میلاد کا آغاز ہوا۔ حاکم ملتان جلوس کی پاپیادہ رہنمائی کرتا تھا۔ عمائدین شہر اور نعت خواں اس میں شامل ہوتے تھے۔ نعت خوانوں کے پیچھے پیچھے مخدوم، سادات اور قریش ملتان کا معزز گروہ ہوتا تھا۔ یہ جلوس تمام شہر کا چکر لگا کر قلعے پر جا کر ختم ہوتا اور رات کو شہر میں چراغاں کا خصوصی اہتمام کیا جاتا تھا۔“

۱۸۸۰ء میں مولانا شاہ سلیمان پھلواریؒ نے اپنی بستی پھلواری شریف میں تحریک میلاد کا آغاز کیا اور ماہ ربیع الاول کی چاند رات سے شب دواز دہم (بارہویں) تک ہر روز سیرت النبیؐ بیان فرماتے اور ان کا یہ بابرکت سلسلہ آج تک چلا آ رہا ہے، وہاں سے یہ آواز سارے صوبے

میں اور پھر خیبر سے رنگون تک جا پہنچی۔ انہوں نے انجمن اسلامیہ پٹنہ، مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، انجمن حمایت اسلام لاہور اور اجلاس ندوۃ العلماء کو بھی میلادوسیرت کا پلیٹ فارم بنا دیا۔ (۱۰)

سید شاہ سلیمان پھلواریؒ کے بعد سید ممتاز علیؒ نے ”تہذیب نسواں“ میں ۲۵ دسمبر ۱۹۰۹ء کے شمارے میں عید میلاد کو باقاعدہ منانے کی تجویز پیش کی۔ البتہ ہفت روزہ ”اہل حدیث“ لاہور کے مطابق متحدہ ہندوستان میں غالباً سب سے پہلے امرتسر میں عید میلاد النبیؐ منائی گئی۔ اس کا انتظام کشمیری بزرگ مولانا عبدالسلام ہمدانی کرتے تھے اور اس کی غرض و غایت غیر مسلموں کے سامنے مسلمانوں کی دینی و سیاسی شوکت کا اظہار تھا۔ اس کے بعد یہ تقریب اپنی گونا گوں افادیت کے سبب ہندوستان کے دوسرے شہروں میں پھیلنے لگی۔

لاہور میں میلاد شریف کا باقاعدہ اجتماع ۱۹۱۱ء میں اسلامیہ کالج لاہور میں منعقد ہوا، جس کی صدارت پیر سید جماعت علی شاہؒ (دربار علی پور سیداں، سیالکوٹ) نے کی۔ مقررین میں علامہ اقبالؒ بھی شامل تھے اور اس جلسہ کی روداد رسالہ ”تہذیب نسواں“ میں بھی شائع ہوئی تھی۔ (۱۱)

۱۹۳۵ء کے میلاد النبیؐ کے جلسے اور جلوس جالندھر چھاؤنی میں علامہ اقبالؒ موجود تھے۔ انہوں نے اس میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا: ”چند سال ہوئے میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ خدا تعالیٰ مولود شریف کے ذریعے سے اس امت کو متحد کرے گا۔ مجھے عرصہ تک حیرت رہی کہ یہ واقعہ کس طرح رونما ہوگا۔ اب تحریک یوم النبیؐ نے اس خواب کی تعبیر کو حقیقی طور پر نمایاں کر دیا ہے۔“ (۱۲)

اس سے پہلے ۱۹۲۹ء اور ۱۹۳۰ء میں علامہ اقبالؒ نے دیگر اکابرین ملت کے ساتھ عید میلاد کے جلسے اور جلوسوں کی اہمیت اور انعقاد کی تحریک کی تھی اور اخبارات میں یہ بیان شائع ہوا تھا۔ ”اتحاد اسلام کی تقویت، نبی کریم ﷺ کے احترام و اجلال، نبی کریم کی سیرت کی اشاعت اور ملک میں بانیاں مذاہب کا صحیح احترام قائم کرنے کے لئے ۱۲ ربیع الاول کو ہندوستان کے طول و عرض میں ایسے عظیم ترین تبلیغی جلسوں اور مظاہروں کا انتظام کیا جائے جو حضور سید المرسلین ﷺ کی عظمت قدر کے شایان شان ہوں۔“ (۱۳)

اس اپیل پر سید غلام بھیک نیرنگ، انبالہ، ۲۔ مولانا غلام مرشد، لاہور، ۳۔ مولانا شوکت علی، بمبئی، ۴۔ مولانا حسرت موہانی، موہان، ۵۔ پیر سید مہر علی شاہ، گولڑہ شریف، ۶۔ مولانا قطب الدین عبدالوالی، لکھنؤ، ۷۔ دیوان سید محمد، پاکپتن شریف، ۸۔ مولانا قمر الدین، سیال شریف، ۹۔ مولانا فاخر، الہ آباد، ۱۰۔ پیر سید فضل شاہ، جلاپور شریف، ۱۱۔ مولانا سید حبیب، مدیر ”سیاست“

۱۲۔ اور مولانا محمد شفیع داؤدی، بہار وغیرہم نے دستخط کئے۔“ (۱۴)

ان اکابرین کی اپیل پر برصغیر کے گوشے گوشے میں نبی کریمؐ کا یوم ولادت انتہائی عقیدت و احترام اور شایان شان طریقے سے منایا جانے لگا۔

آج اس دن کی عظمت و اہمیت سے نئی نسل کو صحیح خطوط پر روشناس کرانا، وقت کی سب سے اہم ضرورت ہے۔ ذرائع ابلاغ عامہ، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اخبارات وغیرہ سے اس سلسلہ میں مثبت کام لینا چاہئے جس سے پوری قوم کی تربیت و تہذیب اسلامی خطوط پر ہو سکے۔ آپ ﷺ کی بعثت اور میلاد کی خوشیوں میں اظہار محبت و عقیدت ہر جگہ نمایاں نظر آنا چاہیے تاکہ اس مقدس اور پاکیزہ تقریب میلاد کے ثمرات و برکات سے صحیح معنوں میں فائدہ اٹھایا جاسکے۔

قرآن مجید اور کتب احادیث کے علاوہ نبی کریم ﷺ کی ولادت مبارکہ، مبشرات اور شمائل و خصائل وغیرہ الہامی صحائف تورات، زبور، اناجیل اور دیگر مذاہب کی کتب مقدسہ میں موجود ہیں۔ ان میں آپؐ کی بحیثیت پیغمبر آخرا زمان بعثت کی پیش گوئیاں کی گئی ہیں۔ ان میں آپؐ کو ایسے مدحیہ انداز میں سراہا گیا ہے کہ آپؐ سے پہلے کسی اور پیغمبر کیلئے یہ اسلوب اختیار نہیں کیا گیا۔ ان میں آپؐ کو ایسے توصیفی اسماء سے بھی یاد کیا گیا ہے جو آپؐ سے پہلے کسی دوسرے پیغمبر کے لئے بیان نہیں کئے گئے۔ ان تمام مبشرات کی وضاحت و صراحت سے ایسی جامع شہادتیں ملتی ہیں جن کے مصداق نبی کریمؐ ہی قرار پاتے ہیں۔

حوالہ جات ۱۔ (تواریخ حبیب اللہ، مفتی عنایت احمد کوری ص ۱۵) ۲۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۲

ص) ۳۔ (دی مسلم ڈائجسٹ، ڈربن دسمبر ۱۹۴۴ء ص ۱۷۶)

۴۔ (الباعث علی انکار البدع والحوادث) ۵۔ (محمد رسول اللہ، شیخ محمد رضا صفحہ ۳۴) ۶۔ (انوار ساطعہ ص

۲۱) ۷۔ (حسن البناء کی ڈائری، خلیل احمد حامدی، ص ۱۹۶) ۸۔ (بیان المیلاد النبویؐ، محدث ابن

جوزی) ۹۔ (بادشاہ نامہ، ملا عبدالحمید ج ۱ ص ۲۱۴) ۱۰۔ (سیارہ ڈائجسٹ لاہور، رسول نمبر ج ۲ ص ۴۵۹)

۱۱۔ (اقبال ریویو، جولائی ۱۹۷۸ء) ۱۲۔ (اخبار، ایمان لاہور ۴ تا ۱۱ مئی ۱۹۳۵ء) ۱۳۔ (میلاد شریف

اور علامہ اقبال، سید نور محمد قادری ص ۶) ۱۴۔ (میلاد شریف اور علامہ اقبال، سید نور محمد قادری ص ۶)

میلاد النبی ﷺ

الہامی صحائف و کتب اور دیگر مذاہب کی روشنی میں

(محمد مظفر عالم صدیقی)

تورات میں بشاراتِ مصطفیٰ ﷺ

تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ۱۴۵۰ ق م کے لگ بھگ نازل ہوئی۔ تورات، زبور اور انجیل ان تینوں کتابوں کا ذکر قرآن مجید میں جا بجا ملتا ہے اور ان کے ماننے والوں کو اہل کتاب کا خطاب دیا گیا ہے۔ تورات آج کل بائبل میں شامل ہے۔ تورات کے پانچ حصے ہیں جن کو پانچ کتابیں کہا جاتا ہے۔ ان میں سے پانچویں کتاب استثناء میں ہے:

جَاءَ الرَّبُّ مِنْ سَيْنَاءَ اشْرَقَ لَنَا مِنْ سَاعِيرِ اسْتَعْلَنَ مِنْ جَبَلِ فَارَانَ.

”آ یارب، پہاڑ سینا سے اور روشن ہو ساعیر سے اور ظاہر ہو فاران کے پہاڑ سے۔“ (۱)

اس آیت میں تین جلیل القدر پیغمبروں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ حضور

موسیٰ پر کوہ سینا میں توات اتری، ساعیر پہاڑ پر حضرت عیسیٰ کو انجیل ملی اور فاران کے پہاڑ پر حضور پر نزول قرآن ہوا۔ یہ پہاڑ مکہ معظمہ کے قریب ہے جس میں غار جبرا واقع ہے۔ فاران یا پاران، اس پہاڑی کا نام ہے جو مکہ کے نزدیک ہے۔ (۲)

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے فرمایا: ”میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے

تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے فرماؤں گا وہ سب ان سے کہے گا اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لے کر کہے گا، نہ سنے گا، تو اس کا حساب اس سے لوں گا۔“ (۳)

یہ بشارت بالکل واضح ہے بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسماعیل کے سوا اور کون ہو سکتے ہیں

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بنی اسماعیل میں ہوگا اور تجھ سا ایک بنی سوائے نبی کریم اور کسی پر صادق ہی نہیں آسکتا کیونکہ تورات خود اس کی گواہی دے رہی ہے کہ بنی اسرائیل میں کوئی نبی موسیٰ کے مانند ہوا ہی نہیں۔ ”پھر قائم نہ ہوا کوئی نبی، بنی اسرائیل میں موسیٰ کے مانند، جس نے پہچانا ہوا اللہ کو دو بدو۔“ (۴)

تورات میں ایک اور جگہ مذکور ہے: ”اور یعقوب نے اپنے بیٹوں کو یہ کہہ کر بلوایا کہ تم سب ایک جگہ جمع ہو جاؤ تا کہ میں تم کو بتاؤں کہ آخری دنوں میں تم پر کیا گذرے گی۔ اے یعقوب کے بیٹو! جمع ہو کر سنو اور اپنے باپ اسرائیل کی طرف کان لگاؤ۔ یہوداہ کی سلطنت نہیں چھوٹے گی اور نہ اس کی نسل سے حکومت کا عصا موقوف ہوگا۔ جب تک شلوہ نہ آئے پھر لوگ اس کے ارد گرد جمع ہو جائیں گے۔ (۵)

شلوایا شلوہ کے معنی میں لوگ اختلاف کرتے ہیں۔ اس آیت کی وضاحت سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی بادشاہت کے بعد حضرت محمد شریف لائیں گے اور ان دونوں پیغمبروں کے بعد جو اس دنیا میں کتاب و قانون لائے وہ آنحضرت ﷺ ہیں۔

اشعیاء کی صحیح تورات باب ۴۱ میں مذکور ہے: ”اے جزیرے والو! خاموش ہو جاؤ اور سب قبیلے اپنی اپنی قوت کی از سر نو تنظیم کر لیں اور باہم مل جائیں پھر اس بارے میں مشورہ کریں کہ ہم سب مل کر فیصلہ کے لئے اس ہستی کے سامنے پیش ہو جائیں جو مشرق سے نمودار ہوگی اور فتح و نصرت اس کے قدم چومے گی۔ اس کے سامنے دوسری قوتیں ہیچ ہو جائیں گی۔ دنیا کے بادشاہوں پر اس کا غلبہ ہو جائے گا۔ وہ انہیں اپنی تلوار سے کاٹ کر مٹی میں ملا دے گا اور اپنے تیر و کمان سے شکست دے کر خشک گھاس کی طرح کر دے گا۔ وہ انہیں اپنی راہ سے ہٹا دے گا اور خود اس راستے سے صحیح و سالم گزر جائے گا جس پر کوئی دوسرا نہ چلا ہوگا۔ وہ ابتدائی انسانی نسلوں کے سامنے اس کا مدعی ہوگا کہ میں ہی پہلا رب ہوں اور بعد کو آنے والی نسلوں سے کہے گا کہ میں ہی پہلا رب ہوں۔“ اس میں قبائل سے مراد عرب کے قبائل ہیں اور تلوار و کمان والے حضرت محمد ہیں اس لئے کہ حضرت عیسیٰ نے کبھی کسی سے جنگ ہی نہیں کی۔ (۶)

تورات میں مذکور وصفِ مصطفیٰ ﷺ

حضرت عبداللہ بن سلامؓ راوی ہیں کہ تورات میں آپ کا وصف اس طرح مذکور ہے: ”اے نبی! ہم نے آپ کو شاہد، مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ آپ میرے بندے اور

رسول ہیں۔ میں نے آپ کا نام متوکل رکھا ہے۔ آپ نہ ترش رو ہیں اور نہ سخت مزاج ہیں اور نہ بازاروں میں پھرنے والے ہیں۔ آپ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے بلکہ درگزر فرمادیتے ہیں اور معاف کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس وقت تک نہیں اٹھائے گا، یہاں تک کہ آپ کی تعلیم سے امت درست نہ ہو جائے اور وہ سب ”لا الہ الا اللہ“ نہ کہہ لیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعے سے اندھی آنکھوں کو بینا بناتا، بہرے کانوں کو سننے کے قابل بناتا اور تالے پڑے ہوئے دلوں کو کھولتا ہے۔“ (۷)

تورات نے حضرت حقوق کے اس بیان کی تصدیق کی ہے کہ پروردگار فاران کی پہاڑیوں سے قوت کے ساتھ آیا تو نام احمد کی تسبیح سے آسمان معمور ہو گئے اور اس کی امت کا سمندروں پر تصرف ایسا ہی ہوگا جیسا خشکی پر۔ وہ ایک ایسی نئی کتاب لے کر آئے گا جس کا تعارف بیت المقدس کی تقریب کے بعد ہوگا۔ (۸)

اور حضرت سلیمان نے تورات میں حضور کی آمد کی پیش گوئی ان الفاظ میں فرمائی: ”مہر نبوت ان کی پشت پر ہوگی اور ان کا نام احمد ہوگا۔“ (۹)

تورات میں آپ ﷺ کے دارالہجرت کا ذکر

تورات میں آپ ﷺ کے دارالہجرت کا ذکر بھی موجود ہے اور اس کے آثار و وضاحت سے بیان کئے گئے ہیں: جب حضرت موسیٰ ارکان حج ادا کرنے کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لائے تو اس سفر میں بنی اسرائیل کی کثیر جماعت آپ کے ہمراہ تھی۔ حج سے لوٹتے وقت ان لوگوں کا گزر مدینہ طیبہ کی زمین پر ہوا اور اس مقام میں وہ تمام آثار و اوصاف موجود دیکھے جو نبی آخر الزماں کے وطن میں توریث کی پیش گوئی کے مطابق ہونا چاہئے تھے تو ان میں سے ایک گروہ نے حضرت موسیٰ کی ہمراہی ترک کرنے کے متعلق مشورہ کیا اور جدا ہو کر اسی مقام پر مقیم ہو گئے۔ (۱۰)

تبع بادشاہ نے بھی مدینہ کا احترام آپ ﷺ کے مسکن کی وجہ سے کیا

تبع نے جب مدینہ پر حملہ کرنے کی کوشش کی تو اس وقت یہود کے بعض علماء اس کے

سامنے آئے اور کہا کہ یہ شہر حفاظت الہی میں محفوظ ہے اس کو کوئی شخص برباد نہیں کر سکتا۔ ہم نے اپنی کتاب میں اس کے اوصاف پڑھے ہیں اور اس کا نام طیبہ ہے۔ یہ پینچمبر آخر الزماں کا دارالہجرت ہے جو حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے ہوں گے۔ آپ اس کی ویرانی کے ارادہ سے بازر ہیں۔ علماء یہود کی باتوں سے اس نے نصیحت پکڑی اور چار سو علماء توریت نے اسے چھوڑ کر مدینہ منورہ میں نبی آخر الزماں کی صحبت کے لئے اقامت اختیار کی۔ تبع نے ان میں سے ہر ایک کے لئے ایک ایک مکان تعمیر کر دیا اور مال کثیر دے دیا اور ایک کتاب لکھی جس میں اپنے اسلام لانے کی شہادت کا اظہار کیا۔ یہ کتاب مہر کر کے اس جماعت کے سب سے بڑے عالم کو سپرد کر کے وصیت کر دی کہ اگر وہ نبی آخر الزماں کا زمانہ پائے تو وہ یا پھر ان کی اولاد اسی طرح آگے منتقل کرتی رہے۔ اس کتاب میں دیگر اشعار کے علاوہ یہ شعر بھی ہے:

شَهِدْتُ عَلَى أَحْمَدَ أَنَّهُ

رَسُولٌ مِنَ اللَّهِ بِأَدَى أَكْثِيمٍ

گوای دیتا ہوں میں اوپر احمد کے، کہ بے شک وہ رسول ہیں اللہ کی جانب سے وہ اللہ

جو پیدا کرنے والا ہے رحوں کا۔“

یہ بھی روایت ہے کہ اس نے حضور کے لئے بھی ایک مکان تعمیر کرایا تاکہ تشریف آوری کے وقت اس میں نزول فرمائیں۔ علمائے یہود میں سے ایک کو اس کا متولی بنا دیا۔ حضور جب مدینہ تشریف لائے تو حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مکان میں قدم رنجہ فرمایا اور یہ ابو ایوب انصاریؓ اسی عالم کی اولاد میں سے ہیں۔ اہل مدینہ میں سے جن لوگوں نے حضورؐ کی مدد کی وہ انہی علماء کی اولاد میں سے تھے۔ (۱۱)

زبور میں بشارات مصطفیٰ ﷺ

زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر ۱۰۰۰ اق م کے قریب نازل ہوئی۔ حضرت داؤد نے آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کے نزول کی خبر دی اور وحی الہی کے تحت اس شہر کا بھی تعین کر دیا، جہاں حضور مبعوث ہو

والے تھے۔ زبور میں حضرت داؤد فرماتے ہیں: ”مبارک ہیں وہ جو تیرے گھر میں بستے ہیں، وہ سا

تیری حمد کریں گے۔ وہ بکہ کی وادی سے گزرتے ہوئے ایک کنواں بناتے ہوئے۔ (۱۲)
یہاں بکہ سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ مارگولیوتھ (Margoliuth) نے بھی گواہی دی
کہ زبور کا بکہ، عرب کے مکہ مکرمہ کے سوا اور کوئی جگہ نہیں۔ (۱۳)

علامہ سیوطی نے حضرت وہب بن منبہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت
داؤد کو خوش خبری دی۔ ”اے داؤد تمہارے بعد ایک نبی آئے گا۔ جس کا نام احمد اور محمد ہوگا۔ جس
سے میں کبھی ناراض نہیں ہوں گا اور وہ کبھی میری نافرمانی نہیں کرے گا۔ میں نے محمد اور ان کی امت
کو تمام امتوں پر فضیلت دی ہے۔“ (۱۴)

ابن ابی حاتم نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابوالدرداء نے کہا کہ میں نے زبور کے ایک نسخے
میں ایک سو پچاسی سورتیں دیکھیں جن کی چوتھی سورت میں یہ الفاظ تھے۔ ”اے داؤد سنو! اور سلیمان
سے کہہ دو کہ لوگوں کو بتادیں کہ زمین میری ہے میں اس کا وارث محمد اور ان کی امت کو بناؤں گا۔ (۱۵)

انجیل میں بشارات مصطفیٰ ﷺ

انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ولادت سے ۵۷۱ سال پہلے
نازل ہوئی۔ انجیل مقدس پانچ انجیلوں کی صورت میں ملتی ہے:
۱۔ متی کی انجیل، ۲۔ لوقا کی انجیل، ۳۔ مرقس کی انجیل، ۴۔ یوحنا کی انجیل، ۵۔ برنباس کی
انجیل۔ آج کل قدیم ترین انجیل چوتھی پانچویں صدی کی ملتی ہے وہ بھی یونانی زبان میں ہے جبکہ
حضرت عیسیٰ اور ان کے حواریوں کی زبان آرمی تھی۔

انجیل متی:

انجیل متی باب ۳، آیت ۸ میں حضرت یوحنا (تکئی) کی زبانی اس طرح مرقوم ہے:
”میں تو تم کو توبہ کے لئے پانی سے پتسمہ (عیسائی مذہب کی ایک رسم، جس میں بچے کی
پیدائش پر اس کے سر پر مقدس پانی کے چھینٹے ڈال کر اسے عیسائی مان لیا جاتا ہے) لیکن جو میرے

بعد آتا ہے وہ مجھ سے زور آور ہے میں اس کی جوتیاں اٹھانے کے لائق نہیں وہ تم کو روح القدس اور آگ سے پتسمہ دے گا۔“

”متی باب ۱۰، آیت ۱۶ میں ہے کہ حضرت مسیح نے ان بارہ (رسولوں) کو بھیجا اور ان کو حکم دے کر کہا۔ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھینٹوں کے پاس جانا اور چلتے چلتے یہ منادی کرنا کہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آگئی ہے۔“

یہ آسمان کی بادشاہی سے مراد نبی کریم کی بعثت تھی یعنی ”یہ لوگ اندھیرے میں بیٹھے تھے انہوں نے بڑی روشنی دیکھی اور جو موت کے ملک میں بیٹھے تھے ان پر روشنی چمکی۔“ (متی باب ۱۲ آیت ۱۶)

یہی وجہ ہے کہ آج حضور کا ابدی پیغام بنی نوع انسان کے لئے مشعل راہ سے بڑھ کر ہے۔

انجیل لوقا:

”انجیل لوقا باب ۳، آیت ۱۶، ۱۷ میں انجیل متی کی پہلی بشارت حرف بحرف موجود ہے۔“

انجیل مرقس:

مرقس کی انجیل میں بھی نبی کریم کی عظمت کا اقرار انجیل متی اور انجیل لوقا کی متذکرہ بالا پہلی بشارت کے حوالے سے پہلے باب آیت ۶ تا ۸ میں موجود ہے: ”اور یوحنا اونٹ کے بالوں کا لباس پہنے اور چمڑے کا پڑکا اپنی کمر سے باندھے رہتا۔ ٹڈیاں اور جنگلی شہد کھاتا تھا اور منادی کرتا تھا کہ میرے بعد وہ شخص آنے والا ہے جو مجھ سے زور آور ہے۔ میں اس لائق نہیں کہ جھک کر اس کی جوتیوں کا تسمہ کھولوں میں نے تم کو پانی سے پتسمہ دیا مگر وہ تم کو روح القدس سے پتسمہ دے گا۔“

انجیل یوحنا:

یوحنا کی انجیل حضور کے مبعوث ہونے کا اعلان کر رہی ہے۔ درج ذیل پیش گوئی حضرت عیسیٰ نے نبی کریم کی بابت کی ہیں:

”اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ جہان کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں۔“ (۱۶)

”مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہیں مگر اب تم ان کو برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ (محمدؐ) یعنی روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لئے کہ وہ اپنی مرضی سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔“ (۱۷)

انجیل برناباس:

انجیل برناباس ۳۲۵ء تک مستند انجیل تسلیم کی جاتی رہی۔ ۴۹۶ء میں بابائے گلائیس اول نے اور بہت سی کتابوں کی طرح برناباس کو گمراہ کن قرار دے کر عیسائیوں کے لئے اس کو اپنے پاس رکھنا جرم ٹھہرایا۔ رفتہ رفتہ یہ کتاب غائب ہو گئی۔ ۳۸۳ء میں پوپ نے اس کا ایک نسخہ حاصل کر کے اپنی لائبریری میں محفوظ کر لیا۔ اطالوی زبان میں لکھا ہوا نسخہ ۱۷۱۳ء میں شہزادے یوگین نے بے۔ ایف کریم سے حاصل کیا جو ”وی آنا“ کے شاہی کتب خانے میں ۱۷۳۸ء میں منتقل ہوا اور یہ مسودہ اب بھی وہاں محفوظ ہے۔ ۱۹۰۷ء میں اس کا انگریزی ترجمہ آکسفورڈ کے کلیئرٹن پریس سے چھپا۔ اس کا عربی ترجمہ مصری عیسائی عالم ڈاکٹر خلیل سعادت نے ۱۹۰۸ء میں کیا۔ عربی ترجمہ کو محمد حلیم انصاری نے اردو میں منتقل کر کے ۱۹۱۰ء میں لاہور سے شائع کیا۔ ۱۹۷۳ء میں انگریزی ترجمہ قرآن کونسل آف پاکستان کراچی سے دوبارہ شائع ہوا۔

یہ انجیل برناباس بڑی حد تک تحریف سے محفوظ ہے۔ اس میں حضرت عیسیٰ کی زبانی حضور کے بارے میں کئی بشارات درج ہیں۔ جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

”جب آدم اپنے پاؤں پر کھڑا ہوا تو اس نے آسمان میں ایک تحریر سورج کی طرح چمکتی دیکھی، جس کی عبارت تھی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ تب آدم نے اپنا منہ کھولا اور کہا میں تیرا شکر ادا کرتا ہوں۔ اے میرے پروردگار، اے میرے خدا میں تیرا شکر گزار ہوں کہ تو نے میری تخلیق فرمائی لیکن میں تیری منت کرتا ہوں کہ تو مجھے خبر دے کہ ان الفاظ کا کیا مطلب ہے، (محمد رسول

اللہ) کیا مجھ سے پہلے اور بھی انسان ہوئے ہیں۔ خدا نے کہا مرحبا! اے میرے بند نے آدم، میں تجھے بتاتا ہوں کہ تو پہلا انسان ہے جسے میں نے پیدا کیا ہے اور وہ جسے تو نے دیکھا ہے تیرا بیٹا ہے، جو دنیا میں اب سے بہت سال بعد آئے گا اور میرا رسول ہوگا۔ جس کے لئے میں نے تمام چیزیں پیدا کی ہیں، جب آئے گا تو دنیا کو نور بخشا گا، جس کی روح ہر شے پیدا کرنے سے ساٹھ ہزار سال پہلے ملکوتی شان میں رکھی گئی تھی۔ (۱۸) ”میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تحقیق چاند اس کو اس کے بچپن میں سلانے کے لئے لوریاں دے گا اور جب وہ رسول بڑا ہوگا تو اس چاند کو اپنی دونوں ہتھیلیوں سے پکڑے گا۔“ (۱۹) یہ عبارت معجزہ شق القمر کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

”اور آدھی رات کو نماز کے بعد شاگرد یسوع کے قریب آگئے تب یسوع نے ان سے کہا یہی رات رسول اللہ کے زمانے میں سالانہ جو ملی ہوگی جو کہ اس وقت ہر سو برس پر آتی ہے اس لئے میں نہیں چاہتا ہوں کہ ہم سو رہیں بلکہ یہ کہ ہم سو مرتبہ اپنے سر کو جھکاتے ہوئے نماز پڑھیں۔ اپنے قد پر حیم محبوب کے لئے سجدہ کریں جو کہ ابد تک مبارک ہے۔“ (۲۰)

”ہمیں اللہ کا شکر کرنا چاہئے کہ اس نے ہم کو اس رات میں ایک بڑی رحمت عطا کی ہے کیونکہ وہ اس زمانہ کو پھر واپس لانا جس کا اس رات میں گزرنا لازم ہے۔ اس لئے کہ تحقیق ہم نے یحییٰ کے ساتھ رسول اللہ کے ہمراہ دعا مانگی اور تحقیق میں نے اس کی آواز سنی۔“ (۲۱)

ان دونوں عبارات سے حضرت مسیح کے نزدیک شب میلاد رسول کی رفعت اور عظمت نمایاں ہے اور وہ اس رات نیند کو نامناسب سمجھتے ہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ عبادت کر کے برکات و فیوض حاصل کرنے کے درپے ہیں اور اپنے حواریوں کو بھی اسی امر کی تلقین فرماتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ اس رات اور اس دن کو بطور عید میلاد رسول منانے کا علم رکھتے تھے۔ اس سے جہاں آپ کا مستقبل میں وقوع پذیر امور غیبیہ پر مطلع ہونا ثابت ہے وہاں اس رات اور دن کو مسرت و شادمانی اور فرحت و خوشی کے اظہار کا پسندیدہ امر ہونا بھی واضح ہوتا ہے۔ نواب صدیق حسن نے بھی وضاحت فرمائی: سو جس کو حضرت کے میلاد کا حال سن کر فرحت حاصل نہ ہو اور خدا کا شکر اس نعمت کے حصول پر نہ کرے، وہ مسلمان نہیں۔

حضرت عیسیٰ، حضور کی آمد کی بشارت دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ”مسیحا کا نام ”قابل تعریف“ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب ان کی روح مبارک کو پیدا کیا اور آسمانی آب و تاب میں رکھا تو خود ان کا نام رکھا۔ اللہ نے فرمایا۔ ”اے محمد! انتظار کرو۔ میں نے تیری خاطر جنت کو پیدا کیا ہے۔ ساری دنیا کو پیدا کیا ہے اور بے شمار مخلوقات کو پیدا کیا ہے، جب میں تجھے دنیا میں بھیجوں گا تو تمہیں نجات دہندہ رسول بنا کر بھیجوں گا۔ تیری بات سچی ہوگی۔ آسمان اور زمین فنا ہو سکتے ہیں لیکن تیرا دین کبھی فنا نہیں ہو سکتا۔“ آپ نے کہا کہ ”محمدؐ اس کا بابرکت نام ہے۔ اس پر تمام سامعین نے فریاد کرنی شروع کی۔ اے خدا!“ اپنے رسول کو ہماری طرف بھیج یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دنیا کی نجات کے لئے جلد تشریف لے آئیں۔“ (۲۲)

صرف برناباس کی انجیل میں ہی حضور اکرمؐ کے بارے میں مبشرات کا سراغ لگایا جائے تو آپ کی سیرت پاک اور خصائل و شمائل کے بارے میں بہت سی وقیع معلومات ملتی ہیں مثلاً آپ کو نبیوں کا سرتاج (باب ۱۲: ص ۱۰)، خدا کا رسول (باب ۳۹ ص ۴۵، ۴۶)، باعث تخلیق کائنات (باب ۳۹ ص ۴۶)، مالک و مختار (باب ۴۱ ص ۴۹)، رحمۃ اللعالمینؐ (باب ۴۳ آیت ۱۳ تا ۱۵ ص ۶۸-۶۹)، آیت ۱۵-۱۶ ص ۲۰۴ اور باب ۱۶۳ آیت ۳ تا ۱۰ ص ۳۳۳) قیامت کے دن حضورؐ کا ہزار سورج کی طرح چمکنا اور انبیاء و فرشتوں کا ان کے گرد جھرمٹ ہونا (باب ۵۴ آیت ۲ تا ۱۱ ص ۸۴-۸۵) خاتم النبیین کا نسل اسماعیل سے ہونا (باب ۲۰۸ ص ۲۸۹-باب ۴۳ ص ۶۹-باب ۱۹۱ ص ۲۷۱)، آدم کے ناخنوں پر اسم محمدؐ کا لکھا جانا (باب ۳۹ آیت ۱۴ تا ۲۸ ص ۶۰) اور حضورؐ کا دنیا کی سب چیزوں سے پہلے پیدا کیا جانا (باب ۳۵ ص ۵۳-۵۴)۔“

حضرت سلیمانؑ کے صحیفہ میں بشاراتِ مصطفیٰ ﷺ

غزل الغزلات (نشید الانشاد) حضرت سلیمانؑ کے مقدس صحیفہ کا نام ہے۔ یہ آج کل بائبل عہد نامہ عتیق اور جدید کے مجموعہ میں شامل ہے۔ اصل صحیفہ عبرانی زبان میں تھا۔ اس میں حضرت سلیمانؑ نے حضور کی آمد کی بشارت میں اشاروں کنایوں سے کام لینے کی بجائے صاف طور پر حضورؐ کا اسم گرامی بتایا ہے: ”خلو محمد یم زہ رودی زہ رعی“ (وہ ٹھیک محمدؐ

ہیں، وہ میرے محبوب ہیں میری جان) (۲۳)

اسی صحیفہ میں آپ کا اسم گرامی مع حلیہ مبارکہ یوں بیان کیا گیا ہے: ”میرا محبوب نورانی، گندم گوں، ہزاروں میں سردار ہے۔ اس کا سر ہیرے کا سا چمکدار ہے اس کی زلفیں مثل کوئے کی کالی ہیں۔ اس کا چہرہ مثل ماہتاب کے، جوان مانند صنوبر کے، اس کا گلا نہایت شیریں اور وہ بالکل محمد یعنی تعریف کیا گیا ہے۔ یہ ہے میرا دوست اور میرا محبوب،“ اس کلام میں بین السطور صرف ایک ہی شخصیت ہے اور وہ ہیں سرور کشور رسالت حضرت محمد ﷺ کیونکہ اس میں بعض الفاظ صراحت کے ساتھ آپ ہی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

حضرت سلیمان نے سلطنت مصطفیٰ کے متعلق یوں بشارت دی۔ ”اس کی سلطنت سمندر سے سمندر تک اور دریائے فرات سے زمین کی انتہا تک ہوگی۔ بیابان کے رہنے والے اس کے آگے جھکیں گے اور اس کے دشمن خاک چاٹیں گے۔ اس کا نام ہمیشہ قائم رہے گا۔ جب تک سورج ہے اس کا نام رہے گا اور لوگ اس کے وسیلہ سے برکت پائیں گے، سب قومیں اس کو خوش نصیب کہیں گی۔“ (۲۴)

دیگر انبیاء اور بشارات مصطفیٰ ﷺ

حضرت ادریس: آپ نے حضور ﷺ کے بارے میں درج ذیل الفاظ میں پیش گوئی کی: ”دیکھو ہمارا آقا اپنے دس ہزار ہمراہیوں (صحابہ کرام) کے ساتھ آ رہا ہے تاکہ سب لوگوں کا انصاف کرے۔“ (۲۵)

حضرت نوح: آپ نے حضور ﷺ کے بارے میں فرمایا: ”اب میں اپنی کمان کو بادلوں میں رکھ دیتا ہوں ایک زمانہ ایسا آئے گا جب میں زمین کے اوپر ایک بادل کو لاؤں گا جس سے وہ کمان بادلوں میں دکھائی دینے لگ جائے گی۔“ (۲۶)

حضرت شعیب: آپ کے کلام میں ہے: ”میں نے دو سوار دیکھے جن کے نور سے زمین روشن ہوگئی۔ ان میں سے ایک خچر سوار تھا اور دوسرا شتر سوار۔“ (خچر سوار سے مراد حضرت عیسیٰ اور شتر سوار ہمارے پیغمبر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں) اسی طرح انہوں نے فرمایا۔ ”اے

قوم میں نے ایک صورت انور اونٹ پر دیکھی ہے جو اپنی ضوفشانی میں چاند سے مشابہ تھی۔“ (۲۷)

حضرت ابراہیم: آپ کے صحیفہ میں مذکور ہے۔ ابن سعد نے شعیبی سے روایت کیا ہے: ابراہیم کی کثیر اولاد ہوگی۔ یہاں تک کہ ان کی اولاد میں نبی امی اور خاتم النبیین ﷺ آئیں گے۔ (۲۸) حضرت ابراہیم نے رسول اکرم کی بعثت سے کم و بیش تین ہزار سال قبل عالم انسانی کو یہ نوید سنائی۔ ”وہ عربی ہوگا، اس کا ہاتھ سب کے خلاف ہوگا۔ وہ اپنے سب بھائیوں کے درمیان بود و باش کرے گا۔“ (۲۹)

حضرت یسعیاہ: حضرت سلیمان کے جانشین انبیاء میں سے حضرت یسعیاہ نے اپنے صحیفے میں جو الہامی الفاظ فرمائے ہیں اور حیرت انگیز پیش گوئی کی جو نہایت عظیم الشان طریقے سے حضور کی ذات اقدس میں پوری ہوئی۔ ”ان پڑھ کو کتاب دی گئی کہ اسے پڑھ، وہ کہتا ہے کہ میں ان پڑھ ہوں، پڑھ نہیں سکتا۔“ (۳۰)

زرتشتی مذہب (پارسیوں کا مذہب)

اسلام کے ظہور سے پیشتر اہل ایران کا مذہب آگ کی پوجا تھا۔ اسے زرتشتی مذہب کہا جاتا ہے۔ ایران قدیم میں ایک زبردست دینی شخصیت حضرت زرتشت (Zor Astor) نے تقریباً ۱۰۰۰ ق۔ م میں جنم لیا۔ اہل میڈیا نے انہیں پیغمبر تسلیم کیا جن پر بقول ان کے ”اوستا“ نامی الہامی کتاب نازل ہوئی۔ ان کی روایت کے مطابق اوستا اکیس نسخوں پر مشتمل تھی مگر اس کتاب کا ۱۰/۱ حصہ ہی بچ سکا اور باقی ۹/۱۰ حصہ وقت کے بحر ظلمات میں غرق ہو کر ناپید ہو چکا ہے۔ زرتشت کی تعلیمات سے یہ گمان حقیقت کا روپ دھار لیتا ہے کہ شاید وہ پیغمبر ہی ہوں کیونکہ ان کی تعلیمات تعمیری اور جاندار ہیں۔ خود زرتشت نے ایک خدا یعنی ”آہورا مزدا“ کی پرستش لازمی قرار دی اور نیکی و بدی یا خیر و شر کا تصور بھی دیا۔ پارسیوں نے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نیکی و بدی کو دو مستقل خداؤں کا درجہ دے دیا۔ نیکی کے خدا کو یزداں اور بدی کے خدا کو اہرمن (شیطان) کے نام دے دیئے۔ بہر حال زرتشت نے اوستا میں اور باتوں کے علاوہ ایک بیان یہ بھی دیا ہے جسے علامہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنے خطبات بہاولپور میں نقل کیا ہے۔ ”میں نے دین کو مکمل نہیں کیا

میرے بعد ایک نبی اور آئے گا جو اس کی تکمیل کرے گا اور اس کا نام رحمۃ اللعالمین یعنی تمام جہانوں کے لئے باعثِ رحمت وگا۔“ اس اقتباس سے صاف واضح ہے کہ حضرت زرتشت آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی آمد کی بشارت دے رہے ہیں۔

حضور کی آمد کی بشارت زنداوستا کے دستا تیر ۱۴ میں یوں بیان کی گئی ہے۔

”جب اہل فارس اخلاقی طور پر زوال پذیر ہو جائیں گے۔ ایک شخص عرب میں پیدا ہوگا۔ اس کے پیروکاران کے مذہب اور تخت و تاج کو ویران کر دیں گے اور ایران کے طاقتور مغرور حکمران مغلوب ہو جائیں گے۔ جو گھر بنایا گیا تھا اور جس میں بہت سارے بت رکھے گئے تھے۔ ان بتوں سے پاک ہو جائے گا اور لوگ اس کی طرف اپنا چہرہ کر کے اپنی نمازیں پڑھیں گے۔ اس کے پیروکار پارسیوں کے شہر طوس (Tus) اور بلخ اور ان کے اردگرد کے بڑے شہروں پر قابض ہو جائیں گے اور دیگر علاقوں کے دانا لوگ اس کے پیروکاروں سے مل جائیں گے۔“ (۳۱)

یہ کتاب پارسیوں کے پاس ہمیشہ رہی ہے۔ اس میں حضور کا میلاد، کعبہ سے بتوں کا اخراج، آتش فارس کا بجھنا، کعبہ کی طرف منہ کر کے عبادت کرنا، مسلمانوں کا ایران فتح کرنا، اس قدر واضح پیش گوئی ہے جو حضور کے علاوہ کسی اور کے لئے نہیں ہو سکتی۔

گوتم بدھ

ہندوستان کی مقدس کتابوں کے علاوہ مذہبی شخصیات نے بھی بلیغ اشارات میں نبی کریم ﷺ کی آمد کی بشارت دی ہے۔ گوتم بدھ (۵۶۸ ق۔ م۔ ۴۸۸ ق۔ م) نے برہمنوں کے سامراجی شکنجے میں دم توڑتی ہوئی انسانیت کو نجات دلانے کی بھرپور کوشش کی۔ جب وہ اپنا مقدس مشن پورا کر کے دنیا سے رخصت ہونے لگے تو انہوں نے اپنی زندگی کے جو آخری الفاظ کہے وہ حضور کی بعثت کے متعلق گواہی پر مشتمل تھے۔ عین اس وقت جب گوتم بدھ کی سانس اکھڑ رہی تھی اور نبضیں ڈوبنے والی تھیں، ان کے ایک شاگرد نندائے بے قرار ہو کر پوچھا: ”آقا آپ کے جانے کے بعد دنیا کو کون تعلیم دے گا۔“ اس کے جواب میں گوتم بدھ نے جو الہامی الفاظ کہے، وہ تاریخ

نے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لئے۔ اس عظیم مفکر نے جواب دیا۔ ”ننرا میں پہلا بدھ نہیں ہوں جو زمین پر آیا۔ نہ میں آخری بدھ ہوں۔ اپنے وقت پر ایک اور بدھ آئے گا۔“ عظیم بدھ کے اس ارشاد پر اس کے شاگردنڈا نے سوال کیا۔ ”ہم اسے کس طرح پہچانیں گے۔“ بدھ نے جواب دیا۔ ”وہ متیریا کے نام سے موسوم ہوگا۔“

متیریا کیا ہے؟ الہ آباد کے مشہور انگریزی اخبار ”لیڈر“ کی ۱۶، اکتوبر ۱۹۳۰ء کی اشاعت میں ایک بدھ عالم کا مضمون شائع ہوا تھا۔ جس میں اس نے ”متیریا“ کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھا تھا۔ وہ جس کا نام ”رحمت“ ہے متیریا سنسکرت کا لفظ ہے۔ اس کے لغوی معنی دوستی، خیر خواہی، رحم والا، محبت والا، شفقت والا، مخلوق کی خیر خواہی کرنے والا اور رحمت والا ہیں اور یہ سب صفات حضور میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ (۳۲)

گو تم بدھ کی ایک پیش گوئی ملتی ہے: ”بھائیو! اس وقت دنیا میں ایک اعلیٰ ہستی مبعوث ہوگی اس کا نام برگزیدہ ”متیریا“ ہوگا۔ کامل معرفت والا، حکمت نیکی اور سرور مطلق والا، تمام عالمین کا عالم بے نظیر، ہدایت کے متمنی لوگوں کا ہادی، فرشتوں اور انسانوں کا معلم۔ ایک بدھ اعظم جیسا میں اس وقت ہوں وہ کامل طور پر جانے گا اور دیکھے گا۔ اعلیٰ زندگی کی معرفت مع اپنے کمال و صفائی اصلی روح اور الفاظ دونوں کی وساطت سے ظاہر کی جائے گی جیسا کہ میں اب ظاہر کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہزاروں صحابہ کی جماعت ہوگی جیسا کہ میرے ساتھ چند سو کی جماعت ہے۔ (۳۳)

اس پیش گوئی میں آپ کی آمد کے علاوہ صحابہ کبار کی کثیر تعداد کے بارے میں بھی واضح اشارہ موجود ہے۔ فتح مکہ کے وقت آپ کے ساتھ دس ہزار اصحاب اور آخری خطبہ حجۃ الوداع کے وقت آپ کے سامنے ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام کا جم غفیر تھا۔

ویدا اور پران

ہندوؤں کی دینی تعلیمات کا دار و مدار جن کتابوں پر ہے۔ ان میں چاروں وید (رگ

وید، سام وید، یجر وید، اتھرو وید)، اپنشد۔ گیتا اور دس پران شامل ہیں۔

پران اور بشارات مصطفیٰ ﷺ

بھولیشن پران: ”اے دیوتاؤ! سنبل گرام میں یہ کتب پیدا ہوگا۔ وہ وشنو ایشیاء کے نام سے مشہور ہوگا۔ وشنو کیرتی اس کی چہیتی بیوی ہوگی۔“ (۳۴) اس سے مراد ہے کہ عرب میں وہ پیغمبر پیدا ہوں گے اور رسول اللہ کے نام سے مشہور ہوں گے۔ ان کی چہیتی بیوی کا نام خدیجہ الکبریٰ (وشنو کیرتی) ہوگا۔

کلنکی پران: یہ ہندوؤں کی معتبر کتاب ہے۔ اس میں دس پیغمبروں کے آنے اور مبعوث ہونے کا ذکر آیا ہے۔ اس میں حضور کی آمد کی بھی پیش گوئی کی گئی ہے۔ چنانچہ اس کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ ”کلنکی اوتار ایک پہاڑی میں عبادت کرے گا وہاں خدا اس کو سبق دے گا پھر اس کو اپنے گھر والوں سے تکلیف ہوگی اور یہ مجبوراً جدا ہو کر شمالی پہاڑوں میں چلا جائے گا۔ اس اوتار کے چار بھائی ہوں گے جو اس کے دھرم کو سارے جہان میں پھیلائیں گے۔ اس اوتار کی ایک بیوی بڑی خوبصورت سرخ رنگت کی ہوگی۔ اے لوگو! جب اس اوتار کا ظہور ہو تو تم اس کے قدموں میں اپنے سر رکھ دینا کیونکہ نجات اور ہدایت اسی کے پاس سے ملے گی۔“ (۳۵)

آپ نے کوہ حرا میں عبادت کی اور وہیں پر وحی نازل ہوئی۔ چار بھائیوں سے مراد خلفائے راشدین ہیں جنہوں نے اسلام کی اشاعت کی۔ شمالی پہاڑوں میں جانا ہجرت ہے جو مکہ سے مدینہ کو ہوئی۔ سرخ رنگت والی بیوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

پوتھک اوتران

پوتھک اوتران یا پوتھک سنگرام ہندوؤں کی مقدس کتاب ہے۔ بیاس جی کی اس مقدس کتاب میں آپ کی پیش گوئی واضح الفاظ میں موجود ہے۔ ”آنے والے زمانہ میں ”مہامت“ پیدا ہوگا۔ اس کی نشانی یہ ہوگی کہ اس کے سر پر بادل سایہ کرتا ہوگا اور اس کے جسم کا کوئی حصہ سیاہ نہ ہوگا وہ دنیا کے لئے کوئی تلاش نہیں کرے گا اس کی تلاش سراسر دین کے لئے ہوگی جو کچھ بھی اس کے ہاتھ آئے گا اسے خدا کی راہ میں دے دیا کرے گا۔ اپنی زندگی میں اس کا طریقہ کم کھانے کا ہوگا۔ عرب کے سرداران اس کے دشمن ہوں گے لیکن وہ خود خداوند تعالیٰ کا محبوب ہوگا۔“ (۳۶)

دھرم اوترا کھنڈ

دھرم اوترا کھنڈ مہادیو جی (۱۵۲۰ ق م - ۱۲۵۳ ق م) کے خطبات اور تقاریر پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں لکھا ہوا ہے: وہ مخلوقات سے ڈرتا نہیں ہوگا۔ بہت ہی دلاور اور سمجھدار ہوگا۔ اس کا نام مہامت ہوگا۔ اس مہامت کی اوضاع دیکھنے سے لوگ حیران ہوں گے۔ اس کی قوم اور قبیلہ کے لوگ جس طریقہ سے عبادت کیا کرتے ہیں وہ اس طرح کی عبادت نہیں کرے گا اور اپنی قوم سے کہے گا کہ مجھے اس قادر ذات کی طرف سے جو واحد ہے اور کوئی شریک نہیں رکھتا، یہ حکم ہے کہ اس قسم کی بے معنی عبادت مت کیا کر اور میں سوائے ایک اللہ کی ذات کے دوسرے کسی کی طرف بھی رجوع کرنے والا نہیں ہوں۔ آپ لوگ میری تابعداری کریں۔ اس کی تبلیغ اور دعوت کی وجہ سے اس کی قوم کے سب لوگ اس سے الگ ہو جائیں گے۔ (رہبر عالم، قاضی عبدالخلیم اثر) مہامت سے مراد حضور کی ذات اقدس ہے۔

سام وید

سام وید چار ویدوں میں سے ایک ہے۔ برہمنوں کے نزدیک اس وید کو باقی ویدوں پر خاص فوقیت حاصل ہے۔ اس میں حضور کے متعلق بہت سی پیش گوئیاں موجود ہیں۔ حتیٰ کہ آپ کا اسم مبارک ”احمدؑ“ بھی موجود ہے۔ احمد ہے پتوہ میدھام رنسیہ پری جگرہ۔ (۳۷)

(احمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے رب سے پر حکمت شریعت کو حاصل کیا۔ ایک منتر میں حضور کی بعثت کا اظہار یوں ہے:

”احمدؑ نے اپنے پر ماتما سے سندرا آدرش اور پرکار سیکھا۔ میں سورج کی طرح روشن ہو رہا ہوں۔“ (ایضاً) اس اشلوک میں آپ کا نام احمد واضح طور پر لکھا گیا ہے۔ آپ کی حکمت سے لبریز شریعت کا تذکرہ اور آپ کو سورج کی مانند روشن ”سراجا منیرا“ کے متبادل لفظ سے تعبیر کیا گیا۔

اتھروید

اتھروید تینوں ویدوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ اس میں رگ وید کے مہاد، سام وید کے گانے اور یجر وید کی عبادت کا ذکر ہے۔ اتھروید صحیفہ ابراہیم کی بڑی حد تک نقل ہے۔ اتھروید میں

حضور کی آمد کی بشارت اس طرح دی گئی ہے: ادم جناہ اپ اشرت نراشنہ اسوشتے کورم شیشٹم
سہسرچہ نویتیم رشمیشو ادو ہے۔ (۳۸)

”اے لوگو یہ (بشارت) احترام سے سنو، محمد تعریف کیا جائے گا۔ ساٹھ ہزار اور نوے
دشمنوں میں اس ہجرت کرنے والے (امن پھیلانے والے کو) ہم (حفاظت میں) لیتے ہیں۔
نراشنہ کے معنی ہیں لوگوں میں تعریف کیا گیا۔ ہجرت کے وقت مکہ مکرمہ کی آبادی ساٹھ ستر ہزار تھی
جیسا کہ ابن اثیر کامل وغیرہ نے لکھا ہے۔ (۳۹)

حضور کے متعلق اتر وید میں چند اشارات اس طرح ملتے ہیں: اے لوگو! بڑے زور و شور سے
سنو! مہامت لوگوں میں ظاہر ہوگا۔ ہم ہجرت کرنے والے کو ساٹھ ہزار اور نوے دشمنوں سے پناہ دیں
گے۔ اس نے ماح رشی کو سینکڑوں سونے کے سکے، دس حلقے، تین سو عربی گھوڑے اور گائیں دیں۔ (۴۰)
اس میں مہامت اور ماح رشی سے مراد حضور کی ذات اقدس ہے۔ ماہ یعنی مہابہ معنی
بہت زیادہ، مع یعنی تعریف کیا گیا۔ زبان اور لہجے کے اختلاف کی وجہ سے لفظ محمد کو مہامت بنا دیا
گیا ہے۔ معنوں اور مفہوم کے اعتبار سے اس کا اطلاق حضور کی ذات پاک پر ہوتا ہے۔ ان
منتروں سے جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ مہامت رشی (حضرت محمد) پہلے ہجرت کریں
گے۔ اور پھر ان کو فتح حاصل ہوگی۔ سینکڑوں سونے کے سکے سے مراد اصحاب کبار ہیں جو مکہ مکرمہ
میں آپ کو میسر آئے اور وہ اہل مکہ کی ہر قسم کی سختیاں برداشت کر کے خالص سونے کی طرح قیمتی
بن گئے۔ دس حلقے سے مراد عشرہ مبشرہ، تین سو عربی گھوڑوں سے مراد اصحاب بدر اور دس ہزار گائیں
سے مراد وہ دس ہزار صحابہ کرام ہیں، جو فتح مکہ کے روز حضور کے ساتھ تھے۔ یہی بات حضرت موسیٰ
نے فرمائی تھی: وہ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آئے گا۔ (۴۱) اور حضرت سلیمان نے فرمایا: دس
ہزار آدمیوں کے درمیان جھنڈے کی مانند کھڑا ہوگا۔ (۴۲)

مہابھارت

ہندوؤں کی اس مقدس کتاب میں بھی سرور دو عالم کا تذکرہ ملتا ہے۔ اس میں ایک جگہ درج
ہے: کل جگ کے آخر میں کلنکی اوتار پیدا ہونے والا ہے (مہابھارت شناتی پرواد ہانیہ: ۲۴۰) کلجگ
سے مراد ہرنی قتل وغارتگری، بتوں کی خوشنودی کی خاطر انسانوں کو بھینٹ چڑھانا، لڑکیوں کو زندہ درگور

کردینا، معاشرتی انتشار اور پر آشوب دور مراد ہے اور کلنکی اوتار سے مراد آپ کی ہی ذات اقدس ہے۔ بھگوت گیتا مہا بھارت کا اہم ترین حصہ ہے۔ اس میں سری کرشن کی تعلیمات میں بھی حضور کے متعلق واضح اشارات موجود ہیں: جب دھرم کی ہانی ہوتی ہے اور ادھرم بڑھ جاتا ہے، تب خدا ایسے شخص کو کھڑا کرتا ہے جو نیک لوگوں کی رکشا کرتا ہے اور پاپوں کا ناس کر کے دھرم کو قائم کر دیتا ہے۔ (۴۳)

ان حالات سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ بین السطور اس سے مراد آپ کی ذات گرامی ہے۔

حضرت کعب کا ایک خطبہ

درج ذیل بشارت ان الہامی ادراکات میں سے ہے جن کو عقلیں تصور میں لاتی ہیں اور وہ صحیح ثابت ہوتے ہیں۔ کعب آنحضرت ﷺ کے ساتویں دادا ہیں۔

کعب قریش کو خطبہ دیتے اور بعثت حضور کا ذکر کیا کرتے تھے کہ وہ نبی ان کی اولاد میں سے ہوگا چنانچہ انہیں اس نبی کی تابعداری کا حکم دیتے اور فرماتے: اپنے حرم کو آراستہ کرو، اس کی تعظیم کرو، عنقریب اس کی بڑی شان ہوگی اور یہاں سے ایک نبی کریم نکلے گا پھر چند اشعار پڑھتے۔ ان میں یہ شعر بھی ہے:

عَلَى غَفْلَةٍ يَأْتِي النَّبِيُّ مُحَمَّدٌ

فَيُخْبِرُ أَخْبَاراً صَدَوْقًا خَيْرُهَا

(نبی محمد ﷺ اچانک آجائیں گے اور وہ خبریں بتلائیں گے جن کا جاننے والا سچا ہوگا)

(۴۴) اس کا ذکر سیرت و حلانیہ میں بھی موجود ہے۔

حضرت کنانہ کی پیش گوئی

حضرت کنانہ بن خزیمہ کے پاس اہل عرب حصول علم و فضل کے لئے آتے تو آپ فرماتے ”مکہ مکرمہ سے ایک نبی نکلیں گے انہیں احمد کے نام سے پکارا جائے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف بلائیں گے۔ وہ نیکی اور احسان کا درس دیں گے پس ان کی تابعداری کرنا تمہارے شرف میں اضافہ کا موجب ہوگا۔“ (۴۵)

حضرت عبدالمطلب کا خواب

ابوعلیٰ غیروانی نے اپنی کتاب ”البستان“ میں روایت کی ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے

خواب میں دیکھا کہ ان کی پشت سے چاندی کی زنجیر نکلی جس کا ایک سر آسمان میں، ایک زمین میں، ایک مشرق میں اور ایک مغرب میں تھا پھر اس سے ایک درخت ظاہر ہوا، جس کا ہر پتہ نور کا تھا اور مشرق و مغرب کے رہنے والے جیسے اس کے ساتھ لٹکے ہوئے ہوں۔ آپ کا یہ خواب کاہنہ نے سن کر اس کی تعبیر بتائی کہ آپ کی نسل میں سے ایک ایسی ہستی پیدا ہوگی جس کی مشرق اور مغرب کے رہنے والے اطاعت کریں گے اور آسمان و زمین والے اس کی تعریف بیان کریں گے۔ آپ کو تنے کے قریب دو تبرک اور مقدس شخصیتیں نظر آئیں۔ آپ نے ان سے تعارف چاہا تو ایک نے فرمایا میں ”نوح نجی اللہ“ ہوں اور دوسرے نے فرمایا میں ”ابراہیم خلیل اللہ“ ہوں۔ جناب ابراہیم نے فرمایا کہ یہ وہ درخت ہے جو تمہارے آباء و اجداد سے تمہیں پہنچا ہے جو ایک قرن (زمانہ) سے دوسرے قرن اور ایک صلب سے دوسرے صلب میں منتقل ہوتا آیا ہے اور اب تمہارے صلب سے ظاہر ہوا ہے۔ (۴۶)

سیف بن ذی یزن کی خوشخبری بسلسلہ بعثت نبوی ﷺ

سیف بن ذی یزن حمیری نے حبشہ کو فتح کر لیا اور یہ فتح حضور کی ولادت کے بعد حاصل ہوئی تھی تو عرب کے وفد اور معززین قوم اس کی خدمت میں مبارکباد دینے کی غرض سے گئے۔ قریش کے وفد میں آنحضرت کے دادا عبدالمطلب بن ہاشم بھی تھے۔ بادشاہ نے بڑی رازداری سے حضرت عبدالمطلب کو تخیلہ میں بتایا یہ بات آپ کے سینہ میں محفوظ اور راز رہنی چاہئے جب تک خود حق تعالیٰ ہی اس کا افشا کا حکم نہ دے دے۔ میں اس مخفی علم اور پوشیدہ کتاب میں جسے ہم نے اپنے لئے مخصوص کر رکھا ہے اور اپنے سوا دوسروں سے پوشیدہ رکھا ہے، ایک عظیم الشان خبر اور بہت بڑی بلندی و مرتبہ کا ظہور پاتا ہوں جس میں تمام بنی نوع انسان کو حیات میں عظمت و شرف اور موت کے بعد فضیلت و برتری حاصل ہوگی اور آپ کی قوم کو عام طور سے اور آپ کو خاص طور پر یہ شرف حاصل ہوگا۔ وہ راز اور خوشخبری یہ ہے کہ جب تہامہ (شدت گرما اور ہوا کے جس کی وجہ سے جس کی حدیں شمال میں حجاز اور جنوب میں یمن سے جا ملتی ہیں، اس علاقے کا نام تہامہ رکھا گیا تھا) میں ایسا بچہ پیدا ہوگا جس کے شانوں کے درمیان ابھرے ہوئے گوشت کی مہر ہوگی تو اسے قیامت تک عالم کی سرداری حاصل رہے گی۔ حق تعالیٰ اسے علانیہ مبعوث فرمائے گا۔ خدائے رحمان کی عبادت کرے گا، بتوں کو توڑ ڈالے گا، وہ تمام ادیان کو باطل قرار دے گا۔ برائیوں سے

منع کرے گا اور خود بھی رکے گا۔ اس کے والدین وفات پا جائیں گے اس کے دادا اور چچا اس کی پرورش کریں گے۔ حضرت عبدالمطلب نے حضورؐ کی ولادت کے جملہ احوال سنائے تو ابن ذی یزن نے کہا کہ اے عبدالمطلب! آپ ہی اس نومولود ہستی کے دادا ہیں۔ اس فرزند کی حفاظت کیجئے خاص طور پر اسے یہودیوں سے بچائے رکھئے، کیونکہ وہ لوگ اس کے سخت دشمن ہیں لیکن حق تعالیٰ انہیں ہرگز اس پر غالب نہ آنے دے گا۔ یہ واقعہ تاریخ اسد الغابہ میں بھی مذکور ہے کہ آنحضرتؐ کے دادا نے سیف بن ذی یزن کو آپ کے اوصاف کے بارے میں مطلع کیا تھا۔ (۴۷)

مولانا عبدالرحمن جامیؒ نے حضورؐ کی ولادت سے پہلے وقوع پذیر ہونے والے تیس شواہد بیان کئے ہیں۔ ان میں قدیم صحائف کے حوالے بھی بیان کئے گئے ہیں۔ ان شواہد میں انہوں نے حضورؐ کی تصویر یہودی علماء کے پاس ہونا، شاہ ہرقل کے پاس کئی انبیاء کی تصاویر ہونا، کاہنوں کی زبان پر حضورؐ کا ذکر ہونا، یہودیوں کے ہاں ذکر میلاد النبیؐ، بخت نصر کے خواب کی تعبیر، سطح کی پیش گوئی، حضرت عبدالمطلب سے یہودی علماء کی گفتگو، حضرت عبداللہ کی پیشانی میں نور مصطفیٰؐ اور فاطمہ شامیہ کا قصہ اور واقعہ اصحاب فیل کو بیان کیا ہے۔ (۴۸)

قریظہ، نضیر، فدک اور خیبر کے یہودی آپؐ کی بعثت سے قبل آپؐ کی صفات بتایا کرتے تھے جب آپؐ کی ولادت ہوئی، یہودیوں کے عالم کہنے لگے۔ اس رات ”احمد“ پیدا ہوئے ہیں اور یہ سرخ ستارہ طلوع ہو گیا ہے۔ جب آپؐ کو نبوت عطا ہوئی تو اس کی بھی انہوں نے تصدیق کی۔ یہودی آپؐ کا اقرار کرتے اور صفات بیان کیا کرتے تھے اور آپؐ کی مدینہ ہجرت کے بارے میں بھی بتایا کرتے تھے۔ حضرت حسان بن ثابتؓ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ہمارے پاس ثابت بن ضحاک نامی ایک نوجوان آیا اور سنانے لگا کہ بنو قریظہ کا ایک یہودی مجھ سے جھگڑ رہا تھا اور یہ کہہ رہا تھا کہ ایک نبی کی آمد کا زمانہ قریب ہے وہ ایسی ہی کتاب لائے گا جیسی ہمارے پاس ہے وہ تم سب کو عادی طرح تباہ کر دے گا۔ ایک یہودی مدینہ کی بلندیوں پر چڑھا ہوا تھا۔ اس کے پاس آگ روشن تھی جب لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے تو کہنے لگا: ستارہ احمد طلوع ہو چکا ہے۔ یہ ستارہ اسی وقت طلوع ہوتا ہے جب کسی نبی کی آمد آدہوتی ہے اور احمد کے سوا اب کوئی نبی باقی نہیں رہا۔ (۴۹)

حضرت حلیمہ سعدیہؓ آپؐ کو یہودیوں اور کاہنوں کے پاس لے جاتیں اور ان سے آپؐ کے حالات بیان کرتیں تو وہ آپؐ کی احوال و اوصاف سے آپؐ کو پہچان جاتے تھے۔ نیز حضرت

خدیجہ کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل نے جو ایک معمر عیسائی عالم تھے، آپ کی وحی کی کیفیت سن کر آپ کی رسالت کی خبر دے دی تھی۔ (۵۰)

کعبے کے گرد قریش کی کئی ایک مجالس تھیں جن میں ان کا اجتماع ہوا کرتا جیسا کہ سیرت ہشامیہ میں لکھا ہے۔ ان مجالس میں وہ اپنے خاص معاملات کے متعلق مذاکرات کیا کرتے تھے۔ عبدالمطلب کعبے کے سائے میں بیٹھا کرتے تھے۔ وہاں ان کے لئے خاص فرش بچھا دیا جاتا تھا۔ جس پر ان کے احترام اور تعظیم کی وجہ سے کوئی دوسرا نہ بیٹھ سکتا تھا۔ حضور اپنے بچپن میں اپنے دادا کے پہلو میں بیٹھ جایا کرتے تھے۔ عبدالمطلب کسی شخص کو انہیں روکنے کی اجازت نہ دیتے تھے بلکہ فرمایا کرتے تھے: میرے اس بیٹے کی بڑی شان ہوگی چنانچہ ایسا ہی ہوا بلکہ ان کے تصور اور ان کی امید سے کہیں بڑھ کر ہوا۔ (ایضاً) بحیرا پادری علوم عیسائیت کے تبحر عالم تھے۔ انہوں نے نبی کریم کو دیکھتے ہی پہچان لیا تھا اور کتب مقدسہ کی معلومات کی بناء پر آپ کو آپ کے رسول ہونے کی اطلاع دے دی تھی کیونکہ سابقہ کتب میں آپ کے اوصاف و علامات اور آپ کے بعض معجزات مذکور تھے۔ (۵۱)

جب حضور بصری کے قریب گھائی پر چڑھ رہے تھے تو اس وقت کوئی درخت و پتھر ایسا نہ تھا جس نے آپ کو سجدہ نہ کیا ہو تو اس وقت بحیرا پادری نے آپ کے چچا ابوطالب کو آپ کو وہیں سے واپس لے جانے کی تاکید کی تھی۔ (۵۲)

شام کے یہودیوں میں سے ابوالبلیان نے مکہ میں آ کر رہائش اختیار کر لی۔ وہ حضور کی بعثت کے بارے میں یہودیوں کو بتایا کرتا تھا کہ ایک نبی کی بعثت متوقع ہے جس کا زمانہ قریب آچکا ہے پس اے گروہ یہود! مبادا کوئی دیگر گروہ آنحضرت کے ظہور پر ایمان لانے میں تم پر سبقت لے جائے۔ آنحضرت کو اس حال میں مبعوث کیا جائے گا کہ آپ کو مجبوراً خون ریزی کرنا پڑے گا اور مخالفین کی عورتیں اور ان کی اولادیں آپ کے پاس قیدی بن کر آئیں گی اور یہ چیزیں تمہیں آپ پر ایمان لانے سے نہ روکیں۔ (۵۳)

راہبوں کی پیش گوئی کے بارے میں حضرت سلمان فارسی فرماتے ہیں کہ جب میں دین کی تلاش میں نکلا تو راہب یہ کہا کرتے تھے کہ اس زمانے میں سرزمین عرب سے ایک نبی ظاہر ہوگا۔ آپ کے شانے پر مہر نبوت ہوگی چنانچہ راہبوں کی ساری باتیں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ (۵۴)

حوالہ جات

- ۱۔ (پیدائش ۱۹:۲۱ تا ۲۱) ۲۔ (اسلام اور دنیا کے مذاہب، جی این امجد) ۳۔ (تورات باب ۱۸، آیت ۱۸ تا ۲۰) ۴۔ (استثناء ۲، باب ۳۳، درس ۱۰) ۵۔ (تورات، باب پیدائش ۴۹) ۶۔ (محمد رسول اللہ، شیخ محمد رضا) ۷۔ (خصائص الکبریٰ، ۱:۳۱) ۸۔ (شواہد النبوة، عبدالرحمن جامی) ۹۔ (تورات، یسعیاہ باب ۴۲) ۱۰۔ (تاریخ مدینہ، شیخ عبدالحق محدث دہلوی) ۱۱۔ (تاریخ مدینہ ص ۵۷) ۱۲۔ (زبور باب ۸۴ آیت ۶۱۵) ۱۳۔ (النبی الخاتم، مناظر احسن گیلانی) ۱۴۔ (خصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۲۹) ۱۵۔ (خصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۶۵) ۱۶۔ انجیل مقدس، نیا عہد نامہ باب ۱۲ آیت ۳۱۔ ۱۷۔ باب ۱۶ آیت ۱۲، ۱۳، ۱۸۔ The Gospel of Barnabas، باب ۳۹ ص ۴۶، ۴۷۔ ۱۹۔ برناباس باب ۷۲ ص ۱۱۰۔ ۲۰۔ برناباس باب ۸۳ ص ۱۲۵۔ ۲۱۔ برناباس باب ۸۴ ص ۱۲۶۔ ۲۲۔ The Gospel of Barnabas، باب ۹۷ ص ۱۱۳۔ ۲۳۔ تسبیحات سلمان، پ ۱۲:۵۔ ۲۴۔ فرمودہ ۷۲۔ ۲۵۔ کتاب یہودہ ۱:۱۲۔ ۱۵۔ ۲۶۔ کتاب پیدائش ۹:۱۳ تا ۱۶۔ ۲۷۔ شواہد النبوة ص ۳۱۔ ۲۸۔ خصائص الکبریٰ، ج ۱ ص ۲۹۔ ۲۹۔ پیدائش باب ۱۶:۱۳۔ ۳۰۔ نقوش رسول نمبر ۹:۳۰۔ ۳۱۔ سفرنگ دستا تیر آیت ۵۴ تا ۶۰۔ ۳۲۔ نقوش رسول نمبر ۹:۳۰۔ ۳۳۔ چکاوتی سنگھ نار۔ ستناڈی ۳:۷۶) (مذاہب عالم کا تقابلی جائزہ) ۳۴۔ بھوشن پاران حصہ ۲ پر تی سرگ برد باب ۲۵ صفحہ ۱۵۹۔ ۱۵۸۔ شلوک ۸ تا ۱۰۔ ۳۵۔ انوار الحمدیہ، ص ۱۶۸۔ ۳۶۔ رہبر عالم، قاضی عبدالخلیم اثر، ص ۵۸۔ ۳۷۔ سام وید، دوسرا حصہ باب ۵ فصل ۱۔ ۳۸۔ انوار الحمدیہ ص ۱۶۶۔ ۳۹۔ نقوش رسول نمبر ۴:۵۵۔ ۴۰۔ اتر وید کا نڈ ۲۰ سواگت ۱۲ منتر ۳ تا ۴۱۔ کتاب استثناء باب ۳۳ آیت ۱۔ ۴۲۔ غزل الغزلات: باب ۵۔ ۴۳۔ گیتا باب چہارم۔ ۴۴۔ بلوغ الارب (پیر محمد حسن ج ۱، ص ۵۷۵)۔ ۴۵۔ سیرت دحلانیہ ص ۵۸۔ ۴۶۔ معارج النبوت، ج ۱ ص ۷۱۶۔ ۴۷۔ محمد رسول اللہ، ص ۴۲۔ ۴۸۔ شواہد النبوت ص ۲۹، ۵۴، ۵۹۔ ۴۹۔ خصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۵۸۔ ۵۰۔ بلوغ الارب ج ۱، ص ۵۷۵۔ ۵۱۔ محمد رسول اللہ، ص ۸۱۔ ۵۲۔ جواہر البحار فی فضائل نبی المختار ص ۱۳۰۔ ۵۳۔ سیرت ابن اخیلق۔ ۵۴۔ خصائص الکبریٰ، ج ۱، ص ۵۱

کتابیات

- 1- اخبار الاخیار: شیخ عبدالحق محدث دہلوی
- 2- آفتاب نبوت: مولانا قاری محمد طیب، مطبوعہ: ادارہ اسلامیات لاہور
- 3- آمنہ کلال ﷺ: علامہ راشد الخیری، مطبوعہ: زاویہ ٹریڈرز اردو بازار لاہور
- 4- اردو میں میلاد النبی ﷺ: محمد مظفر عالم جاوید صدیقی، مطبوعہ: فکشن ہاؤس لاہور
- 5- الدر الثمین: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
- 6- تواریخ حبیب الہ: مفتی محمد عنایت احمد کاکوروی، مطبوعہ: سیالکوٹ
- 7- جب حضور آئے: محمد متین خالد، مطبوعہ: مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور
- 8- جشن بہاراں: پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
- 9- حکم ازاں: علی اکبر قادری الازہری
- 10- حول الاحتفال بمولد النبی: الشیخ محمد بن عباس علوی المکی
- 11- سبل الہدی والرشاد: امام یوسف الصالحی الشامی، مطبوعہ: مصر
- 12- سیرت النبی ﷺ: شبلی نعمانی
- 13- سیارہ ڈائجسٹ رسول نمبر شمارہ دسمبر 1994ء
- 14- سلام علیک: طویل ترین نعت، ریاض حسین چودھری
- 15- ضیاء النبی ﷺ: پیر محمد کرم شاہ الازہری، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز
- 16- ضیائے حرم، میلاد النبی اشاعت
- 17- فیوض الحرمین: حضرت شاہ ولی اللہ
- 18- میلاد النبی ﷺ: ڈاکٹر محمد طاہر القادری، مطبوعہ: منہاج القرآن پبلی کیشنز
- 19- منہاج القرآن "ماہنامہ" خصوصی اشاعتیں، متفرق
- 20- مجموعہ خطبات میلاد النبی ﷺ: مولانا اشرف علی تھانوی
- 21- نشر الطیب: مولانا اشرف علی تھانوی
- 22- نور الحیب ماہنامہ اپریل 2005ء

مختصر الہدی

سیدنا
صالح علیہ السلام

پیشکش: میرا لکھنؤی صلی اللہ علیہ وسلم پر علمی تحقیقی اور فکرائیگز و بیروت تحریریں

شائندہ مجموعہ

مرتب:

علامہ عالیہ اکبر قادری الازہری

ڈیورٹیہ رضویہ پبلی کیشنز